بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضیاء الصبیح

تقریر

مشکوٰۃ المصابیح

تالیف

حضرت مولانا عبدالعزیز شامزئی

استاذ حدیث مدرسہ دارالقرآن رحیم آباد سوات

از افادات

مرشد کامل، شیخ شریعت و طریقت محدث کبیر

حضرت اقدس مولانا فضل محمد سواتی رحمۃ اللہ علیہ

(مع اضافات)

ملنے کا پتہ

مکتبہ صدیقیہ علاقہ عیسیٰ خیل مٹہ سوات

نام کتاب: ضیاء الصبیح شرح مشکوۃ المصابیح

مؤلف: مولانا عبدالعزیز صاحب (استاذ حدیث مدرسہ دارالقرآن رحیم آباد سوات)

سن اشاعت: جمادی الاولیٰ ۱۴۳۳ھ مطابق مارچ ۲۰۱۲ء

دارالتصنیف: مدرسہ دارالقرآن رحیم آباد سوات

ناشر: مکتبہ صدیقیہ محلہ عیسیٰ خیل نوروز مینگورہ سوات فون: 0334 9332627

کمپوزنگ: زکریا کمپوزنگ سنٹر محلہ عیسیٰ خیل نوروز مینگورہ سوات

ملنے کے پتے:

مکتبہ صدیقیہ مینگورہ سوات	مکتبہ رحمانیہ لاہور
الحبیب اکیڈمی مینگورہ سوات	اسلامی کتب خانہ بنوری ٹاؤن کراچی
شیخ الہند اکیڈمی مینگورہ سوات	مکتبہ حبیب اکوڑہ خٹک
مکتبہ رشیدیہ مینگورہ سوات	مکتبہ حبیبیہ سواڑی بونیر
مکتبہ عمر فاروق کراچی	مکتبہ اسلامیہ تیمرگرہ
مکتبہ عمر فاروقی پشاور	مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ
مکتبہ الاشاعت پشاور	مکتبہ دیوبند کوہاٹ
مکتبہ الابرار مردان	مکتبہ فریدیہ اسلام آباد
مکتبۃ الشیخ کراچی	مکتبہ لدھیانوی کراچی

عرض مؤلف

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم محمد وآلہ واصحابہ اجمعین ۔ آمین

عرض گزار ہے بندہ ناچیز عبدالعزیز بن عبدالودود (مرحوم) کہ کس منہ سے اللہ کریم کا شکر ادا کروں جس نے اس ذرہ بے حیثیت کو احادیث مبارکہ کی خدمت کی توفیق بخشی۔ اگر توفیق نہ ہوتی تو چہ نسبت خاک را با عالم پاک والا معاملہ تھا۔ میں اپنی اس حقیری کوشش اور محنت کی نسبت اپنے شیخؒ اور مربی کی طرف کرتا ہوں کہ جو مجھ سے صادر ہوا یا ہوگا وہ سب حضرت مہتمم صاحبؒ کے فیض صحبت کا اثر ہے۔ اللہ پاک نے جب سے انسان کو پیدا فرمایا تو اسکی رہنمائی کیلئے وحی کو مدار بنایا۔ اللہ پاک خود فرماتے ہیں "الرحمن علم القرآن ○ خلق الانسان ○ علمہ البیان ○" اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام جو کہ دوسری امتوں کے مقابلہ میں کامل امت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کے ذریعے انکی اصلاح فرمائی اور صاحب قرآن حضرت محمد ﷺ نے اپنے فصیح اور بلیغ کلام کے ذریعے انکی رہنمائی فرمائی۔ اور عملی زندگی میں نافذ کر کے ہر زاویہ اور گوشہ سے لوگوں کو روشناس کرایا۔ جس کو احادیث نبوی کا نام دیا گیا۔ جو حضور ﷺ کے دہن مبارک سے حالات کے مطابق صادر ہوئے اور حضور ﷺ کے عزیز تلامذہ حضرات صحابہ کرامؓ نے اپنے سینوں میں محفوظ کئے۔ اور بعد کے ائمہ مجتہدین نے کافی غور اور تحقیق کے بعد کتابی شکل میں ہم تک پہنچائے جو مختلف ناموں سے دنیا میں موجود ہیں۔ جن میں ان میں ایک کتاب مشکوۃ المصابیح ہے جو ان دوسرے کتابوں اور مجموعوں سے اخذ کیا گیا ہے۔ جس میں نہ ایجاز ہے نہ اطناب اور ہر گوشہ زندگی پر محیط ہے۔ جس سے علماء اور طلباء کے علاوہ دوسرے عام لوگ بھی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب کلی زندگی کا اسلامی زندگی سے تعلق پیدا کرنے کا کامیاب ذریعہ ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے حجۃ اللہ البالغہ والی کتاب کا تعریف کیا ہے۔ فن حدیث کے بڑے بڑے ماہرین نے اپنے دور میں اس کتاب کو مسند درس دیا۔ بعض نے اس کے شروحات لکھیں جو کئی کئی جلدوں میں موجود ہیں۔ اور بعض نے اس کو حفظ کرانے کی مراکز قائم کئے۔ من جملہ ان اکابرین میں سے ہمارے استاد بزرگوار شیخنا و مرشدنا غوث الزمان حضرت علامہ مولانا ابوالفضل محمد بن حضرت مولانا جون محمد صاحبؒ بھی تھے۔ جو کہ علم، تقویٰ، اخلاص اور للہیت کے پیکر تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ایسی نابغہ روزگار کو اللہ پاک نے اپنے حبیب ﷺ کے کلمات طیبات کے خدمت کیلئے پیدا فرمایا ہے۔ اور حضرت کے بال بال میں حضور ﷺ کی محبت کے جلوے معلوم ہوتے تھے۔ جنہوں نے سالہا سال درس مشکوۃ کو زینت بخشی جو آفاق و اطراف میں مشہور تھا۔ یہ کوئی روایتی درس نہ تھا بلکہ ایک روح پرور اور ایمان افروز مجلس ہوا کرتا تھا۔ اور پورا ایک گھنٹہ تک موتیاں بکھیرتے تھے۔ بغیر کسی ایجاز و اطناب کے مشکل مسائل سادہ الفاظ سے حل کرتے تھے۔ اس لئے کہ حضرتؒ ایک جامع الصفات شخصیت تھے۔ وہ علم ظاہری سے زیادہ علم باطنی پر زور دیتے تھے

۔حضرتؒ کے ہر ایک شاگرد اپنے حافظے کے مطابق بات جو ہر بار دہرا کر محفوظ کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ جن میں احقر بھی تھا۔ مگر مجھ ناچیز پر اللہ پاک کے بڑی مہربانی تھی کہ حضرتؒ میرے ساتھ محبت اور شفقت فرماتے تھے جو ان کے ساتھ قرب کا ذریعہ بنا۔ حضرتؒ کے حالات کو تو میں بیان نہیں کرتے کیونکہ انہوں نے اپنے دورِ حیات میں اس سے منع فرمایا ہے۔ لیکن عنداللہ مقبولیت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرتؒ فرمایا کرتے تھے کہ مجھے خواب میں حضور ﷺ نے فرمایا کہ پاکستان میں میرے صرف دو مہتمم ہیں۔ ایک حضرت بنوریؒ اور ایک دوسرا۔۔۔۔ حضرتؒ نے دوسرے مہتمم کا نام ذکر نہیں کیا لیکن پھر بعد میں قریبی دوستوں اور ذرائعوں سے معلوم ہوا کہ وہ دوسرا مہتمم حضرت بنفسِ نفیس تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ حضرتؒ اس دنیا سے دو ہفتہ کی مرض رحلت فرما چکے ہیں اور پیچھے کوئی باقاعدہ تصنیف نہیں چھوڑا ماسوائے باعمل علماء اور متعلمین چھوڑے ہیں۔ جن میں شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب، مفتی اعظم پاکستان محمد رفیع عثمانی، شہید ملت مفتی نظام الدین شامزئیؒ اور مولانا فضل محمد یوسفزئی وغیرہ۔۔۔۔

تو میں نے ارادہ کیا کہ میں حضرتؒ کے ساتھ محبت وعقیدت کی یادگار بناؤں گا اور حضرتؒ کے زریں تقریر اور تحریری افادات کو صاف کر کے برائے اساتذہ وطلباء اپنے ساتھ رکھوں گا۔ خدا شاہد ہے کہ کبھی بھولے سے بھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ مجھے مشکوٰۃ شریف کی شرح آتا ہے یا دکھ دیتا۔ یہ صرف حضرتؒ کے ساتھ محبت کا اثر تھا۔ مگر بعض طلباء، احباب اور حضرتؒ کے متعلقین نے التماس سے بات کہ حکم دیا کہ ضرور اس تقریرِ سعید کو ایک تحریری شکل دی جائے۔ تو احقر نے بہت سے علماء کرام کے ساتھ مشورہ کیا انہوں نے بھی مفید مشورے دیے اور حوصلہ افزائی فرمائی۔ مگر کم علمی اور سیاہ روئی کا ڈر سے تھی تو قلب میں یہ خیال کرتے اپنی محنت کو جاری رکھا ۔ اس تحریر سے میرا مقصد شروحات میں ایک شرح کا اضافہ کرنا نہیں اور نہ ہی مؤلفین اور شارحین میں اپنا نام ملانا چاہتا ہوں۔ بلکہ صرف اپنے استاذؒ کے ارشادات کو ایک باقاعدہ تحریری شکل دیتا ہوں۔ دیکھتے دیکھتے ایک شرح بن گیا۔ جو کہ "عنایۃ الفصیح" کے نام سے آپ کے سامنے ہیں۔ اس کی توجیہ سوا اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ اللہ پاک نے چاہا اور یہ ہوگیا۔ ورنہ میں تو کم ترین ادنیٰ وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

ناسپاسی ہوگی اگر میں ان دو مشفق بزرگوں کا ذکر نہ کروں جن کے مفید مشوروں نے مجھے حوصلہ دیا اور مدرسہ دارالقرآن کے تمام اساتذہ کرام کا میں بے حد مشکور ہوں جنہوں نے ہر مشکل میں میری راہنمائی فرمائی اور اس محنت میں میری معاونت کی۔ خاص کر ڈاکٹر مفتی مشتاق احمد صاحب، مولانا علی محمد صاحب، مولانا عبد الرحمٰن صاحب، مولانا حیدر علی شاہ صاحب، مولانا عرفان الدین صاحب اور دیگر علماء کرام نے حوصلہ افزائی کی۔ ان مذکورہ علماء کے علاوہ حضرت مفتی غلام الرحمٰن صاحب اور حوصلہ بڑھائی۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو اجر عظیم عطا فرمائے۔ اور ایسے دوستوں اور مخلصین کے جنہوں نے میری مالی معاونت کی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو دنیا و آخرت میں اپنے شان کے مطابق بہتر صلہ عطا فرمائے۔

اگر کوئی خوبی اور نفع نظر آئے تو لاریب حضرت کا فیض تصور ہوگا اور اگر کوئی عیب و نقص نظر آئے تو احقر کی جانب منسوب ہوگا۔ جو بھی غلطی محسوس کی جائے تو برائے اصلاح ہمیں مطلع فرمائیں بندہ دعا گو رہے گا۔ میں آخر میں حضرت کو خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں اور حضرت کے شعر پر اکتفاء کرتا ہوں۔ حضرت اپنے استاد شیخ الاسلام حضرت مدنی کے تلمیذ رشید تھے اپنا سند کسی کو نہیں دکھاتے اور نہ اس پر کوئی مالی یا دنیوی نفع حاصل کرتے یہ صرف باعث ذخیرہ آخرت سمجھتے تھے۔ اور یہ فرماتے تھے۔ شعر

روز قیامت ہر کسی با خویشتن دارد نامۂ ☆☆ من نیز حاضر می شوم اسناد علمی در بغل

میں اسمیں تھوڑا تغیر کرکے اپنے اس خدمت کے متعلق کہتا ہوں۔

روز قیامت ہر کسی با خویشتن دارد نامۂ ☆☆ من نیز حاضر می شوم خدمت علمی در بغل

احقر دعا گو: عبد العزیز بن عبد المودود (مرحوم)

ساکن گل (اشاڑے) سوات استاذ حدیث مدرسہ دار القرآن رحیم آباد سوات

تقریظ

حضرت اقدس شیخ الحدیث جناب مولانا مغفور اللہ صاحب (دامت برکاتہم العالیہ)

شیخ الحدیث جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک۔

محترم ومکرم حضرت مولانا صاحب کی مشکوٰۃ کی شرح بنام "ضیاء الصبیح شرح مشکوٰۃ المصابیح" کا مختلف

بندہ مختلف مقامات مطالعہ کیا۔

مشکوٰۃ شریف کی کتاب بقول استاذی ومرشدی حضرت مولانا خان بہادر مارتونگ بابا دیگر احادیث کی کتابوں کیلئے متن کی حیثیت رکھتی ہے جس طرح کافیہ کی کتاب علم نحو کے تمام کتابوں کیلئے بمنزلہ متن کے ہے۔ متن کے صحیح سمجھنے سے اس فن کے تمام کتابوں کا سمجھنا آسان ہو جاتا ہے اسی طرح مشکوٰۃ شریف کا صحیح سمجھنا صحاح ستہ کے سمجھنے میں ممد ومعاون ہوتا ہے

مشکوٰۃ شریف کی قدیما وجدیدا عربی اردو میں طویل ومختصر شروحات لکھی جا چکی ہیں۔ جو اپنی الگ الگ خاصیات پر مشتمل اور اپنی خصوصی انداز کے ساتھ معروف ہیں ان شروحات میں ایک اور سنہری اضافہ علامہ موصوف نے "ضیاء الصبیح" کے نام سے کیا ہے۔ جو دراصل محدث کبیر حضرت مولانا فضل محمد سواتی (سابقہ استاذ جامعۃ العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی) اور دیگر اکابر کی تشریحات پر مشتمل ہے دیگر خصوصیات کے علاوہ دیکھیں حدیث کی تشریح کے ساتھ ساتھ راوی کے مختصر حالات اشکال وجواب کے ضمن میں حدیث کی مزید توضیح روایات متعارضہ میں تطبیق اور دیگر اہم مباحث پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ مؤلف موصوف کی اس علمی خدمت کو قبول فرما کر اس کیلئے اور اور تمام اساتذہ کیلئے آخرت کا توشہ بنا لیں۔

(حضرت مولانا) مغفور اللہ (صاحب مدظلہ)

مشکوٰۃ کا کافی ذخیرہ اس میں موجود ہے علماء کرام نے مختلف زبانوں میں اس کی شروحات وحواشی لکھے ہیں محترم جناب مولانا عبدالعزیز صاحب دامت برکاتہم نے اردو زبان میں عام فہم طریقے سے نہایت احسن اقدام کیا ہے اور ایک جدید کتاب کی طرح مکمل کیا ہے۔

تالیف مذکور کے چند خصوصیات:

(1) سلیس انداز میں احادیث مبارکہ کی تشریح کی گئی ہے (2) احادیث سے متعلقہ احکامات میں مجتہدین اور فقہاء کے اقوال کو مدلل انداز میں ذکر ہوئے ہیں (3) محدثین کے مابین متداول وجوہات کو مدنظر رکھتے ہوئے توفیق و تطبیق ترجیح توقف نسخ وغیرہ کے ذریعے احادیث مبارکہ کے درمیان ظاہری تعارض کے رفع کرنے کی کوشش کی گئی ہے (4) مناسب لغوی صرفی نحوی تحقیقات کی روشنی میں مقاصد و مفاہیم نبوی کو اجاگر کئے گئے ہیں اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مؤلف موصوف کو اس شرح کی تکمیل کی توفیق عطاء فرمادیں اور قارئین کیلئے حصول علم و افادیت کا ذریعہ بنادیں آمین۔

محمد ادریس مفتی عمر زئی چارسدہ

[۱] حافظ ابن حجرؒ نے اس طرح فرمائی ہے نہایت مختصر اور جامع تعریف بیان فرمائی "معرفة القواعد المعرفة بحال الراوی والمروی" یعنی فن روایۃ حدیث ان قواعد اور اصول کا جاننا ہے جن کے ذریعے رواۃ اور روایات کے احوال پہچانے جا سکیں۔

(۲) هو علم يشتمل على شرح اقوال رسول الله ﷺ وافعاله وصفاته ويذكر فيه معانى الفاظه: ويشرح فيه تلك الالفاظ: ويعلم به طرق استنباط الاحكام ويعرف به ترجيح الراجح منها والتطبيق بين الاحاديث (قال ابن الاكفاني) یعنی رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال کی اس میں تشریح کی جائے اور حدیث کے الفاظ کے معانی بیان کئے جائیں اور احادیث سے احکام فقہیہ کے اخذ اور استنباط کے طریقوں پر روشنی ڈالی جائے۔ اور راجح کی ترجیح بیان کی جائے اور احادیث کے تعارض کو دفع کیا جائے۔

[۳] ایک مفصل تعریف علامہ سیوطیؒ نے بیان کی ہے هو علم يعرف منه حقيقة الرواية وشروطها وانواعها واحكامها وحال الرواة وشروطهم واصناف المرويات وما يتعلق بها [تدریب الراوی ج ۱ ص ۴۰]
یعنی وہ علم جس کے ذریعے روایت حدیث کی حقیقت معلوم ہو کہ روایت کیسی کی جائے اور اس کے معتبر طرق کیا ہیں۔ شرائط اور انواع کیا ہیں۔ نیز ان کے احکام کہ کونسی روایت مقبول ہوتی ہے۔ اور کونسی مردود۔ اس طرح رواۃ کے جرح وتعدیل کے اسباب وطرق اور دیگر اصطلاحات فن معلوم ہوں ایسے علم کو روایۃ حدیث بالسند کہتے ہیں۔

علم اصول حدیث کی تعریف : هو علم بقوانين يعرف بها احوال المتن والسند [تدریب الراوی ج ۱ ص ۴۰] یعنی علم حدیث میں ایسے قوانین ہوتے ہیں جن سے متن وسند کے احوال معلوم ہوتے ہیں علامہ سیوطیؒ نے اپنی رسالہ الفیہ (سیوطی کا ایک رسالہ ہے جو ایک ہزار اشعار پر مشتمل ہے اسلئے اس کو الفیہ کہتے ہیں) میں اس تعریف کو مطلق علم حدیث کی تعریف قرار دیا ہے وہ فرماتے ہیں

علم الحديث ذو قوانين تحد   يدرى بها احوال متن وسند

[اوجز المسالك ج ۱ ص ۵] ترجمہ علم حدیث ایسے قوانین کے علم کو کہا جاتا ہے جن سے متن اور سند کے احوال معلوم ہوتے ہیں اسی طرح علامہ زرقانیؒ نے بھی اسی تعریف کو مطلق علم حدیث کی تعریف قرار دیا ہے
[اوجز المسالک ج ۱ ص ۵] لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ مذکورہ تعریف علم اصول حدیث کی ہے،

روایات مرفوعہ سب ہی آتے ہیں اور بعض علماء نے اثر کو موقوف کے ساتھ خاص کیا ہے مرفوع کا اس پر اطلاق نہیں کرتے ہیں (الدر المنضود ج ۱ ص ۱۲)۔

اور بعض نے صحابہ کے اقوال کو بھی حدیث کی تعریف میں داخل مانا ہے اور بعض نے تابعین کے اقوال کو بھی شامل کیا ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ حدیث و خبر میں تباین ہے۔

حدیث: ما جاء عن النبی ﷺ اور خبر ما جاء عن غیرہ اور بعض نے حدیث خاص کہا ہے ما جاء عن النبی ﷺ اور خبر کو عام ما جاء عن النبی ﷺ و عن غیرہ کہا ہے۔

حدیث و سنت: بعض نے دونوں کو مترادف مانا ہے دوسرا قول حدیث کا اطلاق صرف اقوال رسول ﷺ پر ہوتا ہے اور سنت عام ہے اقوال اور اعمال سب پر ہوتا ہے۔

فرق حدیث اور سنت کے درمیان: جاننا چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کے افعال باعتبار مجموعی دو قسم پر ہیں۔

(۱) جائز الاتباع (۲) حرام الاتباع۔

جائز الاتباع (جس کا اتباع جائز ہو) خواہ مستحب ہوگا یا سنت یا واجب یا فرض اسلئے کہ کسی فعل کے استحباب و سنت یا وجوب و فرضیت سے پہلے اس فعل کا فی نفسہ جواز ثابت ہونا ضروری ہوتا ہے کیونکہ فعل ناجائز ہو کر سنت و مستحب نہیں ہو سکتا اور حرام الاتباع (جس کا اتباع حرام ہو) سے وہ چیزیں مراد ہیں جو آنحضرت ﷺ کے ساتھ خاص تھیں جیسے بیک وقت نو بیویوں سے نکاح اور اونٹ پر سوار ہو کر طواف کرنا اور رات کو کھانا اور روزہ رکھنا افطار نہ کرنا اس قسم کی خصوصیات کے اتباع سے منع فرمایا گیا ہے۔ بہر حال لفظ حدیث جائز الاتباع اور ناجائز الاتباع سب کو شامل ہے اصل میں حدیثوں کی جتنی تعریفیں کی گئی ہیں ان میں کوئی ایسی قید نہیں ہے لیکن لفظ سنت کا اطلاق صرف جائز الاتباع اور وہ افعال پر ہوتا ہے اب آنحضرت ﷺ کی خصوصیات اگر چہ آنحضرت ﷺ کے افعال ہو کر حدیثیں تو ہیں لیکن قابل عمل سنت نہیں ہے سنت صرف وہ ہے جو قابل عمل ہو لہذا ہر سنت حدیث تو ہے لیکن ہر حدیث سنت نہیں ہے گویا ان دونوں کے درمیان عموم و خصوص مطلق کی نسبت ہے چونکہ ہر حدیث قابل عمل نہیں اور سنت صرف قابل عمل ہی کو کہا جاتا ہے اسلئے آنحضرت ﷺ نے "ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب الله و سنة رسوله" سنت رسول اللہ، یا حدیث رسول نہیں فرمایا اسی طرح آپ نے موقع پر "علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین المهدیین" فرمایا حدیث کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔

غیر مقلدین دعوے کے شیدا ہیں حدیث اور سنت کے باہمی فرق کو ذہن میں رکھتے ہوئے یہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ اہل حق

صورۃ العصر" و صوموا له فانتبی" تو انہوں نے فرمایا قرآن حدیث اسی طرح "العصر" کا اور حدیث کا لفظ ہے جو اصطلاح کی تفسیر میں بیان فرمایا گیا ہے چنانچہ یہ ہیں کہ جب شیخ کے پاس پڑھتے تھے اور ان سے سوال کیا کہ آپ کو یہ فرق کس طرح معلوم ہو جاتا ہے؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ جب میرے سامنے قرآن پڑھا جاتا ہے تو مجھے ایک نور قدیم نظر آتا ہے جس سے میں پہچان لیتا ہوں کہ یہ قرآن ہے اور جب حدیث پڑھی جاتی ہے تو مجھے نور حادث نظر آتا ہے اور جب حدیث قدسی پڑھی جاتی ہے تو مجھے نور روحی نظر آتا ہے اور حدیث نبوی کی شکل میں نور حادث نور ذات ہوتا ہے اور جب کوئی موضوع کلام پیش کیا جاتا ہے تو ایک قسم کی ظلمت اور تاریکی محسوس ہوتی ہے اور روح اور نور ذات کا فرق یہ ہے کہ حضور ﷺ دو چیزوں سے مرکب ہیں ایک جوہر لطیف یعنی روح جو عالم ملکوت سے تعلق رکھتی ہے اور دوسرا جسم فانی ہے جو عالم دنیا سے تعلق رکھتی ہے حدیث قدسی کی صورت میں چونکہ معانی عالم ملکوت سے تعلق رکھتے ہیں اور وہیں سے نازل ہوتے ہیں جو روح کا محل ہے۔

اسلئے اس وقت جو نور پیدا ہوتا ہے اس کو نور روح کہتے ہیں اور حدیث نبوی کے معانی ذات نبی ﷺ سے ظاہر ہوتے ہیں اس لئے جو سے جو نور پیدا ہوتا ہے وہ نور ذات کہلاتا ہے شیخ کے اس کلام سے ان تینوں چیزوں کے انوار اور ثمرات کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے مگر یہ اہل ظاہر اس کا ادراک نہیں کر سکتے (الابانی ج ا ص ۳ غیر مطبوع)

دوسری بحث علم حدیث کا موضوع: علامہ کرمانی نے علم حدیث کا موضوع حضور ﷺ کی ذات اقدس کو قرار دیا ہے (کرمانی ج ا ص ۱۲)

لیکن ذات رسول ﷺ "من حیث انہ رسول" موضوع ہے۔

حافظ جلال الدین سیوطی نے تدریب الراوی (ج ا ص ۴۱) پر نقل کیا ہے کہ ان کے استاذ کافیجی نے کرمانی کے قول پر اعتراض کیا ہے کہ ذات رسول چونکہ بشر ہے اس لئے وہ علم طب کا موضوع ہونا چاہیے نہ کہ علم حدیث کا۔

علامہ سیوطی نے اپنے استاذ کافیجی کے اعتراض کو نقل کیا ہے لیکن رد نہیں کیا حالانکہ ظاہر بات ہے کہ علامہ کرمانی نے ذات رسول ﷺ کو "من حیث انہ رسول" علم حدیث کا موضوع قرار دیا ہے اور ذات رسول ﷺ "من حیث الصحة والمرض" علم طب کا موضوع ہو سکتا ہے اور یہ معلوم ہے کہ حیثیت کے اختلاف سے موضوع کا اختلاف درست ہے اس واسطے علامہ کافیجی کی بات درست معلوم نہیں ہوتی لیکن علامہ سیوطی نے اپنے استاذ کے اعتراض کو رد نہ کرنا بھی قابل تعجب ہے۔

یہ بات بھی قابل لحاظ ہے کہ ذات رسول ﷺ "من حیث انہ رسول" مطلق حدیث کا موضوع ہے علم روایت حدیث کا موضوع نہیں اس لئے علم روایت حدیث کا موضوع بقول شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحب "المرویات من حیث الاتصال والانقطاع" ہے (مقدمہ اوجز المسالک ص ۶ مطبوعہ ندوۃ العلماء لکھنؤ)۔

اور علم درایت حدیث کا موضوع "الروایات والمرویات من حیث الانضباط واسنادها لاحتجاج منها" ہے۔

اور علم اصول حدیث کا موضوع "متون واسانید" ہے۔

تیسری بحث غرض وغایت غرض کہتے ہیں "ما لاجله الفعل" جس چیز کے حاصل کرنے کیلئے کوئی کام کیا جائے پھر اس کام پر جو چیز مرتب ہوتی ہے اس کو غایت کہا جاتا ہے اگر وہ مرتب ہونے والی چیز آدمی کے منشاء اور مقصود کے مطابق ہو تو وہ غرض بھی ہے اور غایت بھی اور اگر مرتب ہونے والی چیز منشاء اور مقصود کے خلاف ہو تو وہ غایت ہے (یعنی نتیجہ) لیکن غرض نہیں لہذا غرض خاص ہے اور غایت عام جیسے تاجر حصول نفع کیلئے تجارت کرتا ہے پھر اس تجارت پر کبھی نفع مرتب ہوتا ہے اور کبھی نقصان تو اس نقصان کو غایت تو کہیں گے لیکن غرض نہیں کہہ سکتے۔

علم حدیث کی غرض وغایت علامہ کرمانی نے علم حدیث کی غرض وغایت "الفوز بسعادة الدارین" کو قرار دیا ہے

(ج ا ص ۱۲)

لیکن یہ مجمل ہے تفصیل یہ ہے کہ علم حدیث کی غرض وغایت صحابہ کرام ؓ کے مشابہت پیدا کرنی ہے اور مشابہت یوں ہوتی ہے کہ جیسے صحابہ کرام ؓ رسالت مآب ﷺ کے بارے میں احادیث کا سماع کرتے تھے اور ان کو اخذ کرتے تھے ایسے ہی مشتغلین بالحدیث بھی کرتے ہیں اور یہ سعادت دارین کی کلید ہے۔

شعر اهل الحدیث هم اهل النبی وان لم یصحبوا نفسه انفاسه صحبوا

یعنی محدثین حضور ﷺ کے ساتھ خاص تعلق والے لوگ ہیں اگر چہ ان کو نبی کریم ﷺ کی صحبت نصیب نہیں ہوئی لیکن یہ حضور ﷺ کے اقوال وافعال اور صفات وتقاریر کے مذاکرہ اور حفاظت میں ہر وقت کسی نہ کسی مشغول رہتے ہیں۔ یہ بھی سعادت کا عنوان ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے فیوض الحرمین میں فرمایا ہے ایک مرتبہ حرمین شریفین کے قیام کے دوران مجھے کچھ انوارات نظر آئے ان کی تجلیات میں منکشف ہوا کہ حضور ﷺ کے قلب مبارک سے نور کے دھاگے نکل رہے ہیں اور حضرات محدثین کے قلوب تک پہنچ رہے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ محدثین کے لئے بڑی فضیلت اور شرف کی بات ہے۔

علم حدیث کی غرض وغایت کیلئے یہ سعادت کیا کم ہے کہ جامع ترمذی میں عبد اللہ بن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اولی الناس بی یوم القیامة اکثرهم علی صلاة (ترمذی ج ا ص ۱۱۰)

یعنی قیامت کے دن حضور ﷺ کا قرب ان لوگوں کو زیادہ نصیب ہوگا جو حضور ﷺ پر زیادہ درود بھیجنے والے ہوں گے اور یہ بات کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کہ حضرات محدثین سے زیادہ کوئی آپ ﷺ پر درود شریف بھیجنے والے نہیں ہیں لہذا کہا جا سکتا ہے کہ اس علم کی غرض وغایت قیامت میں حضور ﷺ کا قرب حاصل کرنا ہے۔

اسی طرح طبرانی اوسط میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے "قال النبی ﷺ اللھم ارحم خلفائی قلنا یارسول اللہ من خلفائک قال الذین یأتون من بعدی یروون احادیثی ویعلمونھا الناس"

(مجمع الزوائد ج ۱ / ص ۱۲۶)

یہ روایت اس پر دلالت کرتی ہے کہ محدثین کو حضور ﷺ کی خلافت عطاء ہوئی ہے لہٰذا آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس علم کی غرض وغایت خلافت رسول ﷺ کو حاصل کرنا ہے۔

امام ترمذیؒ اور دوسرے بعض حضرات نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت نقل کی ہے "قال رسول اللہ ﷺ نضر اللہ عبدا سمع مقالتی فحفظھا ووعاھا واداھا" (مشکوۃ المصابیح کتاب العلم ج ۱ / ص ۳۵)

حضرات محدثین نے اس میں دو احتمال ذکر کئے ہیں (۱) یہ جملہ دعائیہ ہے (۲) یہ جملہ خبریہ ہے، اگر اس کو جملہ دعائیہ قرار دیا جائے تب بھی اس میں محدثین کی منقبت کا پہلو نکلتا ہے اور آپ ﷺ نے ان کیلئے سرسبزی اور شادابی کی دعا کی ہے تو اس دعا کے حصول کو بھی علم حدیث کی غرض وغایت قرار دیا جاسکتا ہے۔

(۴) **غرض وغایت** :معرفۃ کیفیۃ الاقتداء بالنبی ﷺ یعنی نبی کریم ﷺ کا اتباع اور آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے کا طریقہ معلوم کرنا اس کیلئے ہم حدیث پڑھتے ہیں۔

(۵) **غرض وغایت** وہ ہے جو صاحب تکمیل نے لکھی ہے "الاحتراز عن الخطأ فی الانتساب الی النبی ﷺ" یعنی حضور ﷺ کی طرف کسی چیز کا غلط انتساب ہونے سے محفوظ ہونا اس لئے کہ یہ بات کہ فلاں بات حضور ﷺ نے ارشاد فرمائی ہے یا نہیں اس کو بھی طرح محدثین ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اور حدیث وغیر حدیث، کلام رسول وکلام غیر رسول میں امتیاز وہی حضرات کر سکتے ہیں جو فن حدیث سے واقف ہوں۔

چوتھی بحث وجہ تسمیہ حدیث کی وجہ تسمیہ کے بارے میں علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں۔

"اصل الحدیث ضد القدیم وقد استعمل فی قلیل الخبر وکثیرہ لانہ یحدث شیئا فشیئا" (تدریب الراوی ج ۱ / ص ۴۲) یعنی حدیث قدیم کی ضد ہے اور حدوث سے ماخوذ ہے اس کا اطلاق خبر قلیل اور کثیر دونوں پر ہوتا ہے اور خبر ایک مرتبہ صادر نہیں ہوتی بلکہ شیئا فشیئا یعنی تدریجاً اس کا ظہور ہوتا ہے اور خبر ہونے کی یہ شان حضور اکرم ﷺ کی احادیث میں موجود ہے اس لئے اس کو حدیث کہتے ہیں۔

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ "المراد بالحدیث فی عرف الشرع ما یضاف الی النبی ﷺ وکانہ ارید بہ مقابلۃ القرآن لانہ قدیم" یعنی عرف شرع میں حدیث سے مراد وہ چیز ہے جو حضور ﷺ کی طرف منسوب ہو اور جو چیز حضور ﷺ کی طرف منسوب ہوتی ہے

چونکہ یہ دونوں حضرات معاصر وہم زمانہ ہیں اس لئے یقین کے ساتھ تعیین نہیں کیا جاسکتا کہ مدون اول ان دونوں میں سے کون ہے؟ اکثر حضرات کا میلان ابن شہاب زہری کی طرف ہے یہی امام مالکؒ، حافظ ابن حجرؒ اور علامہ سیوطی وغیرہ کی رائے ہے۔

اور امام بخاریؒ کا میلان بظاہر ابوبکر بن حزم کی جانب ہے اس لئے امام بخاریؒ نے جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے ان ہی کے نام کی تصریح فرمائی ہے۔

باقی ابوبکر بن حزم کے متعلق حافظ ابن عبد البرؒ نے "التمہید شرح موطا" میں نقل کیا ہے "توفی عمر وقد کتب ابن حزم کتابا قبل ان یبعث به الیه" (ج۱ص۸۱)۔

لہذا معلوم ہوا کہ ابن شہاب زہری کی نوشتہ حدیث حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے پاس پہنچی اور ان کو تقسیم کیا گیا اور ابن حزم کو یہ سعادت میسر نہ آئی اور ان کی لکھی ہوئی احادیث عمر بن عبد العزیزؒ کے پاس نہیں پہنچ پائیں اور نہ ان کو تقسیم کیا جا سکا اس لئے مدون اول کا اطلاق ابن شہاب زہریؒ پر ہوگا ابوبکر بن حزم پر نہ ہوگا۔

اشکال: یہاں پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ امام مسلمؒ نے ابوسعید خدری ؓ (نام سعد بن مالک) کی روایت نقل کی ہے "ان رسول اللہ ﷺ قال لا تکتبوا عنی ومن کتب عنی غیر القرآن فلیمحه" (مسلم ج۲ص۴۱۴)

اشکال: اب سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے کتابت حدیث سے منع فرمایا تو پھر عمر بن عبد العزیزؒ نے کتابت حدیث اور جمع سنن کا اہتمام کیوں کیا؟ اور اس کی کتابت کی وجہ سے ان کو مدون کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب (۱) ابوسعید خدری ؓ کی اس حدیث میں وقف اور رفع کا اختلاف نقل کیا گیا ہے کوئی اس کو موقوف کہتا ہے اور کوئی اس کو مرفوع کہتا ہے اور امام بخاریؒ نے موقوف ہونے کو ترجیح دی ہے (فتح الباری ج۱ص۲۰۸)۔

لہذا جب یہ موقوف ہے تو احادیث مرفوعہ صحیحہ کے مقابلہ میں اس کو حجت قرار نہیں دیا جائے گا۔

جواب (۲) امام بخاریؒ نے کتابت علم میں کئی روایتیں نقل کی ہے۔ پہلی روایت حضرت علی ؓ کی ہے روافض نے یہ مشہور کیا تھا کہ حضرت علی ؓ کے پاس ایک خاص نوشتہ موجود ہے جس میں ائمہ عشرہ کے نام مذکور ہیں۔ اور اس میں ان بارہ اماموں کے بارے میں حضور ﷺ کی وصیت کی گئی ہے اس لئے حضرت علی ؓ سے سوال کیا گیا کہ آپ کے پاس ایک خاص نوشتہ موجود ہے؟ تو فرمایا کہ نہیں یہ قرآن مجید اور ایک نوشتہ ہے جس میں صدقات، دیت، قصاص اور امان کے احکام مذکور ہیں۔ حضرت علی ؓ کی اس روایت کو بخاری، مسلم، نسائی، احمد بن حنبل اور بیہقی وغیرہ نے نقل کیا ہے (صحیح بخاری ج۱ص۲۱، فتح الباری ج۱ص۲۰۴)۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حدیث رسول ﷺ کی کتابت ممنوع نہ تھی ورنہ صدقات ودیات کے یہ احکام کیسے لکھے جاتے یہ بھی حضور ﷺ کی احادیث ہی تو ہیں۔

امام بخاریؒ نے دوسری روایت نقل کی ہے کہ آپ نے فتح مکہ کے سال خطبہ دیا تو ابوشاہ یمنی نے عرض کیا "اکتبوا لی" آپ ﷺ نے فرمایا "اکتبوا لابی فلان" (بخاری ج ۱ ص ۲۲)

ظاہر ہے کہ آپ ﷺ کا یہ خطبہ احادیث پر مشتمل تھا اور آپ ﷺ کے ارشاد سے اس کی کتابت کا جواز ثابت ہو رہا ہے۔

امام بخاریؒ نے تیسری روایت حضرت ابوہریرہؓ کی نقل کی ہے "ما من اصحاب النبی ﷺ احد اکثر حدیثا عنه منی الا ما کان من عبدالله بن عمرو فانه کان یکتب ولا اکتب" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۲۲)۔

اسی طرح مسند احمد (ج ۲ ص ۱۶۲، ۲۱۵) ابوداؤد (رقم ۳۶۴۶) اور مسند دارمی (ج ۱ ص ۱۲۶) میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے احادیث لکھنے کا ذکر موجود ہے۔

مسند احمد کی روایت ہے "قال قلت یا رسول الله انا نسمع منک احادیث لا نحفظها افلا نکتبها؟ قال بلی فاکتبوها" (ج ۲ ص ۲۱۵)

تدوین حدیث کے طبقات: تدوین حدیث کو چند طبقات پر تقسیم کیا گیا ہے۔

پہلا طبقہ: پہلا طبقہ ابن شہاب زہری اور ابوبکر بن حزمؒ کا ہے ان کا دور سنہ ۱۰۰ھ سے لیکر سنہ ۱۲۵ھ تک ہے اور اس طبقہ میں ابن شہاب زہری کو اولیت حاصل ہے اس دور میں احادیث رسول اللہ ﷺ کو جمع کیا گیا (تدریب الراوی ج ۱ ص ۹۰ مقدمہ اوجز المسالک ج ۱ ص ۱۵)

دوسرا طبقہ: دوسرے طبقہ میں ربیع بن صبیح متوفی سنہ ۱۶۰ھ اور سعید بن ابی عروبہ متوفی سنہ ۱۵۶ھ وغیرہ کا نام لیا جاتا ہے علامہ ابن حجرؒ نے مقدمہ فتح الباری میں ان کو اول جامع کہا ہے اور لکھا ہے "وکانوا یصنفون کل باب علی حدة" (مقدمہ فتح الباری ص ۴ تقریب التہذیب ص ۲۰۱) حاجی خلیفہ نے کشف الظنون میں ربیع بن صبیح کو "اول من صنف وبوب" قرار دیا ہے (ج ۱ ص ۶۳۷)۔

یہ دور سنہ ۱۲۵ھ سے لیکر سنہ ۱۵۰ھ تک ہے ان حضرات نے احادیث کو جمع کیا اور صحابہ کرامؓ کے آثار کو بھی ذکر کیا نیز ساتھ ساتھ ابواب بھی قائم کئے اور ہر باب کو علیحدہ علیحدہ شکل میں جمع کیا (مقدمہ فتح الباری ص ۶ اوجز المسالک ج ۱ ص ۶)۔

مثلاً نماز کی احادیث کو کتاب الصلوٰۃ کے عنوان سے علیحدہ جمع کیا اور زکوٰۃ کی احادیث کو کتاب الزکوٰۃ کے عنوان سے الگ جمع کیا۔

تیسرا طبقہ: تیسرا طبقہ سنہ ۱۵۰ھ سے لیکر سنہ ۲۰۰ھ تک ہے اس طبقہ میں بہت سے حضرات کے نام ذکر کئے گئے ہیں اور ہر ایک کو مدون اول کہا گیا ہے مثلاً ابن جریجؒ "عبدالملک بن عبدالعزیزؒ متوفی سنہ ۱۵۰ھ مکہ میں، معمر بن راشد متوفی سنہ ۱۵۳ھ یمن میں عبدالرحمن بن عمرو اوزاعیؒ متوفی سنہ ۱۵۶ھ شام میں، سفیان بن سعید الثوریؒ متوفی سنہ ۱۶۱ھ کوفہ میں حماد بن سلمہؒ متوفی سنہ ۱۶۷ھ بصرہ

میں امام مالک بن انسؒ متوفی ۱۷۹ھ مدینہ میں، عبداللہ بن مبارکؒ متوفی ۱۸۱ھ خراسان میں اور جریر بن عبدالحمیدؒ متوفی ۱۸۸ھ رے میں تھے۔

ان میں سے کسی کو علی الاطلاق مدون اول کہنا درست نہیں البتہ اپنے اپنے علاقے کے اعتبار سے ان کو اس دور کا مدون اول قرار دیا جا سکتا ہے (مقدمہ فتح الباری ج ۱ ص ۶ و اوجز المسالک ج ۱ ص ۱۴)۔

ان حضرات نے بھی احادیث مرفوعہ اور صحابہ کرام و تابعین عظام کے آثار کو جمع کیا لیکن طبقہ ثانیہ اور ان میں یہ فرق رہا کہ طبقہ ثانیہ کے یہاں ہر باب کی احادیث کا مجموعہ مختلف ابواب کی صورت میں نہ تھا، حدیث کو مختلف ابواب کا عنوان دے کر مستقلاً جمع کیا گیا ہے (مقدمہ اوجز المسالک ج ۱ ص ۱۴)

چوتھا طبقہ: اس کے بعد ۲۰۰ھ سے چوتھا طبقہ شروع ہوتا ہے جنہوں نے صرف احادیث مرفوعہ کو جمع کرنے کا اہتمام کیا اور مسانید لکھیں ان کی کتابوں میں صحابہ اور تابعین کے آثار کو جمع نہیں کیا الا ماشاءاللہ لیکن روایات مرفوعہ میں ان کی کتابوں میں صحیح احادیث کے ساتھ ضعیف اور حسن روایات بھی موجود تھیں۔

اس طبقے کے مدونین میں عبیداللہ بن موسیٰ عبسیؒ متوفی ۲۱۳ھ، نعیم بن حماد خزاعیؒ متوفی ۲۲۸، عثمان بن ابی شیبہؒ متوفی ۲۳۹ھ اور امام احمد بن حنبلؒ متوفی ۲۴۱ھ وغیرہ شامل ہیں (مقدمہ فتح الباری ص ۶، مقدمہ اوجز المسالک ج ۱ ص ۱۶)

پانچواں طبقہ: پانچواں طبقہ مصنفین صحاح و حسان کا ہے ان کا دور ۲۵۰ھ سے شروع ہوتا ہے۔

اس طبقے میں صحاح کے سربراہ حضرت امام بخاریؒ ہیں جنہوں نے صحیح بخاری لکھی اور لوگوں نے ان کی تقلید کی مثلاً امام مسلمؒ وغیرہ نے اور "حسان" پر مختلف کتب تالیف ہوئیں مثلاً سنن نسائی اور سنن ابی داؤد وغیرہ (مقدمہ اوجز المسالک ج ۱ ص ۱۶)

منکرین حدیث کے چند اعتراضات اور انکے جوابات: منکرین حدیث کے چند اعتراضات اور ان کے جوابات قارئین حضرات کے سامنے پیش کر رہا ہوں تاکہ ان کے مکر و فریب اور دجل و تلبیس سے قارئین حضرات اچھے طریقے سے آگاہ ہو جائیں۔

پہلا اعتراض: منکرین حدیث یہ کہتے ہیں کہ قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "انا انزلنه قرآنا عربیا" (سورۃ یوسف: ۲) اور وہ خود واضح بھی ہے جیسا کہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے "بلسان عربی مبین" تو جب قرآن عربی زبان میں نازل ہوا ہے اور واضح بھی ہے تو صرف عربی زبان سے واقفیت کافی ہے احادیث سے مدد لینے کی ضرورت نہیں۔

ایسے اعتراضات کرنے والا دو حال سے خالی نہیں ہے یا تو قرآنی علوم سے ناواقفیت کی بنا پر ہوں گے یا عناد اور ہٹ دھرمی پر مبنی ہوں گے اگر پہلی بات ہو تو ان شاءاللہ آنے والے جوابات سے ان مہلک امراض سے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا۔

جواب: (۱) صحابہ کرام ؓ کی مادری زبان عربی تھی اور وہ اس میں ماہر بھی تھے لیکن اس کے باوجود وہ قرآن فہمی میں آپ ﷺ کے بیان اور تفسیر کے محتاج ہوا کرتے تھے۔ مثلاً قرآن مجید کی یہ آیت "الذین آمنوا ولم یلبسوا ایمانھم بظلم اولئک لھم الامن وھم مھتدون" (سورۃ انعام: ۸۲) جب نازل ہوئی تو صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا کہ ہم میں سے کون ایسا ہے جس نے ظلم نہ کیا ہو؟ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے لئے امن نہیں ہے" تو آپ ﷺ نے فرمایا یہاں پر ظلم سے شرک مراد ہے وہ ظلم مراد نہیں جو معروف ہے یعنی گناہ (بخاری شریف ج۱ ص ۱۰)۔

اسی طرح قرآن مجید کی آیت "فاما من اوتی کتابہ بیمینہ فسوف یحاسب حسابا یسیرا" جب نازل ہوئی تو حضرت عائشہ ؓ کو اس آیت کا مطلب سمجھ نہ آیا تو انہوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کا قول "فسوف یحاسب حسابا یسیرا" (صحیح بخاری، کتاب التفسیر باب ومن سورۃ اذا السماء انشقت رقم ۲۳۳۸) یعنی جس سے حساب لیا جائے گا اس کو عذاب دیا جائے گا اور یہاں پر آیت کریمہ میں حساب کا ذکر ہے لیکن عذاب کا ذکر نہیں؟

تو آپ ﷺ نے ان کے اشکال کو اس طرح دور فرمایا کہ وہ حساب جس میں عذاب ہوگا وہ حساب مناقشہ ہے اور یہاں پر جس حساب کا ذکر ہے وہ پیشی اور جانچ کے معنی میں ہے اس میں مناقشہ نہیں ہے (صحیح بخاری ج۱ ص ۲۱)

اسی طرح قرآن کریم کی آیت "وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر" (سورۃ بقرہ: ۱۸۷)

جب نازل ہوئی تو حضرت عدی بن حاتم ؓ کو اشکال پیش آیا اور وہ خیط ابیض اور اسود سے سفید دھاگہ اور سیاہ دھاگہ مراد لینے لگے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ خیط ابیض سے مراد دن ہے اور خیط اسود سے مراد رات ہے مطلب جب رات باقی ہو تو سحری کھائی جائے لیکن جب صبح صادق ظاہر ہو جائے تو پھر سحری کھانا بند کی جائے (صحیح بخاری ج۱ ص ۲۳۵)

یہ چند مثالیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن کریم کو سمجھنے کیلئے صرف عربی زبان جاننا کافی نہیں ہے بلکہ حضور ﷺ کی احادیث بھی ضروری ہیں۔

دوسرا اعتراض: منکرین حدیث کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ قرآن جامع بھی ہے اور واضح بھی ہے قرآن کی جامعیت اور واضح ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ پھر اس کو مزید رسول اللہ ﷺ کے بیان کی حاجت نہ ہو۔ اگر یہ آپ ﷺ کی تشریح اور تفسیر کا محتاج قرار پایا جائے تو پھر یہ جامع اور واضح ہونا کیسے درست ہوگا؟

جواب: اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ جامعیت قرآن اور حدیث کی ضرورت کے درمیان کوئی تضاد نہیں اس لئے کہ قرآن کریم کلیات اور اصول کے اعتبار سے جامع ہے اور حدیث کی ضرورت ان کلیات اور اصول کی وضاحت کیلئے ہے۔ کیونکہ "کے ... بعد

"الملوک ملوک الکلام" ہوا کرتا ہے تو اللہ رب العزت بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس کے کلام کو سمجھنا ہر شخص کیلئے کیونکر ممکن ہے! ایک معمولی فلسفی کی کتاب لیجئے کہ جس کا سمجھنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہوتی تو قرآن کریم جو علم اولین کا مخزن ہے اسے ہر شخص کیسے سمجھ سکتا ہے اور یہ دعویٰ کیونکر درست ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کو آپ ﷺ کے بیان کی حاجت نہیں؟

تیسرا اعتراض: منکرین حدیث کا تیسرا اعتراض یہ ہے کہ اگر اطاعت رسول کو لازم اور ضروری سمجھا جائے تو اس پر عمل ممکن نہیں چونکہ احادیث کا جو ذخیرہ ہمارے پاس ہے وہ عجمی سازشوں کے تحت تیار کیا گیا ہے اور اس میں بہت سی غلط باتوں کو شامل کیا گیا ہے تو ایسی احادیث کے ذریعہ اطاعت رسول کا فریضہ کیسے ادا ہو سکتا ہے؟

جواب: اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کے بعد روئے زمین پر احادیث کے مجموعے کے علاوہ کوئی دوسرا مجموعہ ایسا موجود نہیں ہے جس کو احادیث کے مقابلہ میں پیش کیا جا سکے اور جس کی کوئی تاریخی حقیقت ہو۔

حضرات محدثین نے اسماء الرجال کا فن ایجاد کیا جرح و تعدیل کے قواعد مقرر کئے اور احادیث کی چھان بین، تحقیق اور تفتیش کا وہ کارنامہ انجام دیا جس کی مثال موجود نہیں ہے۔

وضاعین نے جو احادیث وضع کی تھیں ان کو احادیث صحیحہ سے جدا کر دیا یہاں تک کہ موضوع احادیث کے مستقل مجموعے تیار کئے اور بتا دیا کہ یہ غیر معتبر اور موضوع روایات ہیں۔ اور احادیث صحیحہ کے مجموعہ کو الگ تیار کیا وضاعین اور متروکین کی فہرستیں علیحدہ کیں اور صحیح روایات کے راویوں کو علیحدہ جمع کیا اور ایک ایک راوی کا مفصل حال لکھا۔

ایک انگریز کا قول ہے کہ اسماء الرجال کا عظیم الشان علم جس کو محدثین نے ایجاد کیا اس کی مثال دوسرے مذاہب میں نہیں نہ اسلام سے پہلے موجود تھی اور نہ اس کے بعد آج تک موجود ہے (الرسالۃ المحمدیہ عربی ترجمہ خطبات مدراس ص ۴۷)

مستشرقین، یہود و نصاریٰ بڑی تعداد میں اس کا اقرار کرتے ہیں کہ اہل اسلام نے اپنے پیغمبر کے حالات و واقعات کو جس تفصیل، صداقت اور دیانت کے ساتھ جمع کیا ہے وہ عظیم الشان کارنامہ ہے اور اس کی مثال کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ ایک ایک حدیث کی سند کو آپ ﷺ تک پہنچایا گیا ہے۔

"الفضل ما شهدت به الأعداء"

تاریخ کا علم جس پر لوگوں کو ناز ہے اس میں بلا سند واقعات ذکر کئے جاتے ہیں اور نقل کرنے والوں میں جھوٹے، سچے ہر طرح کے لوگ بے شمار ہوتے ہیں عقل و خرد سے محروم یہ منکرین حدیث تاریخ کو مستند سمجھتے ہیں اور حدیث کو غیر مستند۔

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے؟

اس کے علاوہ بھی بہت سے غلط فہمیاں پھیلائی جاتی ہیں لیکن چونکہ ان کی کوئی بنیاد نہیں ہوتی اس لئے ان کو ذکر نہیں کیا جاتا ہے مختصر

نشر و اشاعت میں مشغول ہو گئے اور ان کے بعد اس علم میں ہندوستان کو وہ مقام حاصل ہوا کہ کوئی دوسرا اسلامی ملک اس کی ہمسری نہیں کر سکتا اور اس ملک میں صحاح ستہ کی تدریس اور دورہ حدیث کا رواج ہوا۔

حضرت شاہ صاحب کے تلامذہ میں آپ کے فرزند اکبر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی متوفی ۱۲۳۹ھ کے درس میں اللہ تعالیٰ نے ایسی برکت عطا فرمائی کہ ایک بڑی جماعت ان سے فیض یاب ہوئی ان میں سے سب سے زیادہ مشہور و معروف شاہ محمد اسحٰق مہاجر مکی متوفی ۱۲۶۲ھ کی ذات بابرکت ہے جو آپ کے نواسے بھی ہیں جن کی ذات گرامی اپنے دور میں علم حدیث کا مرکز تھی روئے زمین کے اطراف و اکناف سے تشنگان علم ان کے در پر حاضر ہوتے اور فیض یاب ہوتے اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ مقبولیت عطا فرمائی تھی کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام میں بھی ان کی نظیر اس دور میں شاذ ہی مل سکے۔

ان کے ممتاز تلامذہ میں سے جن کے اسماء گرامی سرفہرست لکھے جا سکتے ہیں، حضرت شاہ عبدالغنی صاحب مجددی متوفی ۱۲۹۶ھ مہاجر مدنی ہیں ان کے درس حدیث سے ہندوستان اور حرمین شریفین کے علاوہ ایک بڑی جماعت تیار ہوئی ان میں سے ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی پوری زندگی اپنے آپ کو اس خدمت کیلئے وقف کر دیا ان مخلصین کے درس و تدریس، تصنیف و تالیف کی برکت سے ہندوستان اس علم کا بڑا مرکز بن گیا۔

ان کے ارشد تلامذہ میں سے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی متوفی ۱۲۹۷ھ اور قطب الاقطاب حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی متوفی ۱۳۲۳ھ کی ذات گرامی ہیں۔

حضرت گنگوہی نور اللہ مرقدہ نے اپنے وطن گنگوہ کو تربیت و اصلاح و درس و تدریس اور افتاء کا مرکز بنا دیا۔

ان دونوں حضرات کے تلمیذ خاص جو بجا طور پر مجمع البحرین ہیں المعروف شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندی ہیں جنہوں نے ان سے بلا واسطہ علم حدیث حاصل کیا اور شاہ عبدالغنی سے بھی بلا واسطہ اجازت حدیث حاصل کی۔

حضرت شیخ الہند محمود الحسن دیوبندی (متوفی ۱۳۳۹ھ) نے ایک بڑی جماعت تیار کی تھی ان میں سرفہرست حضرت شیخ الاسلام حسین احمد مدنی (متوفی ۱۳۷۷ھ) اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری (متوفی ۱۳۵۲ھ) اور ان کے علاوہ بہت سے علماء کرام نے حضرت شیخ الہند سے علم حدیث حاصل کیا ہے اور ان دونوں حضرات کے تلامذہ نے مغربی پاکستان اور مشرقی پاکستان کو علم حدیث سے آراستہ کیا بالخصوص صوبہ سرحد اور ضلع سوات کو۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کے تلامذہ نے اس امانت سے اپنی جدوجہد کے ذریعہ طلباء کے ذہنوں کو مالا مال کیا۔

جن میں سرفہرست اپنے زمانے کے قطب الارشاد محدث کبیر استاذ الحدیث حضرت مولانا افضل محمد صاحب سواتی ورتیلوی ہیں جو اپنی کسر نفسی اور تواضع کے خاطر اپنے نام کے ساتھ شیخ الحدیث نہ لکھتے اور دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ لفظ شیخ

اب دیکھنا یہ ہے کہ علم حدیث کس قسم کے ساتھ تعلق رکھتا ہے؟

چنانچہ علم حدیث کا تعلق آپ ﷺ کے اقوال وافعال سے ہے جو علوم نقلیہ ہیں اور ہمارے دین کا مدار چونکہ قرآن وحدیث پر ہے اور یہ دونوں چیزیں نقلی ہیں لہٰذا علم حدیث علوم نقلیہ شرعیہ میں سے ہوا۔

اور علم فقہ کو علوم نقلیہ شرعیہ میں سے ہے بعض علوم شرعیہ میں سے ہے بعض علوم عقلیہ سے ہے۔

اور نحو صرف معانی اگرچہ نقلیہ ہیں لیکن شرعیہ نہیں بلکہ غیر شرعیہ ہیں۔

اجمالی علوم کے سلسلہ میں سب سے جامع کتاب مولانا محمد اشرف علی تھانوی کی "کشف اصطلاحات الفنون" ہے اس میں اجمالی کے ساتھ کتابوں کا بھی ذکر ہے اس فن میں علامہ نواب صدیق خان صاحب نے ایک عظیم کتاب لکھی ہے جو "ابجد العلوم" کے نام سے مشہور ہے۔

ساتویں بحث مرتبہ علم حدیث: علم حدیث کے دو مرتبے ہیں ایک باعتبار فضیلت دوسرا باعتبار تعلیم۔

(۱) **باعتبار فضیلت:** اس علم کا درجہ دوسرا ہے پہلا درجہ تفسیر کا ہے کیونکہ شریعت کے اصول اربعہ میں قرآن کریم پہلے درجے میں ہے اور حدیث نبوی ﷺ دوسرے درجے میں علم تفسیر کا موضوع قرآن کریم کے الفاظ ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس کی صفت ہے اور اللہ تعالیٰ کی صفت تمام مخلوقات سے افضل ہے اور بعض حضرات علم حدیث کو افضل کہتے ہیں کیونکہ علم تفسیر کا موضوع جو الفاظ قرآن ہیں وہ کلام لفظی ہے اور کلام لفظی اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں ہے بلکہ کلام نفسی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور کلام لفظی علم حدیث رسول اللہ ﷺ سے افضل نہیں۔

(۲) **باعتبار تعلیم:** باعتبار تعلیم علم حدیث کا درجہ سب سے آخر میں ہے اس لئے دورہ حدیث سب سے آخر میں ہوتا ہے اس سے پہلے علوم آلیہ کی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ مقاصد کو سمجھنے میں سہولت ہو اور طالب علم میں ان کی سمجھنے کی استعداد پیدا ہو جائے نیز روایت حدیث میں خطرناک قسم کی غلطیوں سے بچ جائے کیونکہ ان غلطیوں کی وجہ سے خطرہ ہے کہیں "من کذب علی متعمدا" کی وعید میں شامل نہ ہو جائے جیسا کہ امام اصمعی فرماتے ہیں کہ "اخوف ما اخاف على طالب العلم اذا لم يعرف النحو ان يدخل في جملة قوله ﷺ من كذب علي متعمدا"

(مقدمہ اوجز المسالک لشیخ الحدیث ص ۱۳۶)

اشکال: رہا یہ سوال کہ تفسیر کو حدیث پر کیوں مقدم کیا گیا؟

جواب: یہ ہے کہ قرآن مجید متن ہے اور احادیث رسول ﷺ اس کی شرح ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ متن کی تعلیم پہلے دی جاتی ہے اور شرح کی تعلیم بعد میں دی جاتی ہے اس لئے تفسیر کی تعلیم کو حدیث کی تعلیم پر مقدم کیا گیا ہے۔

تقسیم وتبویب: جس طرح کتاب کی تقسیم اور تبویب ہوتی ہے جیسا کہ بعض اوقات مصنف کتاب کے شروع میں لکھتا ہے کہ میری یہ کتاب اتنے ابواب اور فصول پر مشتمل ہے اسی طرح علم کی بھی تقسیم اور تبویب ہوتی ہے۔

مثلاً علم منطق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس کے مباحث دو حصوں میں منقسم ہیں (۱) تصورات (۲) تصدیقات یا قول شارح اور حجت۔ صاحب تلخیص نے علم معانی کے بارے میں لکھا "الفن الاول علم المعاني وهو منحصر في ثمانية ابواب"

علم معانی کے مقدمات آٹھ ابواب میں منحصر ہیں۔

اسی طرح علم حدیث کے مضامین بھی آٹھ بابوں میں منحصر ہیں یعنی حدیث کی کتابوں میں آٹھ قسم کے مضامین بیان کئے جاتے ہیں جیسا کہ آپ حدیث کی کتابوں میں دیکھیں گے کہ اس کا مضمون ان ابواب سے خارج نہیں ہوگا بلکہ انہی میں سے کوئی ایک مضمون اس میں پایا جائے گا اور وہ آٹھ ابواب یہ ہیں۔

(۱) عقائد (۲) احکام (۳) تفسیر (۴) تاریخ (۵) رقاق (۶) مناقب (۷) آداب (۸) فتن۔

شعر: سیر و آداب و تفسیر و عقائد فتن و احکام و اشراط و مناقب

حضرات محدثین نے ان ابواب ثمانیہ میں سے ہر ایک مضمون پر الگ الگ مستقل تصنیفات بھی لکھی ہیں۔

اور حدیث کی جو کتاب ان جملہ ابواب ثمانیہ پر مشتمل ہوتی ہے اس کو جامع کہا جاتا ہے۔

دسواں امر: تعلیم حکم شرعی: جس علاقہ میں اس کی صلاحیت رکھنے والا صرف ایک شخص ہو وہاں پر اس علم کا حصول واجب یعنی فرض عین ہوگا۔

اور جہاں پر صلاحیت رکھنے والے زیادہ ہوں تو وہاں اس کی تحصیل واجب علی الکفایہ یعنی فرض کفایہ ہے۔

بفضل تعالیٰ و توفیقہ مقدمۃ العلم پورا ہوا۔

مقدمۃ الکتاب

مقدمۃ الکتاب کا حاصل اور خلاصہ صرف دو چیزیں ہیں ایک تعلق مصنف (تیسیر الوان) کے ساتھ ہے اور دوسرے کا تعلق مصنف (شیخ الوان) کے ساتھ ہے۔

یعنی مصنف کا نام اور تعارف اور کتاب کا تعارف اس کے ذیل میں جتنے امور بھی بیان کئے جائیں گے سب مقدمۃ الکتاب کہلائیں گے سب سے پہلے وہی امور جو مصنف سے متعلق ہیں ذکر کئے جائیں گے۔

یہ کتاب کہ جس کا درس شروع ہو رہا ہے یہ حدیث کی ایک نہایت ہی بابرکت اور کثیر النفع کتاب "مشکوۃ المصابیح" ہے جو

میں ایک بڑی جماعت ایسی رہی ہے جنہوں نے نبی کریم ﷺ کی مبارک احادیث کی خدمت کو ہی اپنی زندگی کے نجات کا معرف سمجھا اور اپنے تمام تر اوقات اور صلاحیتیں اسی کام کیلئے وقف کر کے تحریراً و تقریراً حدیث کی حفاظت کا عظیم کارنامہ سرانجام دیا ایسی ہی شخصیات میں سے ایک صاحب مشکوٰۃ المصابیح بھی ہیں۔

کسی علم اور فن میں تصنیف کے دو طریقے ہوتے ہیں ایک یہ کہ اس علم میں مستقل کتاب لکھی جائے دوسرا یہ کہ کسی اور کتاب کو اپنی محنت کا میدان بنا کر اس میں کچھ اضافات کر کے نئی کوئی شکل دے دی جائے جس سے اس کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہو جائے صاحب مشکوٰۃ نے دوسرا انداز اختیار فرمایا ہے چنانچہ امام بغوی کی کتاب لطیف "المصابیح" کا انتخاب کر کے اس میں مناسب اور اہم اضافات فرما کر اس کتاب کو جامع ترین اور مفید ترین بنا دیا اور اس کا نام "مشکوٰۃ المصابیح" رکھ دیا چونکہ یہ کتاب درحقیقت دو عظیم شخصیات کی محنت کا نتیجہ ہے اس لئے یہاں ان دونوں شخصیات کے مختصر حالات ذکر کئے جاتے ہیں۔

ترجمۃ صاحب مصابیح: ترجمہ میں چند امور اجمالاً ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) نام و نسب (۲) ولادت و وفات (۳) مذہب (۴) آپ کے تبحر علمی کی شہادتیں (ائمہ کی بصیرت کی شہادتیں)
(۵) تصانیف۔

تفصیل: (۱) نام و نسب:

(۱) نام و نسب: محی السنۃ رکن الدین ابو محمد حسین ابن مسعود الفراء البغوی کنیت ابو محمد نام حسین والد صاحب کا نام مسعود اور لقب محی السنۃ ہے بغوی صاحب مصابیح کی نسبت ہے الفراء آپکے والد ماجد حضرت مسعود کی صفت ہے اور یہ مشتق ہے الفرو سے الفراء کا معنی ہے پوستین دوز یا پوستین فروش کیونکہ والد ماجد حضرت مسعود یہی کام کرتے تھے۔ آپ کے لقب محی السنۃ کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے حدیث کی ایک کتاب "شرح السنۃ" تالیف فرمائی جب اس کی تالیف سے فارغ ہوئے تو خواب میں آپ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی آپ ﷺ نے فرمایا "احیاک اللہ کما احییت سنتی" آپ ﷺ کے اس ارشاد گرامی کی بناء پر آپ کا لقب محی السنۃ مشہور ہو گیا۔

البغوی: یہ بغ یا بغشور کی طرف منسوب ہے یہ خراسان اور مرو کے درمیان ایک بستی ہے اس کو بغا بھی کہتے ہیں اس کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو بغوی کہتے ہیں۔

اور اگر بغشور کی طرف نسبت ہو تو بغشور مرکب امتزاجی ہے بغ اور شور سے مرکب ہے مرکب امتزاجی کی طرف نسبت کرنے کے دو طریقے ہیں۔

(۱) ایک یہ کہ پورے مرکب کے آخر میں یاء نسبتی لگا دی جائے تو اس کے مطابق بغشوری ہونا چاہیے۔

حالت میں انتقال ہو گیا۔

(۲) **اللمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح** مشکوٰۃ شریف کی یہ شرح عربی زبان میں ہندوستان کے مشہور محدث شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے لکھی ہے شیخ کی ولادت ۹۵۸ھ میں ہوئی اور وفات ۱۰۵۲ھ میں دہلی میں ہوئی ہے اس شرح کے قلمی نسخے پہلے کتب خانوں میں موجود تھے اب مکتبہ معارف علمیہ لاہور نے اس کی طباعت کا ذکر کرتے ہوئے طبع کرانی شروع کر رکھی ہے جس کی چند جلدیں چھپ چکی ہیں۔

(۳) **اشعۃ اللمعات** یہ بھی شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی تالیف کی ہوئی شرح ہے اس میں احادیث مشکوٰۃ کا سلیس فارسی زبان میں نہایت فصیح ترجمہ کیا ہے اور ساتھ ساتھ ضروری تشریحات و فوائد کا اہتمام کیا گیا ہے جس مشکوٰۃ کیلئے یہ بہت عمدہ اور کافی شرح ہے۔

(۴) **مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ المصابیح** یہ شرح عربی زبان میں ہے مشہور محدث و فقیہ حنفی علامہ علی بن سلطان جو ملا علی قاری کے نام سے معروف ہیں ان کی تصنیف ہے ملا علی قاری کا انتقال ۱۰۱۴ھ میں ہوا ہے یہ انتہائی عمدہ شرح ہے روایات کے ضبط کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے ہر لحاظ سے مفید اور جامع ہے زبان کے اعتبار سے بھی معتبر ہے۔ مصر میں اس کی طباعت کا اہتمام کیا ہے مکتبہ امدادیہ ملتان نے گیارہ جلدوں میں طبع کرائی ہے۔

(۵) **مظاہر حق** حضرت شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی کے مشہور شاگرد حضرت علامہ قطب الدین خان دہلوی نے قدیم اردو زبان میں مشکوٰۃ شریف کی بہترین شرح لکھی ہے جس کا نام مظاہر حق ہے علماء کے نزدیک نہایت ہی معتمد اور مقبول ہے اس کے مضامین زیادہ تر اشعۃ اللمعات سے ماخوذ ہیں۔

(۶) **علامہ سید شریف** علامہ سید شریف نے مشکوٰۃ شریف پر حاشیہ تحریر فرمایا ہے جو علامہ طیبی کی شرح سے اختصار کیا گیا ہے۔

(۷) مشہور محدث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی نے اپنے استاذ معظم حضرت مولانا انور شاہ کشمیری قدس اللہ سرہ کے ایماء پر عربی زبان میں شرح مشکوٰۃ لکھی جس کا نام "التعلیق الصبیح علی مشکوٰۃ المصابیح" ہے یہ آٹھ جلدوں میں ہے جس کی چار جلدیں دمشق سے طبع ہو چکی ہیں اور آخری چار جلدیں لاہور سے طبع ہوئی ہیں۔

مقدمۃ الکتاب کا دوسرا حصہ مقدمۃ الکتاب کا دوسرا حصہ مصنف کی کتاب کے ساتھ متعلق ہے۔

کتاب کے دیباچہ کے فوائد اور اس کا خلاصہ صاحب مشکوٰۃ نے حمد و ثنا و صلوٰۃ کے بعد جو کچھ فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے پہلے آپ نے علم حدیث کی ضرورت اور بہت مختصر مگر جامع الفاظ میں بیان فرمایا ہے کہ علم حدیث ایک ضروری علم ہے جس کے بغیر نبی کریم ﷺ کی سیرت کو اپنایا نہیں جا سکتا اور ایسا علم ہے جس کے بغیر قرآن پاک کو سمجھا نہیں جا سکتا اس لئے میں نے اس علم میں

حدیثیں ہیں لیکن بخاری و مسلم، الجمع بین الصحیحین للحمیدی اور جامع الاصول میں سے کسی میں بھی نہ مل سکنے کی وجہ سے صاحب مشکوٰۃ نے بعض احادیث میں غیر شیخین کا حوالہ دیا ہے۔

(۱۰) بعض حدیثیں مصابیح کے دوسرے حصے میں تھیں جس سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ حدیثیں صحیحین کی نہیں ہیں لیکن ان میں سے بعض حدیثیں صاحب مشکوٰۃ کو صحیحین میں مل گئیں اس لئے انہوں نے اس کے ساتھ شیخین کا حوالہ دیدیا۔

(۱۱) ایسا اوقات مصابیح میں حدیث کے الفاظ ایک قسم کے ہوتے ہیں اور مشکوٰۃ میں اس کے الفاظ اور ہوتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مصابیح میں ذکر کردہ لفظ کے ساتھ وہ حدیث صاحب مشکوٰۃ کو نہ مل سکی اس لئے اس حدیث کے الفاظ وہ ذکر کردئے جو ان کو مستند حوالے سے دستیاب ہو سکے۔

(۱۲) مصابیح کے بعض حدیثوں کو نقل کرکے کبھی صاحب مشکوٰۃ یوں کہتے ہیں "ما وجدت هذه الرواية في كتب الاصول" یا یوں فرماتے ہیں "وجدت خلافها فيها" یہ اس وقت فرماتے ہیں جبکہ مصابیح کی روایت بعینہا تفتیش تام کے بعد ان کو نہ مل سکی اس صورت میں جو اختلاف روایت پاتے ہیں اس کو نقل کردیتے ہیں۔

(۱۳) مصابیح کے بعض احادیث کے متعلق علامہ بغویؒ نے یہ بتادیا کہ یہ ضعیف ہیں یا غریب ہیں یا کوئی اور وصف بیان کیا صاحب مشکوٰۃ نے ایسے موقع پر یہ طرز اختیار فرمایا ہے کہ عام طور پر ضعف یا غرابت وغیرہ کی وجہ بیان کردی ہے بعض جگہ وجہ بیان نہیں کی معلوم نہ ہونے کی وجہ سے یا اسلئے کہ اس میں اختلاف تھا اور یہ طول میں نہ جانا چاہتے تھے۔

(۱۴) کتب اصول میں کبھی کسی حدیث کے متعلق صحیح یا حسن یا ضعیف یا منکر وغیرہ کی کوئی صفت بیان کی گئی ہوتی ہے لیکن صاحب مصابیح نے اس کو نقل نہیں کیا ہوتو صاحب مشکوٰۃ بھی عدم نقل میں انہی کی اتباع کرتے ہیں لیکن کہیں کہیں کسی غرض سے اس کو نقل بھی فرماتے ہیں۔

(۱۵) صاحب مشکوٰۃ نے بعض احادیث کے آخر میں مخرج کا حوالہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اس کیلئے جگہ خالی چھوڑ دی ہے۔

ذکر صحابی کے فوائد: صاحب مشکوٰۃ ہر روایت کے شروع میں صحابی کا نام ذکر کرتے ہیں جن سے وہ حدیث مروی ہوتی ہے صحابی کا نام ذکر کرنے سے بہت فائدے حاصل ہو سکتے ہیں مثلاً۔

(الف) ناسخ و منسوخ کو پہچاننے میں مدد ملتی ہے مثلاً ایک مسئلہ میں دو متعارض حدیثیں ہمارے سامنے ہیں اب ہمیں غور کرنا پڑے گا کہ ان میں سے کونسی حدیث مقدم ہے اور کونسی موخر، موخر ناسخ ہوتی ہے اس تقدم اور تاخر کا پتہ چلانے میں ذکر صحابی سے مدد مل سکتی ہے کہ ایک حدیث کو نقل کرنے والا صحابی قدیم الاسلام ہے اور دوسری حدیث کو نقل کرنے والا بعد میں اسلام لائے ہیں اس سے کچھ اندازہ ہو سکے گا کہ کونسی حدیث مقدم ہے اور کونسی موخر۔

(ب) کبھی دو حدیثوں میں تعارض ہوتا ہے ذکر صحابی سے ایک کو ترجیح دینے میں مدد ملتی ہے وہ اس طرح سے کہ مثلاً ایک حدیث کو روایت کرنے والا صحابی فقیہ ہوتا ہے اور دوسری حدیث کو روایت کرنے والا صحابی فقیہ نہیں ہوتا۔ تمام کے تمام صحابہ کرام عدول تو ہیں لیکن صحابی کا فقیہ ہونا ایک الگ بات ہے فقیہ کی روایت کو غیر فقیہ کی روایت پر ترجیح دی جاتی ہے ذکر صحابی سے اس کام میں مدد ملے گی۔

(ج) کبھی ذکر صحابی سے حدیث کی قوت یا ضعف کا بھی اندازہ لگ جاتا ہے وہ اس طرح سے کہ ایک صحابی کی حدیث جو آگے چلتی ہے تو وہ جس سند سے پہنچتی ہے طالب علموں میں مشہور ہے کہ یہ اچھی سند والی ہے اور دوسرے صحابی کی حدیث جس سند سے آگے چلی ہے وہ سند کمزور ہے اور طالب علموں کو اس بات کا بھی پتہ ہے کہ یہ حدیث جس سند سے پہنچی ہے وہ کمزور ہے صاحب مشکوۃ کے صحابی کا نام ذکر کرنے سے اس کی پہچان میں مدد ملے گی۔

تعیین مخرج کے فوائد : صاحب مشکوۃ نے یہ التزام کیا ہے کہ تعیین مخرج فرماتے ہیں اس میں بہت سے فوائد ہیں مثلاً (۱) اجمالی طور پر سند کی حالت معلوم ہو جاتی ہے اس لئے کہ جن مخرجین، مصنفین کے حوالے دیئے گئے ہیں ان کی شرائط معروف ہیں مثلاً علماء وطلباء جانتے ہیں کہ امام بخاری کن شروط اور معیار پر تول کر حدیث لاتے ہیں جب کہیں گے کہ رواہ البخاری تو اس سے ہم اندازہ کر سکیں گے کہ یہ اس معیار کی حدیث ہے جو امام بخاری رحمہ اللہ نے مقرر کی ہے وعلی ہذا القیاس۔

(۲) مخرجین کی قلت اور کثرت معلوم ہو جاتی ہے کبھی کبھی صاحب مشکوۃ ایک حدیث نقل کر کے متعدد مخرجین کا حوالہ دیتے ہیں اس سے اس حدیث کے بارے میں اطمینان بڑھ جاتا ہے کہ اس کی تخریج کرنے والے اتنے حضرات ہیں۔

فوائد متعلقه کلمه "ابن" . (۱) اگر ابن دو اسموں کے درمیان واقع ہو اور ابن پہلے اسم کیلئے صفت ہو اور یہ لفظ ابن مفرد ہو تو اس ابن کے سر پر ہمزہ نہیں لکھا جائے گا مثلاً ہذا محمد بن عبداللہ۔

(۲) اگر لفظ ابن غیر اب کی طرف مضاف ہو تو ہمزہ لکھا جائے گا جیسے زید ابنک۔

(۳) اگر لفظ ابن خبر واقع ہو تو ہمزہ لکھا جائے گا مثلاً ظنی محمد ابن عبداللہ۔

(۴) اگر لفظ ابن غیر اسم کے ساتھ واقع ہو تو ہمزہ لکھا جائے گا مثلاً جاء ابن عبداللہ۔

(۵) اگر تثنیہ ہو تو ہمزہ لکھا جائے گا مثلاً الحسن والحسین ابنا فاطمہ۔

(۶) اگر دو غیر متناسبین اسموں کے درمیان واقع ہو تو پھر ہمزہ لکھا جائے گا مثلاً "عیسیٰ ابن مریم"

الجمع بین الصحیحین للحمیدی کا تذکرہ : دیباچہ مشکوۃ میں "الجمع بین الصحیحین للحمیدی" کا ذکر کیا گیا ہے

حمیدی سے مراد ابو عبداللہ بن ابی نصر حمیدی اندلسی ہیں مذہب ظاہریہ کی طرف نسبت کرتے ہوئے ان کو ظاہری بھی کہتے ہیں انہوں نے اندلس، مصر، شام، عراق اور حرم شریف میں جا کر حدیث کی سماعت کی ہے ابن حزم ظاہری کے بھی شاگرد ہیں ابو عبداللہ قراعی، ابن عبدالبر، ابو بکر الخطیب اور دوسرے محدثین سے بھی استفادہ کیا ہے

(بستان المحدثین فارسی و اردو ص ۲۱۳)۔

آپ بہت ہی پرہیزگار اور عفیف الطبع تھے آپ کی عفت کا اندازہ اس واقعہ سے لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بار ابو بکر بن میمون آپ کے حجرہ میں آئے اور دروازہ کھٹکھٹایا آپ کسی مشغولی کی وجہ سے علم نہ ہو سکا اور کوئی جواب نہ دے سکے ابو بکر بن میمون یہ سمجھ کر کہ ممانعت نہیں فرمائی تو اجازت ہی ہو گی اندر تشریف لے گئے حمیدی کی ران کھلی ہوئی تھی آپ پر یہ بات نہایت گراں گزری اور دیر تک یہ کہتے ہوئے روتے رہے کہ جب تک مجھے تمیز و شعور حاصل ہوا ہے اب تک میری ران کسی نے برہنہ نہیں دیکھی (بستان المحدثین ص ۲۱۳)

ولادت آپ کی ولادت کے مسئلہ میں بستان المحدثین میں لکھا ہے کہ "تولد او در عشرہ اولی از قرن خامس است (ان کی پیدائش قرن خامس کے عشرہ اولی میں ہوئی ہے) اور حاشیہ بستان المحدثین میں ابن خلکان کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ ۴۲۰ھ سے قبل پیدا ہوئے ہیں۔

وفات آپ کی وفات ۱۷ ذی الحجہ ۴۸۸ھ کو ہوئی ہے یہی تاریخ بستان المحدثین اور عمدۃ القاری میں نقل کی گئی ہے اور مرقات میں ج ۱ ص ۲۶ کے حاشیہ میں بحوالہ تعلیق الاانی آپ کی سن وفات ۴۸۸ھ لکھی گئی ہے۔

آپ کی کرامت بستان المحدثین ص ۲۱۴ پر لکھا ہے کہ وفات سے پہلے آپ نے بار شہر کے بڑے افسر مظفر کو وصیت کی تھی کہ مجھے بشر حافی رحمہ اللہ کے پاس دفن کیا جائے لیکن اس نے کسی وقتی عذر کی بنا پر آپ کو وہاں دفن نہ کیا بلکہ کسی اور جگہ دفن کر دیا ایک دن اس نے خواب میں حمیدی کو دیکھا کہ وہ اس بات کی شکایت فرما رہے ہیں چنانچہ اس نے مجبوراً ماہ صفر ۴۹۱ھ میں آپ کو وہاں سے منتقل کر کے بشر حافی کے پاس دفن کر دیا اس وقت آپ کی یہ کرامت ظاہر ہوئی کہ آپ کا کفن بالکل تازہ اور بالکل صحیح سالم تھا اور آپ کے جسم مبارک سے خوشبو کی مہک اٹھ رہی تھی۔

اہم کچھ منتخب اشعار بستان المحدثین میں ان کے بہت سے مفید اشعار نقل کئے گئے ہیں ان میں سے دو شعر یہاں نقل کئے جاتے ہیں جو حقیقت میں بہت ہی واضح اور مفید ہیں۔

لقاء الناس لیس یفید شیئا ۔۔ سوی الہذیان من قیل و قال

فلم يبق من لقاء الناس شيء سوى الهذيان من قيل وقال

یعنی لوگوں کی ملاقات سے کچھ نفع نہیں پہنچتا سوائے گفت و شنید اور گفتگو کے پس لوگوں سے ملاقات کم کرو مگر وہ ملاقات جو علم حاصل کرنے کیلئے ہو یا اصلاح حال کیلئے ہو۔

تنبیہ: یہ حمیدی جن کا تذکرہ اوپر کیا گیا جنہوں نے الجمع بین الصحیحین لکھی ہے یہ امام بخاریؒ کے کافی بعد پیدا ہوئے لیکن اور حمیدی ہے جو تمام بخاریؒ کے اساتذہ میں امام بخاریؒ نے سب سے پہلے انہی کی حدیث لائی ہے ان کا نام عبداللہ بن زبیر ہے اور ان کا انتقال ۲۱۹ھ میں ہوا ہے ان دونوں میں عام طور پر اشتباہ ہو جاتا ہے۔

جامع الاصول کا تذکرہ: دیباچہ مشکوۃ میں "جامع الاصول" کا تذکرہ کیا گیا ہے یہ ابن الاثیر الجزریؒ کی تصنیف ہے جس میں انہوں نے صحاح ستہ کی احادیث کو جمع فرمایا ہے اور ابواب کی ترتیب حروف تہجی کے لحاظ سے رکھی ہے یہ نہایت جامع اور مفید کتاب ہے اور اس سے استفادہ بھی سہل ہے چنانچہ علامہ سیوطیؒ اس کتاب کا تعارف کرنے کے بعد لکھتے ہیں "اقطع قطعا انه لم يصنف مثله قط ولا يصنف" مجھے پورا یقین ہے کہ اس جیسی کتاب نہ پہلے لکھی گئی ہے اور نہ بعد میں لکھی جا سکے گی۔

آپ کا اسم گرامی مجد الدین ابو السعادات مبارک بن محمد الجزری ہے زیادہ مشہور ابن الاثیر الجزری کے نام سے ہے آپ کا انتقال ۶۰۶ھ میں ہوا ہے (مرقات ج ۱ ص ۴۲) آپ نے لغات الحدیث پر ایک مفید کتاب لکھی ہے جس کا نام "النہایہ" ہے۔

تعدد رواۃ کے اعتبار سے حدیث کی اقسام کا اجمالی نقشہ خبر کی دو قسمیں ہیں

خبر متواتر	خبر واحد

خبر متواتر کی چار قسمیں ہیں

متواتر اسناداً	متواتر طبقۃ	متواتر عملاً	متواتر قدر مشترک

راوی کے اعتبار سے خبر واحد کی تین قسمیں ہیں

خبر مشہور	خبر عزیز	خبر غریب

خبر غریب کی دو قسمیں ہیں

غرابت مطلق	غرابت نسبی

خبر واحد کی باعتبار مقبولیت چار قسمیں ہیں

صحیح لذاتہ	صحیح لغیرہ	حسن لذاتہ	حسن لغیرہ

قبولیت کی صفات چار ہیں

عدالت	ضبط و اتقان	اتصال السند	خلو الحدیث عن العلۃ والشذوذ

حدیث مقبول کی دو قسمیں ہیں

معمول بہ	غیر معمول بہ

معمول بہ کی چار قسمیں ہیں

محکم	مختلف الحدیث	ناسخ	راجح

غیر معمول بہ کی تین قسمیں ہیں

منسوخ	مرجوح	موقوف عن العمل

حدیث مردود کی چودہ قسمیں ہیں

معلق	مرسل	معضل	منقطع	مدلس	موضوع	متروک
مجہول	معلول	مزید متصل الاسانید	مضطرب	مصحف	محرف	مبہم

انتہاء سند کے اعتبار سے حدیث کی تین قسمیں ہیں

مرفوع	موقوف	مقطوع

فائدہ: در بیان مصطلحات (مذکورہ اجمال کی تفصیل)

تعدد روایت کے اعتبار سے حدیث کی دو قسمیں ہیں

خبر متواتر	خبر واحد

حدیث متواتر کی تعریف حدیث متواتر وہ حدیث ہے جس کے راوی ہر زمانے میں اس قدر زیادہ ہوں کہ عقل سلیم ان کی متواتر ہونے پر سب کے جھوٹ پر اتفاق کر لینے کا محال تسلیم کرے۔

خبر متواتر کی چار قسمیں ہیں

متواتر اسنادی	متواتر طبقۃ	متواتر عملاً	متواتر قدر مشترک

(۱) **متواتر اسنادی کی تعریف**: متواتر اسنادی اس حدیث کو کہتے ہیں کہ جس کے راوی ہر زمانے میں اس قدر زیادہ اور کثیر ہوں کہ عقل سلیم ان سب کے جھوٹ پر اتفاق کر لینے کو عادۃً محال سمجھے اور راوی کی انتہا نبی ﷺ پر ہو۔

متواتر اسنادی کا حکم: متواتر اسنادی علم قطعی اور یقینی کا فائدہ دیتی ہے اور اس سے انکار کرنے والا کافر ہے۔

مثال علماء نے متواتر اسنادی کی یہ مثال پیش کی ہے "من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار"

(۲) **متواتر طبقۃ کی تعریف**: متواتر طبقۃ وہ حدیث ہے کہ جس کے راوی ہر زمانے میں اس قدر زیادہ اور کثیر ہوں کہ عقل سلیم ان سب کے جھوٹ پر اتفاق کر لینے کو عادۃً محال سمجھے اور ان کی تعداد معلوم نہ ہو اس کا حکم یہ ہے کہ یہ بھی مفید علم قطعی اور یقینی ہے اور اس سے انکار کرنا کفر ہے۔

مثال: اس کی مثال علماء نے نقل قرآن پاک اور نماز کی رکعات کی تعداد بتائی ہے۔

(۳) **متواتر عملاً کی تعریف**. تواتر عملی یہ ہے کہ وہ اپنے عمل کے ذریعے جماعتیں جماعتوں سے نقل کرتی چلی آتی ہیں۔

مثال (۱) تعداد رکعت وغیرہ۔

مثال: مسواک کا سنت ہونا، مسواک کا سنت ہونا آپ ﷺ کے زمانے سے آج تک تواتر عملی سے ثابت ہے۔

حکم: مسواک کا حکم یہ ہے کہ مسواک کرنا سنت ہے لیکن مسواک کی سنیت سے انکار کرنا کفر ہے اور اس کو ترک کرنا باعث عتاب ہے۔

(۴) **متواتر قدر مشترک کی تعریف**: تواتر قدر مشترک یہ ہے کہ کسی شی کی جزئیات تو خبر واحد کے طور پر نقل کی گئی ہوں پھر ہر جزئی کی نقل درجہ تواتر تک نہیں پہنچی لیکن ان تمام جزئیات کے ضمن میں قدر مشترک کی طور پر ایک کلی سمجھ میں آرہی ہے جب یہ کلی ہر جزئی کے ضمن میں سمجھ میں آرہی ہے تو ہر ہر جزئی اگرچہ خبر واحد کے درجے میں ہے لیکن اس قدر مشترک کلی کا متواتر ماننا پڑیگا۔

مثال: آپ ﷺ کے مطلق معجزات اور عذاب قبر تواتر سے ثابت ہے البتہ افراد معجزات رسول اللہ ﷺ اور خاص اقوال اور واقعات عذاب قبر یا اخبار احاد سے ثابت ہے۔

حکم: مطلق معجزات اور مطلق عذاب قبر سے انکار کرنا کفر ہے البتہ افراد اور خاص انواع سے انکار کرنا فسق ہے۔

خبر متواتر کے مقابلہ میں خبر واحد ہے خبر واحد کی کئی قسمیں ہیں۔

پہلی تقسیم: راوی کے اعتبار سے خبر واحد کی تین قسمیں ہیں

خبر مشہور	خبر عزیز	خبر غریب

(۱) **خبر مشہور کی تعریف:** خبر مشہور وہ حدیث ہے کہ جس کے راوی کسی بھی زمانے میں تین سے کم نہ ہو لیکن متواتر کی حد کو نہ پہنچی ہو اور اس کو مستفیض بھی کہتے ہیں۔

(۲) **خبر عزیز کی تعریف:** عزیز عزت سے ماخوذ ہے اور عزت قوت کو کہتے ہیں خبر عزیز وہ ہے جس کے راوی کسی زمانے میں دو سے کم نہ ہوں۔

(۳) **خبر غریب کی تعریف:** خبر غریب وہ ہے جس کی سند میں کہیں بھی راوی ایک رہ جائے

خبر غریب کی دو قسمیں ہیں

غرابت مطلق	غرابت نسبی

غرابت مطلق کی تعریف: غرابت مطلق اس کو کہتے ہیں کہ سند کی ابتداء میں صرف ایک صحابی ہو۔

غرابت نسبی کی تعریف: غرابت نسبی اس کو کہتے ہیں کہ صحابی سے نیچے طبقہ میں صرف تابعی یا تبع تابعی کا ذکر ہو۔

خبر واحد کا حکم: خبر واحد کا حکم یہ ہے کہ یہ علم ظنی کا فائدہ دیتی ہے اس سے انکار کرنا فسق اور بدعت ہے البتہ اگر خبر واحد مختلف بالقرائن ہو تو اس سے انکار کرنا کفر ہے مثلاً اخبار تحویل قبلہ۔

دوسری تقسیم مقبولیت اور عدم مقبولیت کے اعتبار سے: خبر واحد مقبولیت اور عدم مقبولیت کے اعتبار سے خالی نہ ہوگی اگر راوی کا صدق اس کے کذب پر راجح ہو تو اس کو خبر مقبول کہتے ہیں اور اگر راوی کا کذب راجح ہو تو اس کو غیر مقبول اور مردود کہتے ہیں

خبر واحد کی باعتبار مقبولیت چار قسمیں ہیں

صحیح لذاتہ	صحیح لغیرہ	حسن لذاتہ	حسن لغیرہ

(۱) **صحیح لذاتہ کی تعریف:** صحیح لذاتہ وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل، کامل الضبط ہوں اور اس کی سند متصل ہو اور

(۲) بعض علماء نے اس طرح تطبیق کی ہے کہ جب حاجم اس طریقے پر سینگی لگائے کہ خون چوس کر سینگ کے اندر چلا جائے اور خون بے احتیاطی سے نکل جائے تو حاجم کا روزہ ٹوٹ جائے گا اور محجوم کیلئے خطرہ ہے کہ خون نکلنے کی وجہ سے کمزوری لاحق ہو جائے گی اور افطار تک نوبت پہنچ جائے گی۔

اور اگر تعارض مساوی ہو اور بلا تکلف تطبیق دینا ممکن نہ ہو لیکن اگر تاریخ کے لحاظ سے ایک کا مقدم اور دوسرے کا متاخر ہونا معلوم ہو تو مقدم کو منسوخ اور متاخر کو ناسخ قرار دیا جائے گا لہذا ناسخ معمول بہ ہوگا اور منسوخ غیر معمول بہ ہوگا۔

اور اگر تاریخ معلوم نہ ہو پھر علماء اس میں وجوہ ترجیح تلاش کریں گے اگر کسی حدیث میں وجوہ ترجیح موجود ہوں تو راجح کو معمول بہ اور مرجوح کو غیر معمول بہ قرار دیا جائے گا۔

اور اگر کسی جانب بھی وجہ ترجیح معلوم نہ ہو تو اس صورت میں اس کو موقوف عن العمل کہا جائے گا۔

تو خلاصہ یہ نکلا کہ حدیث مقبول باعتبار معمول بہ وغیر معمول بہ سات قسم پر ہے چار قسمیں معمول بہ کی ہیں (۱) محکم (۲) مختلف الحدیث (۳) ناسخ (۴) راجح۔

غیر معمول بہ کی تین قسمیں ہیں

منسوخ	مرجوح	موقوف عن العمل

اگر راوی کا صدق کذب پر راجح نہ ہو تو اس کو مردود اور غیر مقبول کہتے ہیں یہ غیر مقبول و مردود ابتداءً دو قسم پر ہے کیونکہ حدیث کا مردود ہونا یا تو حذف فی السند کی وجہ سے ہوگا یا طعن فی الراوی کی وجہ سے۔

اگر پہلی شق ہو تو پھر بھی خالی نہ ہوگا یا تو سند کے اول میں حذف ہوگا یا سند کے آخر میں حذف ہوگا اگر سند کے اول میں حذف ہو اور خفا بھی نہ ہو اور تحقیق و تلاش کا بھی محتاج نہ ہو تو اس کو معلق کہتے ہیں۔

مثلاً امام بخاری کا کہنا "حدثني ابو حنيفة" امام بخاری اور امام ابوحنیفہ کے درمیان تین واسطے ہیں امام بخاری امام احمد بن حنبل کا شاگرد ہے اور امام احمد امام شافعی کا شاگرد ہے امام شافعی امام محمد کے شاگرد ہیں اور امام محمد امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہے۔

اور اگر حذف سند کے آخر میں ہو مثلاً تابعی نے صحابی کا نام حذف کر کے کہا قال رسول الله ﷺ تو اس کو مرسل کہتے ہیں اور اگر یہ حذف دو یا دو سے زیادہ کا ہو خواہ پے در پے ہو یا ایک سند کے اول میں ہو اور ایک سند کے آخر میں تو اس کو معضل کہتے ہیں۔

اور اگر یہ حذف صحابی کے علاوہ کسی اور کا ہو اور اس کا محل متعین نہ ہو کہ اول میں ہے یا وسط میں یا آخر میں تو اس کو منقطع کہتے ہیں۔

پھر حذف کی دو قسمیں ہیں: (۱) حذف جلی (۲) حذف خفی۔

(۱) **حذف جلی** اس حذف کو کہتے ہیں جو واضح اور ظاہر ہو اور اس میں کوئی خفاء نہ ہو اور تلاش و تفتیش کا بھی محتاج نہ ہو۔

تفصیل (۱) کذب علی الرسول ﷺ یعنی آپ ﷺ پر جھوٹ باندھنا اگر راوی تمام عمر میں ایک مرتبہ آپ ﷺ پر جھوٹ باندھے تو اس راوی کی روایت کو مردود اور موضوع کہا جاتا ہے۔

(۲) اگر راوی غیر رسول پر جھوٹ باندھے تو اس راوی کی روایت کو مردود اور متروک کہتے ہیں۔

(۳) اگر راوی فسق کا ارتکاب کرے تو اس کی روایت مردود ہوتی ہے اور اس کو متروک بھی کہتے ہیں۔

(۴) جہالت: جہالت اس کو کہتے ہیں کہ جس کی وجہ سے راوی کا جرح اور تعدیل معلوم نہ ہو یعنی یہ معلوم نہ ہو کہ راوی مجروح ہے یا عادل ہے اس راوی کی روایت کو مجہول اور متروک کہتے ہیں۔

(۵) **بدعت**: احداث امر مخالف من معروف رسول الله ﷺ نوع من الشبهة بشرطه۔

اگر یہ بدعت عقیدہ میں ہو اور وہ شخص بدعت کا داعی ہو تو اس کی روایت مردود اور متروک ہوتی ہے اور اس راوی کا حکم یہ ہے کہ اس کے پیچھے نماز مکروہ تحریمی ہے۔

اگر طعن فی الراوی کا تعلق ضبط سے ہو تو اس کی پانچ قسمیں ہیں۔

فحش غلط	فحش غفلت	توہم	ثقات کی مخالفت	سوء الحفظ طاری ملازم لہ

تفصیل: (۱) فحش غلط: کہ راوی کثرت سے غلطی کا شکار ہوتا ہو اس کو فحش غلط کہتے ہیں۔

(۲) **فحش غفلت**: کہ راوی کثرت سے لا پرواہی اختیار کرتا ہو۔

(۳) **توہم**: کہ راوی متردد اور یقین والا نہ ہو کہ یہ روایت ثقہ ہے یا غیر ثقہ ہے۔

(۴) **ثقات کی مخالفت**: کہ راوی نے ثقہ راویوں کی مخالفت کی ہو خواہ سند میں یا متن میں۔

(۵) **سوء الحفظ طاری ملازم لہ**: اگر کسی راوی کا حافظہ کمزور ہو جاتا ہے تو سوء الحفظ سے پہلے کی روایت مقبول ہوتی ہے اور سوء الحفظ کے بعد والی مردود ہوتی ہے۔

تیسری قسم کے علاوہ باقی چاروں قسموں کی روایت کو متروک کہا جاتا ہے اور تیسری قسم والے کی روایت کو معلل کہا جاتا ہے۔

اس کے علاوہ حدیث کی کئی اقسام اور بھی ہیں مثلاً

مزید متصل الاسانید	مضطرب	مصحف	محرف	مبہم

تفصیل: (۱) **مزید متصل الاسانید** اگر کسی نے ثقات سے سند میں مخالفت کی اگر چہ بظاہر تو وہ دلیل کی ہے لیکن ثقات کی مخالفت کی تو اس کو مزید متصل الاسانید کہا جاتا ہے

جیسے امام زہریؒ اور امام مالکؒ کے درمیان واسطہ ذکر کیا جائے عن الزہری عن نافع عن مالکؒ۔

مکثرین فی الروایۃ صحابہ کرام کی مرویات کی تعداد

نمبر شمار	صحابی کا اسم گرامی	مرویات کی تعداد
١	سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ	٥٣٧٤
٢	سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہ	٢٦٦٠
٣	سیدہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	٢٢١٠
٤	سیدنا عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	١٢٣٠
٥	سیدنا جابر رضی اللہ عنہ	١٥٤٠
٦	انس بن مالک رضی اللہ عنہ	١٢٨٦
٧	سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ	١١٧٠
٨	سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ	٧٠٠
٩	سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	٨٤٨
١٠	سیدنا علی رضی اللہ عنہ	٥٨٦
١١	سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	٥٣٩
١٢	سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا	٣٧٨
١٣	سیدنا ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	٣٦٠
١٤	سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ	٣٠٥
١٥	سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ	٢٨١
١٦	سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	٢١٥
١٧	سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ	١٨٨
١٨	سیدنا عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ	١٨١
١٩	سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ	١٨٩

سے ہم ہدایت ظاہر کرتے ہیں یہ بتلانے کیلئے کہ حمد میں بھی اللہ تعالیٰ کی اعانت، تائید اور تیسیر کے محتاج ہیں۔

ونستغفرہ : ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں اور نافرمانیوں کی معافی مانگتے ہیں سوائے کرم ہم سے جو کوتاہیاں ہوئی ہیں وہ سب ہم کو معاف کر دیں خواہ تیری عبادت کرنے، تجھ سے مانگنے اور تیری حمد کرنے میں ہوئی ہوں جس طرح آپ کے کمال عظمت، رفعت شان اور تقدس کے لائق تھا اس طرح صدق و اخلاص سے ہم حمد نہ کر سکے۔

لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک

ونعوذ باللہ من شرور انفسنا : اور تمام باطنی گناہوں سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں یعنی باری تعالیٰ کے حمد ادا کرنے میں ریا کاری، شہرت اور نیت کی خرابی سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں یا یہ کہ علم حدیث کی اس تصنیف میں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم نعمت ہے اس میں اخلاص کی کمی نیت کی خرابی اور شکر کی ادائیگی میں جو کوتاہی ہوئی ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں

ومن سیئات اعمالنا : اور برے اعمال سے پناہ مانگتے ہیں یعنی تمام اعمال ظاہرہ جیسے کے ارتکاب محرمات و مکروہات کے صدور اور عبادات و طاعات میں سستی و غفلت کے ارتکاب سے پناہ مانگتے ہیں امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اس میں اعتراف ہے کہ باطن وظاہر عیوب و ذنوب سے بھرے ہوئے ہیں اگر اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر کی توفیق شامل حال نہ ہو تو کوئی بھی صراط مستقیم پر قائم نہ رہ سکے گا اور نہ کوئی نیک عمل انجام دے سکے گا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے "وقالوا الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لو لا ان ھدانا اللہ" اور حضرات صحابہ کرام ؓ نے بزبان قال اس کا اقرار کیا ہے۔

لو لا اللہ ما اھتدینا و لا تصدقنا و لا صلینا

اگر اللہ تعالیٰ کا فضل نہ ہوتا تو نہ ہمیں ہدایت ملتی نہ صدقہ کرتے اور نہ نماز پڑھتے۔

من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضلل فلا ھادی لہ : چونکہ پہلے جملہ میں شرور و سیئات کی نسبت نفس اور کسب کے اعتبار سے اپنے نفس کی طرف کی گئی تھی جبکہ شرور اور سیئات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اس لئے اس بات کی طرف اشارہ فرما دیتے ہیں کہ بندہ اگر چہ شر کا کاسب اور فاعل ہے لیکن خالق نہیں بلکہ خالق درحقیقت ہدایت اور اضلال کا اللہ تعالیٰ ہے جس کو وہ اپنی ہدایت اور عنایت سے مشرف فرمانا چاہے تو جن و انس میں سے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا اور جس کو وہ ضلالت میں ڈال دے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا جیسا کہ ارشاد ربانی ہے "انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء وھو اعلم بالمھتدین" بلفظی اضبارہ ہے اگرچہ اس متن میں اس بات کی حکایت اور خبر ہے کہ ہدایت اور اضلال اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے لیکن معنی کے اعتبار سے اس میں اللہ تعالیٰ سے ہدایت کا سوال اور گمراہی سے بچنے کی طلب ہے کہ ہدایت اور گمراہی تیرے اختیار میں ہیں لہذا ہمیں

راہ راست پر چلنے اور گمراہی سے بچنے کی توفیق عطا فرما۔

دونوں جملوں میں "من" موصول ہے نحوی قاعدہ کے لحاظ سے صلہ کی ضمیر کا ذکر اور حذف دونوں جائز ہیں یہاں بھی اس قاعدے پر عمل ہوا ہے چنانچہ پہلے جملہ میں ضمیر مذکور ہے (من یهده) اور دوسرے جملہ میں اکثر نسخوں کے اعتبار سے ضمیر محذوف ہے (من یضلل) ہدایت کے مراتب کا بیان اختصار کے لحاظ سے چھوڑ دیا گیا ہے۔

واشهد ان لاالٰه الاالله. اور میں صدق دل سے گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ شہادت کے بارے میں چونکہ حدیث میں وارد ہوا ہے "کل خطبة لیس فیها تشهد فهی کالید الجذماء" اس لئے شہادتین کو ذکر کیا ہے۔

یہاں پر واحد کا صیغہ اس لئے لائے ہیں کہ شہادت ایک امر باطنی قلبی ہے اور ایسا فعل ہے جو قلب سے متعلق ہے کیونکہ ایمان کا تعلق دل سے ہوتا ہے جیسا کہ "هلا شققت قلبه" اس پر دال ہے اور اپنے علاوہ کسی کے دل کا حال معلوم نہیں ہو سکتا اس وجہ سے صرف اپنی گواہی کا ذکر کیا جبکہ اس سے پہلے حمد، استعانت اور استغفار افعال ظاہری تھے ان میں سب کو شامل کر لیا نیز تاکہ شہادة کا یہ لفظ کلمہ اسلام اور احادیث کے موافق ہو جائے جہاں شہادة کا لفظ صیغہ مفرد کے ساتھ وارد ہے۔

شهادة تكون للنجاة وسيلة: شهادة کا نصب بطور مفعول مطلق ہے اور موصوف ہے یعنی ایسی گواہی جو خلوص کی وجہ سے دارین میں عذاب سے بچنے کا سبب اور ذریعہ بن جائے وسیلہ سے مراد سبب ہے علت نہیں بلکہ علت در اصل اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل ہے جیسا کہ صحیحین کی روایت میں تصریح ہے "لن ینجی احدا منکم عمله قالوا ولا انت یارسول الله قال ولا انا الا ان یتغمدنی الله برحمة"

ولرفع الدرجات كفيلة: اور ایسی گواہی جو درجات کی بلندی کیلئے کفیل اور ذمہ دار ہو یعنی شہادت کا بار بار تکرار، اعمال صالحہ کا اہتمام اور معاصی سے اجتناب کا سبب بن جائے تو ایسی شہادت درجات عالیہ کے حصول کا سبب اور ذریعہ بن جاتی ہے

واشهد ان محمدا عبده ورسوله: محمد آپ ﷺ کے اسماء گرامی میں سے مشہور اسم گرامی ہے اور اسی نام کے ساتھ صراحتاً آپ ﷺ کو تورات میں یاد کیا گیا ہے البتہ حافظ نے نقل فرمایا ہے کہ تورات میں جو اسم مبارک مذکور ہے وہ احمد ہے آنحضرت ﷺ کے تمام اسماء گرامی اعلام محضہ نہیں ہیں جو صرف تعریف و تعیین مسمی کی پر دلالت کرتے ہیں بلکہ صفات سے مشتق اسماء ہیں جو صفات مدح و کمال آپ ﷺ کے ساتھ قائم ہیں اس پر دلالت کرتے ہیں چنانچہ "محمد" دراصل مفعول کا صیغہ ہے وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل ہوا ہے اور معنیٰ وصفی اس میں ملحوظ ہے یعنی "صاحب الخصال الحمیدة"

ووضح سبل الهداية لمن اراد ان يسلكها: یعنی مطلب تک پہنچنے اور محبوب تک رسائی کا راستہ اس شخص کیلئے روشن کیا جو اس پر چلنے کا ارادہ کرے۔

لفظ "سبل" چونکہ مذکر مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اس لئے "يسلكها" میں ضمیر مؤنث سبل کی طرف لوٹتی ہے (مرقات ج۱ ص ۹)۔

واظهر كنوز السعادة لمن قصد ان يملكها: اور آنحضرت ﷺ نے نیک بختی کے خزانے اس شخص کیلئے ظاہر فرمائے جو ان خزانوں کا مالک بننا چاہتا ہے۔

"كنوز السعادة" سے مراد معنوی خزانے یعنی معارف علوم وہبیہ، اخلاق حمیدہ، اعمال صالحہ اور شمائل حسنہ ہیں جو سعادت کے ابدی خزانوں تک پہنچانے والے ہیں۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ لفظ "اراد" اور "قصد" میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تو سبل ہدایت کا ایضاح اور کنوز سعادت کا اظہار سب کیلئے فرمایا لیکن نفع اٹھانے والے صرف اور صرف قاصدین اور مریدین ہیں (مرقات ج۱ ص ۹)۔

اما بعد: یہ کلمہ کلام کے ایک اسلوب سے دوسرے اسلوب کی طرف انتقال کیلئے بطور فصل کے لایا جاتا ہے اور اسی مناسبت سے اس کو فصل الخطاب کہا گیا ہے بعض حضرات مفسرین نے قرآن کریم کی آیت "وآتيناه الحكمة وفصل الخطاب" کی تفسیر اسی سے کی ہے کہ اس سے مراد کلمہ "اما بعد" ہے۔

سب سے پہلے اپنے خطبے میں "اما بعد" کہنے والا کون تھا اس بارہ میں متعدد اقوال ہیں (۱) حضرت داود علیہ السلام (۲) قیس بن ساعدہ (۳) سحبان بن وائل (۴) کعب بن لوئی (۵) یعرب بن قحطان (۶) حضرت یعقوب علیہ السلام (۷) حضرت ایوب علیہ السلام (۸) حضرت آدم علیہ السلام ان سب حضرات میں سے ہر ایک کی طرف منسوب ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے یہ کلمہ کہا ہے اور ان اقوال کا مجموعہ اس شعر میں آگیا ہے۔

جرى الخلف اما بعد من كان بادئا ۔۔۔ فخمسة اقوال وداود اقرب

وكانت له فصل الخطاب وبعده ۔۔۔ فقس فسحبان فكعب فيعرب

ويروى [illegible] يعقوب قبلها ۔۔۔ وقيل الى ايوب آدم تنسب

ان اقوال میں راجح قول یہ ہے کہ داود علیہ السلام نے سب سے پہلے یہ کلمہ کہا ہے چنانچہ حافظ ابن حجر بعض اقوال کو ذکر کر کے فرماتے ہیں

"والاول ان داود ﷺ اشبہ" نیز حضرت ابوموسی اشعری ﷺ کی روایت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

امام شعبی بھی فصل الخطاب کی تفسیر "اما بعد" سے کرتے ہوئے حضرت داود ﷺ کے بارے میں فرماتے ہیں "فهو اول من تكلم بها" (تفسیر جمل ج ۳ ، ص ۵۶۶)

فان تمسكت بهديه لايتيسر الا بالاقتفاء لما صدر من مشكاته والاعتصام بحبل تلقه لايتم الابيان كشفه:

کسی علم میں تصنیف کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں ایک یہ کہ اس علم میں مستقل کتاب لکھی جائے۔

دوسرا یہ کہ مستقل کتاب نہ لکھی جائے بلکہ کسی اور کتاب کو لیکر اس کی شرح لکھی جائے یا اس کتاب میں کچھ اضافہ کر کے اس کو نئی کتاب کی شکل دیدی جائے۔

پہلی صورت میں مصنف دیباچہ میں تین چیزیں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) سبب تالیف (۲) سبب انتخاب فن (۳) کیفیت مصنف کہ تصنیف کیلئے پھر اس علم و فن کو کیوں منتخب کیا اور اس کتاب کی کیفیت اور خصوصیات کیا ہیں؟

دوسری صورت میں مصنف دیباچے کے اندر چار چیزیں ذکر کرتے ہیں۔

(۱) سبب تالیف (۲) سبب انتخاب فن (۳) سبب انتخاب متن (۴) کیفیت مصنف۔

مشکوٰۃ چونکہ مستقل کتاب نہیں ہے بلکہ مصابیح پر اضافہ ہے اس لئے صاحب مشکوٰۃ نے اپنے دیباچہ میں چاروں اسباب کی طرف اشارہ کیا ہے چنانچہ سبب انتخاب فن کی نشاندہی کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "فان التمسك بهديه لايتيسر الا بالاقتفاء الخ" تو چونکہ احادیث کا سمجھنا آنحضرت ﷺ کی سیرت کو اختیار کرنے کیلئے ضروری ہے اور پھر علم حدیث کے ذریعہ قرآنی تعلیمات سے استفادہ کیا جاسکتا ہے اس واسطے اس فن کا انتخاب کیا ہے۔

"لايتيسر" کے معنی "لايستقيم" اور "لايستمر" ہے "الاقتفاء" الاتباع التام ہے۔

من مشکوٰہ : مشکوٰۃ لغت میں غیر نافذ طاقچہ کو کہتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے قلب منور کی تشبیہ دی گئی ہے روشن چراغ کے ساتھ پھر وہ مبارک دل چونکہ سینہ اطہر میں رکھا ہوا ہے تو سینہ اطہر کی تشبیہ دی ہے مشکوٰۃ کے ساتھ گویا کہ آپ ﷺ کا سینہ مبارک دو جہت والا ہے۔

ایک جہت سے قلب منور سے نور کا اقتباس کرتا ہے اور دوسری جہت سے مخلوق پر اس نور مقتبس کا افاضہ کرتا ہے۔

اور یہ سب تشبیہات قرآن کریم کی اس آیت کریمہ سے ماخوذ ہیں جس میں ارشاد ہے "الله نور السموت والارض مثل نوره كمشكوة فيها مصباح"۔

یہ تو اس تقریر پر اس وقت ہے جبکہ "یہدیہ" کی ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹے۔

ملا علی قاری نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ "یہدیہ" کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ہو اور مراد اللہ تعالیٰ کی توحید کا راستہ ہو اور آنے والے معطوفات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس میں "بحبل اللہ" کی تصریح موجود ہے البتہ معطوف میں "بحبل اللہ" قرآن مجید کی آیت "واعتصموا بحبل اللہ جمیعا" کے اتباع کی غرض سے ضمیر کی جگہ اسم ظاہر لایا گیا ہے۔ جبکہ معطوف علیہ "یہدیہ" میں ضمیر کی وجہ سے اور دلالۃ المقام پر اکتفا کرتے ہوئے اسم ظاہر کو چھوڑ کر ضمیر لائی گئی ہے اگرچہ معطوف علیہ میں ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لانا اولیٰ ہے بالخصوص کلمہ "فصل الخطاب" یعنی "اما بعد" کے ذریعہ فصل لانے کے بعد۔

واعتصامہ بحبل اللہ: "حبل اللہ" سے مراد قرآن مجید ہے چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "حبل اللہ القرآن" اسی طرح ایک مرفوع روایت میں بھی اس کی تصریح موجود ہے کہ حبل اللہ سے قرآن مراد ہے چنانچہ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ارشاد ہے "کتاب اللہ ھو حبل اللہ الممدود من السماء الی الارض"

(الدر المنثور ج ۲ ص ۶۰)

الاعتصام: کو منصوب اور مرفوع دونوں طریقوں سے پڑھا جا سکتا ہے اگر "السنۃ" کے لفظ پر عطف ہو تو منصوب ہوگا اور اگر اس کے محل پر عطف ہو تو مرفوع ہوگا (مرقات ج ۱ ص ۱۰)

لایتم الا ببیان کشفہ: بیان کی اضافت کشف کی طرف اضافت بیانیہ ہے یعنی "بیان ھو کشفہ" چونکہ قرآن کریم کے مجملات احادیث نبویہ کی تفصیل اور بیان کے بغیر نہیں سمجھے جا سکتے مثلاً قرآن کریم میں نماز کا ذکر مجمل ہے اوقات، تعداد رکعت، ارکان اور شرائط اسی طرح واجبات، سنن، مفسدات اور مکروہات سب احادیث سے معلوم ہوتے ہیں اس لئے فرمایا کہ قرآن کریم کا اعتصام آپ ﷺ کے بیان کے بغیر تام نہیں ہو سکتا اور آنحضرت ﷺ کی صفات میں سے یہ صفت بھی بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ آیات کو بیان کرنے والے ہیں جیسا کہ ارشاد ربانی ہے "وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم" گویا کہ تمام امور شرعیہ احکام دینیہ حلال اور حرام کی پہچان اور تفصیلات میں نبی کریم ﷺ کی طرف احتیاج ہے اور ان کے بغیر شریعت کا سمجھنا مشکل ہے (مرقات ج ۱ ص ۱۰)

وکان کتاب المصابیح الذی صنفہ الامام محیی السنۃ اجمع کتب صنف فی بابہ

یہاں سے مصنف انتخاب متن (مصابیح) کا سبب بتا رہے ہیں اور اس پر اضافہ اور الحاق کی وجہ بتا رہے ہیں کہ چونکہ کتاب مصابیح جس کی تالیف امام محیی السنۃ نے فرمائی تھی فن حدیث کی جامع ترین کتاب تھی جس میں موصوف نے نہایت حسن و خوبی کے ساتھ منتشر اور متفرق احادیث کو جمع فرمایا تھا البتہ مصنف نے طریقہ اختصار اپنانے کی وجہ سے اسانید کو حذف کیا تھا اور موقوف کا بغیر اسناد

کے نقل کرنا اگرچہ مؤلف کے ثقہ ہونے کی وجہ سے معتبر ہے تاہم بعض ناقدین نے اس پر اعتراض کیا ہے اس لئے میں نے اللہ تعالیٰ سے مدد چاہی اور اس کی توفیق کا طلب گار ہوا چنانچہ ائمہ متقنین کے طرز پر روایات کو حوالہ کتب کے ساتھ مع السند ذکر کر دیا گویا کہ صاحب مشکوٰۃ نے جامعیت مصابیح کیوجہ سے مصابیح کا انتخاب کیا اور اس میں بعض خامیوں کو دور کرنے کیلئے اس پر مزید اضافہ کیا تو یہی وجہ اس متن کے انتخاب کی ہوئی اور یہی وجہ تالیف کی سبب بنی۔

واضبط لشوارد الاحادیث واوابدھا : "اضبط" "اجمع" پر عطف ہو کر یہ بھی "کان" کی خبر ہے مصابیح "ضبط" (زیادہ ضبط کے قابل) اس لئے کہا کہ چونکہ مصابیح اسانید سے طرد اور اختلاف و تکرار الفاظ سے خالی ہے اس لئے وہ اقرب الی الحفظ ہے اور احادیث کے بڑے ذخیرے پر مشتمل ہے لہٰذا "اضبط" کے دو معنی ہیں (۱) احفظ اور ضبط کے زیادہ لائق (۲) احادیث کی زیادہ تعداد پر مشتمل۔

"شوارد" کی اضافت "احادیث" کی طرف یہ "اضافۃ الصفۃ الی الموصوف" کے قبیل سے ہے یعنی "الاحادیث الشاردۃ" "اوابد" کا عطف "شوارد" پر عطف تفسیری ہے "شوارد" "شاردۃ" کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بھاگنے والا اونٹ اسی طرح "اوابد" "آبدۃ" کی جمع ہے جس کے معنی ہیں وحشی جانور۔ اس مقام پر یہ الفاظ بطور استعارہ استعمال کئے گئے ہیں یعنی وہ احادیث جو کتب اصول میں روایت کی گئی ہیں لیکن طالب علم کو ان کی جگہ معلوم نہیں کہ کہاں مذکور ہیں ان کو بھاگنے ہوئے اونٹ کے ساتھ تشبیہ دی ہے گویا کہ وہ طالب علم سے بھاگی ہوئی ہیں اور وہ احادیث جن کے معانی مقصود طالب علم سے پوشیدہ ہیں ان کو وحشی جانوروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے گویا کہ وہ احادیث طالب علم سے مانوس نہیں بلکہ متوحش ہیں۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ احادیث کو وحشی کے ساتھ تشبیہ اس لئے دی ہے کہ جس طرح وحشی جانور موقع ملتے ہی بھاگ جاتے ہیں ٹھہرتے نہیں اسی طرح احادیث بھی بہت جلد ضبط سے نکل جاتی ہیں ذرا سی غفلت کی وجہ سے حافظے سے غائب ہو جاتی ہیں اس لئے کہا گیا ہے "العلم صید و کتابتہ قید" (مرقات ج ۱ ص ۱۰)۔

ولما سلکتُ طریق الاختصار وحذف الاسانید تکلم فیہ بعض النقاد وان کان نقلہ وھو من الثقات کالا سناد.

صاحب مصابیح نے اپنی کتاب میں احادیث جمع کرتے وقت اختصار سے کام لیا تھا اور صرف نقل حدیث پر اکتفاء کرتے ہوئے سند اور حوالہ کتاب کو ترک کر دیا تھا اس لئے بعض محدثین اور ناقدین کی جانب سے اعتراض ہوا کیونکہ کسی حدیث کی حیثیت کو جاننے اور پہچاننے کا مدار صرف سند پر ہوتا ہے جب تک سند نہ دیکھ لی جائے کہ یہ حدیث کس راوی نے روایت کی ہے اس وقت تک حدیث کے بارے میں کوئی حکم نہیں لگایا جا سکتا کہ یہ صحیح ہے، حسن یا ضعیف وغیرہ اگرچہ نقل حدیث کے معاملہ میں صاحب مصابیح ثقہ اور معتمد محدثین میں شمار کئے جاتے ہیں اس لئے ان کا کسی حدیث کو بغیر سند کے نقل کرنا ایسا ہی ہے جیسا کہ سند کے ساتھ نقل کی ہو۔

وقسمت اثره فیھا " اور میں نے اس کتاب کی ترتیب وہی رکھی جو صاحب مصابیح نے رکھی تھی اور اس سلسلے میں انہی کے نقش قدم کی پیروی کی ہے۔ عام طریقہ تو یہ ہے کہ جس کتاب میں مختلف موضوعات ومباحث کے متعلق مضامین ہوتے ہیں ان موضوعات ومباحث کے اعتبار سے کتاب وابواب میں تقسیم کر دیا جاتا ہے چنانچہ لفظ کتاب کے ذریعے جو عنوان قائم کیا جاتا ہے اس کے تحت وہ مختلف ابواب ہوتے ہیں جو اگرچہ ایک ہی موضوع سے تعلق رکھتے ہوں لیکن ان کے مضامین ومباحث کی نوعیت وتفصیل الگ الگ ہوتی ہے مثلا طہارت ایک موضوع ہے اور اس موضوع سے متعلق مختلف النوع صورتیں اور ان کے احکام ومسائل ہیں جیسے وضوء، غسل، تیمم وغیرہ تو سب سے پہلے کتاب الطہارت کا عنوان قائم ہوتا ہے اور پھر اس کے تحت مختلف النوع صورتوں اور ان کے احکام ومسائل پر مشتمل مضامین کو نقل کرنے کے لئے ابواب قائم کئے جاتے ہیں جیسے "باب الوضوء" "باب الغسل" اور "باب التیمم" وغیرہ لہذا صاحب مصابیح نے اپنی تصنیف میں جس ترتیب کے ساتھ کتاب اور ابواب کے عنوان قائم کئے تھے صاحب مشکوۃ نے بھی اسی ترتیب سے بغیر کسی تقدیم وتاخیر اور عنوان کی تبدیلی وزیادتی کے کتاب اور ابواب کے عنوان قائم کئے "رجوہ الفرق بین المشکوۃ والمصابیح" ان وجوہ میں کیفیت مصنف پر روشنی ڈالی گئی ہے اور ان کے بیان کرنے میں کتاب کی عبارت کی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا بلکہ وجوہ کی ترتیب کا لحاظ رکھا گیا ہے مصابیح اور مشکوۃ المصابیح کے درمیان وجوہ فرق امتیاز متعدد ہیں

فاعلمت ما اغفلہ [۱] مصابیح میں حدیث کے راوی کا نام مذکور نہیں مشکوۃ المصابیح میں راوی حدیث صحابی کا نام درج کر دیا گیا ہے اس سے ایک تو راوی حدیث کا متقدم الاسلام یا متاخر الاسلام ہونا معلوم ہو جاتا ہے جس سے ناسخ ومنسوخ کو پہچاننے میں مدد ملتی ہے۔ دوسرے راوی کا فقیہ وغیر فقیہ ہونا معلوم ہوتا ہے جس سے ترجیح روایت میں سہولت ہوتی ہے اگرچہ صحابہ سارے فقیہ ہیں لیکن فقاہت میں درجات ہیں اور افقہ کے کلام کو ترجیح ہوتی ہے۔

جیسا کہ قرآن کریم میں اسی طرف اشارہ ملتا ہے "ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم"

[۲] مصابیح میں تخریج وماخذ حدیث کا ذکر تھا مشکوۃ میں یہ بتا دیا گیا ہے کہ یہ حدیث اصول کے کونسی کتاب میں موجود ہے۔ جس سے اصول کی طرف رجوع میں بھی سہولت ہوتی ہے۔ اور مخرجین کی شرائط کے معروف ہونے کی بنا پر حدیث کا معیار بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ کس معیار کی حدیث ہے " وقسمت کل باب غالباً علی فصول ثلثۃ" مصابیح میں ہر باب دو حصوں میں تقسیم ہے حصہ اول میں صحیح بخاری یا صحیح مسلم یا دونوں کی احادیث ذکر کرتے ہیں اور ان کے لئے "من الصحاح" کا عنوان ہوتا ہے صاحب مشکوۃ نے "من الصحاح" کے بجائے ان احادیث کیلئے فصل اول کا عنوان اختیار کیا ہے۔

اور اسے معنی میں ہے تو گویا کہ سبب اور دالی کی صورت میں انحصار اور حذف اختیار کیا جاتا ہے جبکہ دالی اور سبب نہ ہونے کی صورت میں الحاق اور تاخیر اختیار کیا جاتا ہے جو اسباب اور دالی کا لحاظ، انحصار اور ترتیب کے ساتھ ہے ذکر و الحاق سے نہیں۔

[مرقاۃ المفاتیح: ۱۔ ۳۳]

"وإن عثرت على اختلاف في الفصلين من ذكر غير الشيخين في الأول وذكرهما في الثاني فاعلم أني بعد تتبعي كتابي الجمع بين الصحيحين و جامع الأصول اعتمدت على صحيحي الشيخين ومتنيهما"

[۸] کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک روایت مصابیح میں صحاح کے ذیل میں مذکور ہوتی ہے اور اس کو فصل اول میں آنا چاہیے لیکن صاحب مشکوۃ اس کو فصل ثانی میں حسان کی جگہ ذکر کرتے ہیں جیسے باب فی سنن الوضوء اور باب فضائل قرآن میں ہے اسی طرح بعض جگہ فصل ثانی کی احادیث کو شیخین کی طرف منسوب کیا ہے جیسے "باب ما يقرء بعد التكبير باب الموقف" وغیرہ میں تو اس رد و بدل اور فرق کی وجہ بیان کرتے ہوئے صاحب مشکوۃ فرماتے ہیں کہ یہ میری سہو یا غلطی کی بنا پر نہیں ہوا بلکہ "الجمع بين الصحيحين اور جامع الاصول" میں کامل تحقیق اور تتبع کے بعد میں نے ایسا کیا ہے اور اس سلسلے میں میں نے جامع الاصول کے علاوہ بخاری اور مسلم کے اصل نسخوں اور ان کے متن پر اعتماد کیا ہے چنانچہ جو احادیث ان کتابوں میں شیخین کی طرف منسوب نہیں تھیں اور انہیں صاحب مصابیح نے فصل اول میں ذکر کر کے شیخین کی طرف منسوب کیا ہے میں ان احادیث کو مشکوۃ میں شیخین کی طرف منسوب کرنے کے بجائے ان کے اصل راوی اور ناقل کی طرف منسوب کروں گا اسی طرح جن احادیث کو صاحب مصابیح نے شیخین کے علاوہ دوسرے ائمہ کی طرف منسوب کر کے فصل ثانی میں نقل کیا تھا اور وہ احادیث مجھے ان مذکورہ کتابوں میں شیخین کی طرف منسوب ملیں تو میں انہیں شیخین کی طرف منسوب کر کے فصل اول میں ذکر کروں گا گویا مصابیح سے سہواً یہ تبدیلی ہوئی تھی جس کو تحقیق اور تتبع کے بعد درست کر دیا گیا ہے۔ [۱۔ ۴۶۔ ۴۷]

یہ حافظ ابو عبداللہ محمد بن ابی النصر ہیں اپنے دادا حمید کی طرف منسوب ہیں اور ابن حزم کے کبار تلامذہ میں سے ہیں حافظ شمس الدین ذہبی نے ان کا تذکرہ "الامام القدوۃ الاثری المتقن الحافظ شیخ المحدثین" جیسے القاب سے کیا ہے یحییٰ بن ابراہیم سلماسی اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ فضل و کمال اور تبحر علمی میں میں نے حمیدی کا ہم پلہ کسی کو نہیں دیکھا اور نہ ہی ان سے زیادہ کسی کو علم میں پڑھانے میں حریص پایا۔ [سیر اعلام النبلاء: ۱۹۔ ۱۲۰۔ ۱۲۳][مرقات: ۱۔ ۴۳]

علامہ حمیدی نے الجمع بين الصحيحين میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی احادیث ذکر کی ہیں اور ساتھ ساتھ احادیث کے تحت کچھ ذکر کیا ہے۔ اور بعض میں بعض الفاظ حدیث کی تشریح بھی کی ہے مگر ہر ایک میں اختصار باقی رکھا ہے۔ یعنی صحیحین کی روایت کو ذکر کیا ہے اور جن کسی نے اضافہ نقل کیا ہے اس کو الگ بیان کیا ہے۔

(۱۱) صاحب مشکوۃ بعض اوقات فصل اول یا فصل ثانی کی احادیث کو نقل کریں گے مگر تخریج اور ماخذ کا حوالہ دینے کی بجائے یہ لکھیں گے "ما وجدت هذه الرواية في كتب الاصول"

یہ حدیث مجھے صحاح ستہ میں کہیں نہ ملی یا یہ کہیں "وجدت خلافها" کہ مجھے تو یہ حدیث مصابیح کی حدیث کے خلاف ملی ہے اور یہ میری تتبع اور تلاش تفحص کی وجہ سے ہوا ہے اس میں شیخ کا قصور نہیں (یہ کمال ادب ہے کہ شیخ کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے سارے قصور کی نسبت اپنی جانب کر لیا) اور میں نے اپنی تلاش کے مطابق جیسا اختلاف پایا ویسا ہی نقل کر دیا ہے کمال احتیاط و دیانت

وما اشار من غريب او ضعيف او غيرهما بينت وجهه غالباً وما لم يشر اليه مما في الاصول فقد قفيته في تركه

(۱۲) صاحب مشکوۃ نے جہاں کسی حدیث کو ضعیف، غریب یا منکر وغیرہ کہا ہے اور وجہ بیان نہیں کی تو صاحب مشکوۃ اکثر مقامات میں اس کی وجہ بتا دیتے ہیں بعض مواقع میں مصابیح میں حدیث کی نوعیت کے بارے میں سکوت تھا مگر اصول میں اس کا ذکر ہے تو صاحب مشکوۃ نے بھی سکوت فرمایا ہے "الا في مواضع لغرض" (۱۳) بعض بعض اوقات مصابیح کی احادیث جن کتب اصول "بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد وغیرہ" سے لی گئی ہیں ان میں حدیث کے بارے میں کچھ بحث ہوتی ہے کہ یہ منقطع ہے یا موقوف یا مرسل وغیرہ لیکن مصابیح کے مؤلف حدیث تو ذکر کرتے ہیں مگر اس بحث کو ذکر نہیں کرتے تو صاحب مشکوۃ فرماتے ہیں کہ جن ابحاث کی طرف امام بغوی نے اشارہ نہیں کیا میں نے بھی ان کی اتباع کرتے ہوئے ان کی طرف کوئی اشارہ نہیں کیا الا فی موضع لغرض مگر چند جگہ غرض کی وجہ سے میں نے اشارہ کیا ہے اور وجہ بیان کی ہے مثلاً "المرء على دين خليله فلينظر احدكم من يخالل" اس حدیث کو بعض لوگ موضوع کہتے ہیں حالانکہ امام ترمذیؒ نے اس کو حسن کہا ہے اور امام نوویؒ نے صحیح الاسناد کہا ہے تو صاحب مشکوۃ نے یہاں اس کے معتبر ہونے کو ذکر کیا ہے اگرچہ مصابیح میں سکوت تھا۔ "وربما تجد مواضع مهملة وذلك حيث لم اطلع على راويه فتركت البياض فان عثرت عليه فالحقه به احسن الله جزائك" (۱۴) بعض جگہ صاحب مشکوۃ نے حوالے کی جگہ خالی چھوڑی ہے حوالہ نہ ملنے کی بنا پر لہٰذا فرماتے ہیں کہ جس کو حوالہ مل جائے وہ خالی جگہ کو پر کرے چنانچہ بعض شارحین نے بین السطور حوالہ لکھ دیا ہے اور بعض رسم الخط میں اس کا ذکر ضمناً آیا ہے۔

"وسمیت الکتاب بمشکوۃ المصابیح" مشکوۃ دیوار کے اس طاقچہ کو کہتے ہیں کہ جس میں چراغ رکھا جاتا ہے۔ مصابیح مصباح کی جمع ہے چراغ کو کہتے ہیں مصابیح سے کتاب مصابیح بھی مراد ہو سکتی ہے اور احادیث رسول اللہ ﷺ بھی چونکہ دین پر چلنے والوں کیلئے چراغ کا کام دیتی ہیں اس تسمیہ میں اسم اور مسمی کے درمیان مناسبت تامہ کا لحاظ کیا گیا ہے اور اس نام میں ایک لطافت بھی ہے جیسے چراغ کھلی جگہ پر رکھا ہو تو اس کی روشنی پھیلتی ہے اور وہ روشنی کمزور ہوتی ہے اگر اس کو طاقچہ میں رکھ دیا جائے تو وہ روشنی مجتمع ہو کر تیز ہو جاتی ہے اسی طرح یہ کتاب مصابیح یا احادیث رسول اللہ ﷺ جو بمنزلہ چراغ ہیں پہلے بھی نافع تھیں لیکن مشکوۃ

(۳) الحلال بین والحرام بین وبینھما مشتبھات ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ (٤) لا یکون المومن مومنا حتی یرضی لاخیہ ما یرضی لنفسہ الحدیث۔ اور امام بخاریؒ کی روایت میں "لا یکون المومن مومنا" نہیں ہے بلکہ "لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ" اور امام محمدؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث مشکوٰۃ العلم میں سے ہے کہ فقہ دین کا دار انہی احادیث پر ہے۔

(۱) انما الاعمال بالنیات وانما لامرء ما نوی ۔ ۔ ۔ الخ (۲) الحلال بین والحرام بین وبینھما مشتبھات ۔ ۔ ۔ الخ (۳) من احدث فی امرنا ھذا ما لیس منہ فھو رد

(۳) **تعلیم لبعض جملات الحدیث** :انما الاعمال بالنیات : کلمہ انما میں چار اقوال ہیں (۱) انما کلمہ بسیطہ ہے (۲) انما کلمہ مرکب ہے ان حرف ہے حروف مشبہ بالفعل سے اور ما کافہ عن العمل ہے (۳) ان حرف ہے حروف مشبہ بالفعل سے اور ما زائدہ برائے تاکید ہے (۴) ان حرف ہے حروف مشبہ بالفعل سے اور ما نافیہ ہے بہر حال کلمہ انما حصر کیلئے ہے

اشکال : کلمہ انما سے دو شبہات وارد ہوتے ہیں (۱) کلمہ انما میں جمع بین الضدین ہے جو کہ اثبات اور نفی ہے (۲) کلمہ انما میں ان صدارت کلام کا تقاضہ کرتا ہے اسی طرح کلمہ ما بھی صدارت کلام کا تقاضہ کرتا ہے ایک کا تقاضہ صدارت تو پورا ہو جاتا ہے لیکن دوسرے کا نہیں ؟

پہلے شبہ کا جواب : انما استثناء کے معنی میں ہے ای ما ھو الا ۔

دوسرے شبہ کا جواب : یہ اشکال اس وقت وارد ہو سکتا ہے جب کہ یہ قبل الترکیب ہوتا بعد الترکیب یہ اشکال وارد نہیں ہوتا کیونکہ بعد الترکیب انما کلمہ واحدہ ہو جاتا ہے ۔

الاعمال : اعمال عمل کی جمع ہے عمل بمعنی ساختن یعنی بنانا ۔

النیات : نیات نیۃ کی جمع ہے یہ مشدد اور مخفف دونوں مستعمل ہوتے ہیں لیکن مشدد قول اصح ہے

﴿۵﴾ الفرق بین الفعل والعمل : فعل اور عمل کے درمیان چند وجوہ سے کیا فرق ہے۔

(۱) عمل میں امتداد اور استمرار ہوتا ہے کیونکہ عمل بمعنی ساختن ہے اور بنانے میں وقت صرف ہوتا ہے بخلاف فعل کے کہ فعل میں امتداد اور استمرار نہیں ہوتا لیکن فعل میں تھوڑا سا وقت لگ جاتا ہے۔

(۲) عمل فکر اور سوچ کے بعد ہوتا ہے العمل ما کان عن فکر وروية اور فعل عام ہے الفعل عام لما کان بعلم او بغیر علم۔

(۳) عمل کا اطلاق قول پر ہوتا ہے اور فعل کا اطلاق قول پر نہیں ہوتا ہے۔

(۴) عمل امور اختیاریہ میں استعمال ہوتا ہے کیونکہ شریعت میں تکلیف کا مدار امور اختیاریہ پر ہے غیر اختیاریہ پر نہیں جبکہ فعل عام ہے جو امور اختیاری اور غیر اختیاری دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔

﴿۷﴾ **معنی اللغوی والاصطلاحی للنیۃ:** نیت لغت میں مطلق عزم قصد و ارادے کو کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ علامہ ابو البقاء و قاضی بیضاوی نے فرمایا النیۃ عبارۃ عن انبعاث القلب نحو ما یراہ موافقا لغرض من جلب نفع او دفع ضر حالا او مآلا (انبعاث بمعنی برانگیختہ کرنا)۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۱۱)

معنی اصطلاحی: توجہ القلب نحو الفعل ابتغاء لوجہ اللہ تعالیٰ۔

اقسام النیۃ: نیت دو معانی کیساتھ مستعمل ہوتا ہے (۱) نیت فقہی (۲) بمعنی باعث علی العمل

(۱) نیت فقہی امتیاز عمل عن عمل (ایک عمل سے دوسرا ممتاز ہو جائے یا عبادات عن العادات) اور اسی پر عمل کی صحت اور فساد کا مدار ہے۔

(۲) **نیت بمعنی باعث علی العمل:** یہ صوفیہ کے نزدیک ہے جملہ اور عمل باعث علی العمل اور اس پر عمل کی قبولیت اور عدم قبولیت کا مدار ہے

﴿۸﴾ **الفرق بین العزم والنیۃ والارادۃ:** عام طور پر نیت کا معنی قصد ارادہ اور عزم سے ادا کرتا ہے۔ حافظ ابو الحسن مقدسیؒ سے منقول ہے کہ یہ تینوں الفاظ ہم معنی ہیں لیکن محققین علماء نے اس میں فرق ظاہر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ عزم مقدم علی الفعل ہوتا ہے اور نیت و ارادہ مع الفعل ہوتے ہیں پھر نیت اور ارادہ کی درمیان فرق ظاہر کیا ہے کہ ارادہ میں مرید کی غرض ملحوظ نہیں ہوا کرتی کیونکہ ارادہ اللہ پاک کے افعال میں استعمال ہوتا ہے اور افعال باری تعالیٰ معلل بعلۃ الغرض نہیں ہیں جیسا کہ ان اللہ یفعل ما یرید و یحکم ما یرید .. الخ اور ارادہ میں اردت کذا پر اکتفا کیا جاتا ہے غرض کرنے کے بغیر جبکہ نیت میں ناوی کی غرض ملحوظ ہوتا ہے نویت للہ کہا جاتا ہے تو نیت اللہ پاک کے افعال میں استعمال نہیں ہوتا اور نیت میں نویت کذا پر اکتفا بھی صحیح نہیں ہو سکتا بلکہ نویت کذا لکذا استعمال ہوا کرتا ہے۔

حاصل حدیث: اس حدیث میں حضرت شارع علیہ السلام مقصود اخلاص اور تصحیح نیت بیان کرتا ہے کیونکہ اعمال کے حسن اور قبح مدار نیت کے حسن اور قبح پر ہے اور عند اللہ عمل کے مقبول اور مردود ہونے کا مدار نیت پر ہے لہذا اعمال کے اندر اخلاص اور تصحیح نیت کا اہتمام ضروری ہے تا کہ اعمال خالص لوجہ اللہ ہو اور اس میں غیر اللہ کا کچھ شائبہ نہ ہو۔

حضرت شاہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا ہے کہ حدیث شریف میں عمل، نیت اور نتیجے کی طرف اشارہ ہے۔ انما الاعمال بالنیات
میں اشارہ ہے عمل کی طرف کیونکہ ہجرت ایک عمل ہے اور وانما لامرئ ما نوی میں اشارہ ہے نیت کی طرف اور فمن کانت هجرته الى
الله ورسوله میں اشارہ ہے نتیجے کی طرف۔ اور فمن کانت هجرته الى دنیا میں اشارہ ہے عمل کی طرف اور یصیبها او
امرأة یتزوجها میں اشارہ ہے نیت کی طرف اور فهجرته الى ما هاجر الیه میں اشارہ ہے نتیجے کی طرف۔

﴿۸﴾ الاشکال علی اتحاد الشرط والجزاء مع الجواب: انما الاعمال بالنیات کو جملہ عطفیہ کہا جاتا ہے اور وانما
لامرئ ما نوی کو جملہ شرطیہ کہا جاتا ہے فمن کانت هجرته الى الله ورسوله الخ کو جملہ تفریعیہ کہا جاتا ہے۔ اس جملہ تفریعیہ
پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ شرط اور جزا میں اتحاد ہے جس کی وجہ سے تقدیم الشئ علی نفسہ لازم آتا ہے۔ جواب: فمن کانت هجرته
الى الله کی تقدیر یوں ہے "فمن کانت هجرته الى الله ورسوله نیة وارادة فهجرته الى الله ورسوله
حقیقة وفی نفس الامر" تو شرط اور جزا کے درمیان مغایرت ہوگئی فلا اشکال علی اتحاد الشرط والجزاء فی الحدیث

﴿۹﴾ **شان ورود حدیث**۔ یہ حدیث ایک عورت کے قصہ میں نقل ہوئی ہے جس کا نام قیلہ ہے جبکہ ام قیس کے ساتھ مشہور ہوئی
ہے۔ امام طبرانیؒ نے اپنے معجم کبیر کے اندر حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ سے یہ واقعہ روایت کیا ہے کہ ایک آدمی نے ام قیس کو نکاح کا
پیغام بھیجا تو اس عورت نے اس پر ہجرت کی شرط لگادی تو اس نے ہجرت کی تو ہم لوگ اس کو مہاجر ام قیس کہہ کر پکارا کرتے۔ سعید
بن منصورؒ نے بھی یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا ہے کہ روایت کی اسناد اگرچہ شرط الشیخین پر ہے لیکن یہ
بات کہیں نظر سے نہیں گزری کہ حضور ﷺ نے اس واقعہ کو اس حدیث کیلئے سبب ورود بنایا۔

علامہ محمد عابد سندیؒ نے نقل کیا ہے کہ علامہ سیوطیؒ نے اپنے ایک رسالہ میں زبیر بن بکار کی کتاب اخبار مکہ سے یہ واقعہ حدیث کے
ورود کیلئے سبب نقل کیا ہے جب یہ واقعہ ہو چکا تو حضور ﷺ نے فرمایا یا ایها الناس انما الاعمال بالنیات ... الخ

امام بخاریؒ نے اس حدیث کو سات مقامات میں ذکر کیا ہے ایک مقام میں اعمال کو جمع اور نیت کو افراد کے ساتھ ذکر کیا ہے اور ایک
جگہ پر عمل کو افراد کے ساتھ ذکر کیا ہے گویا چھ مقامات میں اعمال کو صیغہ جمع کے ساتھ اور ایک جگہ صیغہ افراد کے ساتھ اور چھ مقامات پر نیت
افراد کے ساتھ اور ایک مقام میں جمع کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ حدیث مشکوٰۃ "انما الاعمال بالنیات" وہ مقام ہے جس میں اعمال اور
نیات دونوں صیغہ جمع کے ساتھ ہیں اور اس میں وہ مشہور قاعدہ جاری ہے کہ جب جمع جمع کے مقابلے میں آتی ہے تو آحاد کی آحاد
کے ساتھ تقسیم کیا جاتی ہے تو معنی یہ ہوا "کل عمل موقوف بالنیة" اور یا اس "الاعمال" میں الف لام جنسی ہے اور جب الف لام
جنسی جمع پر داخل ہوتا ہے تو جمعیت کو باطل کرتا ہے اور جنسیت کو قوی بناتا ہے تو معنی یہ ہوا "جنس عمل نیت پر موقوف ہے۔ اور دوسرے

مقامات میں جب اعمال جمع اور نیت مفرد ذکر ہوئے ہیں اس کی یہ توجیہ بیان کی گئی ہے کہ اعمال کا تعلق جوارح کے ساتھ ہے اور جوارح متعدد ہیں تو اعمال بھی متعدد اور کثیر ہوئے اور نیت کا تعلق قلب کے ساتھ ہے اور قلب واحد ہے تو نیت بھی واحد اور مفرد ذکر ہوا ہے۔

اس بات پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ نیت عبادت مقصودہ میں شرط ہے۔ عبادت مقصودہ اسکو کہتے ہیں جس کا مقصود بغرض تقرب الٰہی ادا ہوا ہو اور مدرک بالعقل نہ ہو جیسے صلوۃ، صوم، زکوۃ اور حج۔ اور جو عبادات مقصودہ نہ ہو بلکہ عبادات مقصودہ کیلئے ذریعہ اور وسیلہ ہو تو اس کیلئے نیت شرط نہیں ہے۔

نیت وضوء میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے۔ (کہ نیت وضوء کیلئے شرط ہے یا نہیں)

طائفہ اولیٰ ائمہ ثلاثہ اور داؤد ظاہری کے نزدیک وضوء میں نیت شرط ہے۔

طائفہ ثانیہ حضرت امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد، امام زفر، امام اوزاعی، امام سفیان ثوری رحمہم اللہ اور ایک روایت میں امام مالک سے منقول ہے کہ وضوء میں نیت شرط نہیں ہے

علامہ ابن رشد مالکی نے سبب اختلاف کو اس طرح ذکر کیا ہے کہ جو حضرات نیت کو وضوء میں شرط مانتے ہیں تو ان کے نزدیک وضوء عبادت مقصودہ ہے اور جو حضرات نیت کو وضوء کے اندر شرط نہیں مانتے ان کے نزدیک وضوء عبادت مقصودہ کیلئے ذریعہ اور وسیلہ ہے۔

بہرحال ظاہر حدیث کسی کے ساتھ موافقت نہیں رکھتی۔ جبکہ تو ظاہر حدیث کا مقصد یہ ہے کہ اعمال کا وجود نیت کے بغیر نہیں "ہوتا" اور یہ بات درست نہیں ہے کیونکہ بہت سے ایسے اعمال ہیں جن کا وجود نیت کے بغیر بھی ممکن ہے۔ مثلاً ایک آدمی چھت سے گر گیا تو (گرنا) عمل وجود میں آیا جبکہ نیت موجود نہیں۔ تو جب حدیث سے مقصود ظاہر الحدیث مراد نہیں تو ہر ایک طائفہ نے اپنے اجتہاد کی بناء پر تقدیر نکالا ہے۔

طائفہ اولیٰ کے نزدیک تقدیر عبارت "انما صحة الاعمال بالنیات" یا "انما الاعمال تصح بالنیات" ہے۔

جبکہ طائفہ ثانیہ کے نزدیک تقدیر عبارت "انما ثواب الاعمال بالنیات" یا "انما حکم الاعمال بالنیات" ہے اور مراد حکم سے حکم اخروی ہے۔

احناف حضرات کے نزدیک وضوء عبادت مقصودہ نہیں ہے بلکہ یہ عبادت مقصودہ کیلئے ذریعہ اور وسیلہ ہے اور اسی طرف حدیث شریف میں صراحتاً اشارہ کیا گیا ہے "مفتاح الصلوۃ الطہور" اور اسی طرح آیت کریمہ میں بھی اشارہ ہوا ہے ولکن یرید لیطہرکم (المائدہ)۔

محدث کشمیری کا قول: حضرت انور شاہ کشمیری نے فرمایا اگر حدیث سے ظاہر مطلب لیا جائے کہ اعمال کی صحت کا دارومدار نیت پر ہے تو یہ صرف ہمارے خلاف نہیں بلکہ تمام ائمہ کے خلاف ہے کیونکہ امور ایسے ہیں جن سے دین مرتب ہے یعنی

کیونکہ تاسیس میں فائدہ جدیدہ ہوتا ہے اور تاکید میں فائدہ جدیدہ نہیں ہے۔

﴿۳﴾ علامہ سندھیؒ کی رائے: علامہ سندھیؒ کی رائے یہ ہے کہ "انما الاعمال بالنیات" یہ جملہ تاکیدیہ نہیں بلکہ خبریہ عرفیہ عقلیہ ہے یعنی عرفاً اور عقلاً یہ بات صحیح ہے کہ انسان کا ہر عمل نیت پر ہے اور دوسرا جملہ "انما لامرئ ما نوی" جملہ شرعیہ ہے جملہ شرعیہ میں اس بات کا بیان ہے کہ عقل اور عرف نے جو حکم لگایا ہے وہ صحیح ہے تو اس جملہ شرعیہ میں جملہ عقلیہ کیلئے استشہاد کرنا ہوا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ دوسرا جملہ بطریقہ سند ذکر ہوا (یعنی اولیٰ کیلئے سند ہے) اور یہ طریقہ بہت سے احادیث میں وارد ہوا ہے مثلاً "لکل امۃ امین" یہ جملہ خبریہ عرفیہ عقلیہ ہے "وامین هذه الامة ابو عبيدة بن الجراح" یہ جملہ شرعیہ ہے اسی طرح "ان لكل شيء قلبا وقلب القرآن يس" اسی طرح "ان لكل شيء عروسا وعروس القرآن الرحمن" تو علامہ سندھیؒ کی رائے کا خلاصہ یہ ہوا کہ جملہ اولیٰ خبریہ عرفیہ عقلیہ ہے اور جملہ ثانیہ شرعیہ ہے جو جملہ اولیٰ کیلئے بطور سند ہے۔

﴿۴﴾ علامہ طیبیؒ کی رائے: علامہ طیبیؒ کی رائے یہ ہے کہ "انما الاعمال بالنیات" اس جملہ میں مسند الیہ کا حصر ہے مسند کیطرف یعنی عمل تو وہ عمل ہوگا جو نیت کیساتھ ہو اور "انما لامرئ ما نوی" میں مسند کا حصر ہے مسند الیہ کیطرف یعنی نیت تو وہ نیت معتبر ہوگی جو خلوص کیساتھ ہو۔

﴿۵﴾ علامہ کشمیریؒ کی رائے: حضرت کشمیریؒ کی رائے یہ ہے کہ جملہ اولیٰ بمنزلہ علت فاعلی ہے جس طرح فاعل موثر ہوتا ہے فعل میں تو اسی طرح نیت موثر ہے عمل میں اور جملہ ثانیہ بمنزلہ علت غائی ہے کہ اگر نیت حسن ہو تو ثمرہ بھی حسن ہوگا اور اگر نیت حسن نہ ہو بلکہ نیت سیئہ ہو تو ثمرہ بھی اسی طرح ہوگا تو اول جملہ میں ابہام اور اجمال ہے تو "فمن كانت هجرته" کیساتھ ابہام اور اجمال دفع ہوا۔

قولہ فمن كانت هجرته: ہجرت لغت میں ہجر سے ماخوذ ہے وصل کی ضد ہے بمعنی ترک یہاں پر ہجرت سے مراد معنی عرفی ہے ترک وطن۔

ہجرت دو قسم پر ہیں۔ (۱) ہجرت حقیقی (۲) ہجرت ظاہری

(۱) ہجرت حقیقی یا باطنی: ہجرت حقیقی کا معنی ہے معاصی کو ترک کرنا اور منہیات سے اجتناب کرنا اور اسکو ہجرت باطنی بھی کہتے ہیں اور اسی ہجرت کی طرف ایک حدیث شریف میں صراحت کے ساتھ اشارہ ہوا ہے۔ "المهاجر من هجر ما نهى الله عنه" رواه البخاری "مشکوٰۃ صفحہ ۱۲" مہاجر وہی مہاجر ہے جو اپنے آپ کو معاصی کے ارتکاب اور منہیات سے بچائے۔

(۲) ہجرت ظاہری: وہ ہجرت ہے کہ دار الکفر سے دار الاسلام یا دار الامان کی طرف ہجرت کی جائے جہاں اللہ تعالیٰ کے قوانین آسانی سہولت اور پابندی کیساتھ ادا ہو جاتے ہیں اور یہ ہجرت ظاہری ہجرت حقیقی ہی کیلئے کی جاتی ہے اگر دار الاسلام یا دار الامن

میں بھی تو یہی ترک معاصی اور اجتناب عن المعاصی مراد ہے تو یہی ہجرت ہی کیا ؟

حکم ہجرت: ہجرت حقیقی ہر ایک پر فرض اور لازم ہے البتہ ہجرت ظاہری کی فرضیت منسوخ ہے مگر استحباب باقی ہے اب بھی اگر کسی ملک یا علاقہ میں اسلامی احکامات پر آسانی اور سہولت کیساتھ احکام ادا کرنے پر پابندی عائد کی جائے تو پھر بھی آدمی وہاں سے ہجرت کرسکتا ہے اور ایسی جگہ ہجرت کی جائے جہاں احکام خداوندی کو آسانی اور سہولت کیساتھ ادا کیا جاسکے کہ دار الکفر سے دار الاسلام یا دار الامان کی طرف ہجرت کی جائے اور اسی کی طرف ایک حدیث شریف میں صراحتاً اشارہ کیا گیا ہے "لا تنقطع الهجرة حتى تنقطع التوبة" (رواہ ابوداؤد) کہ ہجرت تا قیامت جاری رہے گی منقطع نہ ہوگی اور ایک حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ "لا هجرة بعد الفتح" یہ عموم ہجرت کی نفی نہیں بلکہ حدیث میں ہجرت کی نفی خصوصیت مقام کی ہے کیونکہ مکہ اس وقت دار الکفر تھا اور مدینہ منورہ دار الاسلام لیکن جب مکہ فتح ہوا اور مکہ مکرمہ دار الاسلام بن گیا تو حضور ﷺ نے فرمایا "لا هجرة بعد الفتح" یعنی فتح کے بعد کوئی ہجرت نہیں ہے دوسری روایت میں ہے ایک ہجرت شام کو ہوگی "عن عبد الله بن عمرو بن العاص قال سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول انها ستكون هجرة بعد هجرة فخيار اهل الارض الزمهم مهاجر ابراهيم عليه السلام" (مقام ہجرت ابراہیم علیہ السلام شام تھے)

فهجرته الى الله ورسوله: لفظ اللہ ذکر کرنے سے اخلاص کی تعلیم مقصود ہے کہ ہجرت خالص لوجہ اللہ ہوگی اور یہاں طرف اشارہ ہے کہ ہجرت الی رسولہ گویا بعینہ ہجرت الی اللہ ہے یعنی جس طرح آیت کریمہ میں ہے "ومن يطع الرسول فقد اطاع الله" یعنی اطاعت رسول بعینہ اطاعت اللہ کی ہے اسی طرح ہجرت الی رسولہ ہجرت الی اللہ ہے ۔

اور یا فهجرته الى الله ورسوله (جزاء) کی خبر محذوف ہے تقدیر عبارت ہے "فهجرته الى الله ورسوله مقبولة صحيحة"

ومن كانت هجرته الى دنيا يصيبها: دنیا یا تو دنو سے ماخوذ ہے بمعنی قریب وہ دنیا بھی قریب الزوال ہے جیسا کہ کسی شاعر نے اپنے کلام میں ذکر کیا ہے

يا ساعيا لا تغترر بمتعم   فان العمر ينفد والنعيم يزول

اور دوسرے شاعر نے کہا ہے

نزلنا ههنا ثم ارتحلنا   كذا الدنيا نزول وارتحال

یا ماخوذ ہے دناءت سے یعنی خست اور رذالت اور دنیا بھی خسیس و رذیل ہے جیسا کہ ایک حدیث قدسی میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے "لو كانت الدنيا تعدل عند الله جناح بعوضة ما سقى كافرا منها شربة" کسی نے کیا خوب کہا ہے

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے   ہوتا ہے شب و روز تماشا مرے آگے

اور اس مقام میں اس امر پر تنبیہ اور تحذیر دیا گیا ہے کہ بہت عقلمند (ہوشیار) شخص عورتوں کے فریب میں جلد ہوتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں حضور ﷺ نے فرمایا: عن اسامة بن زيد رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ ما تركت بعدي فتنة اضر على الرجال من النساء (رواه متفق عليه) اور ایک روایت میں ہے النساء حبائل الشيطان۔

قوله فهجرته الى دنيا: ایک اشکال اور اس کا جواب۔ **اشکال**: پہلے جملہ شرطیہ کے جواب میں صراحتاً الی اللہ ورسولہ ذکر ہوا ہے جبکہ جملہ ثانیہ کے جواب میں اجمال اور ابہام ہے صراحتاً ذکر نہیں ہوا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: پہلے جملہ کے جواب میں الی اللہ ورسولہ صراحتاً ذکر ہونا استلذاذ ہے کہ جب کسی آدمی کی کسی چیز کے ساتھ محبت ہوتی ہے تو فطری طور پر اس کا ذکر بار بار کرتا ہے، اور جملہ ثانیہ میں اسی وجہ سے صراحتاً ذکر نہیں ہوا ہے کہ دنیا اور مرأۃ مستقبح ہے کیونکہ یہ دونوں سبب ہیں غفلت عن اللہ کے اسی وجہ سے صراحتاً ذکر نہ کیا بلکہ ضمناً اور اجمالاً فهجرته الى ما هاجر اليه کو ذکر فرمایا۔

﴿۱۰﴾ حکم الحدیث فی اول الکتاب: اس حدیث کو کتاب کے اول میں ذکر کرنا کتاب کے آداب میں سے ہے کیونکہ ایک حدیث میں وارد ہوا ہے ما رآه المؤمنون حسناً فهو عند الله حسن۔

مناسب کا نتیجہ ہیں۔ احکام شرعیہ میں عبادات تین قسم پر ہیں (۱) عبادات محضہ بدنی جیسے صوم، صلوٰۃ (۲) عبادات محضہ مالی جیسے زکوٰۃ (۳) عبادات مرکب جیسے حج۔ عبادات محضہ بدنی میں صلوٰۃ کو سب سے مقدم ذکر کیا ہے افضلیت اور کثرت وقوع کی وجہ سے اور جب کہ صلوٰۃ کیلئے طہارت شرط تھی تو کتاب الطہارات کو مقدم فرمایا ہے اور کتاب الزکوٰۃ کو کتاب الصوم سے اس لئے مقدم کیا ہے کہ زکوٰۃ اکثر مواقع کے اندر صلوٰۃ کے ساتھ ذکر ہوا ہے (اقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ) اور صوم کو حج پر مقدم کیا ہے کیونکہ صوم بخلاف حج کے کثیر الوقوع ہے اور کتاب الحج کو سب سے آخر میں ذکر کیا ہے کیونکہ یہ فریضہ عمری ہے اور مرکب ہے عبادت بدنی اور مالی سے تو حج بمنزلہ مرکب ہوا۔

(۳) **بحث چہارم ایمان** کی لغوی اور اصطلاحی تعریف: ایمان لغت میں امن سے ماخوذ ہے اور امن خوف کی ضد ہے اور خوف کا معنی ہے قلق یعنی بے چینی اور اضطراب، تو امن خوف کے زوال اور طمانیت کو کہتے ہے۔ بقول بعض حضرات امن لازمی ہے ثلاثی مجرد سے جبکہ جار اللہ زمخشری نے کشاف میں ذکر کیا ہے کہ امن ایک مفعول کی طرف متعدی ہے جیسے امنتہ اور جب اس پر باب افعال کا ہمزہ داخل ہو جائے تو دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے امنتہ غیری سید جرجانی نے حاشیہ کشاف میں اس پر تصریح کی ہے۔

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کی رائے یہ ہے کہ ایمان لغت میں کبھی بمعنی تصدیق اور وثوق بھی مستعمل ہے تو جب کبھی متعدی ہوتا ہے دو مفعول کی طرف تو تصدیق کے معنی میں ہوتا ہے اور کبھی لازمی ہوتا ہے صیرورت کے معنی میں یعنی وثوق جیسے امن به ای وثق به۔

قال و همزة الافعال اذا دخلت على فعل المتعدى فاما يعديه الى مفعول ثان او يجعله لازما على معنى الصيرورة"

ایمان چار طریقوں پر مستعمل ہے: (۱) کبھی ایک مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے جیسے امنتہ اور کبھی دو مفعول کی طرف متعدی ہوتا ہے بلا واسطہ حرف جر جیسے امنتہ غیری اور کبھی حرف جر (من) کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جیسے وامنھم من خوف۔

(۲) کبھی بواسطہ حرف با متعدی ہوتا ہے تو اس صورت میں حرف با کا مدخول ذات ہوگا جیسے کل امن باللہ وملائکتہ وکتبہ ..الخ، امنت باللہ وملائکتہ یا صفت ہوگا جیسے والذین یؤمنون بما انزل الیک وما انزل من قبلک اور جب با کے ساتھ متعدی ہوتا ہے تو اس کا معنی تصدیق آتا ہے۔

(۳) اسکے صلہ میں لام آتا ہے اس صورت میں ایمان اذعان اور انقیاد کے معنی کو متضمن ہے جیسے قالوا انؤمن لک واتبعک الارذلون، وما انت بمؤمن لنا ولو کنا صادقین۔

(۳) کبھی اپنے صلہ میں بھی مستعمل ہوتا ہے بہت تتبع اور تلاش کے بعد محدث کشمیریؒ نے ایک حدیث بخاری سے روایت کیا ہے
جس میں ایمان کے صلہ میں بھی مستعمل ہوا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے ما من نبی من الانبیاء الا اعطی من الآیات ما مثله آمن علیه
البشر (رواہ البخاری) یہاں پر ایمان اعتماد کے معنی کو متضمن ہے کیونکہ اعتماد کے صلہ میں بھی مستعمل ہوتا ہے

خلاصہ یہ ہوا کہ ایمان کبھی متعدی بنفسہ ہوتا ہے بلا واسطہ حرف جر ایک مفعول کی طرف یا دو مفعول کی طرف اور اس صورت میں اس کا
معنی ہے ازالۃ الخوف۔ اور کبھی متعدی ہوتا ہے بواسطہ حرف باء کے تو تصدیق اور وثوق۔ اور کبھی متعدی ہوتا ہے لام کے ساتھ تو بمعنی
الاذعان اور تسلیم ہوتا ہے اور کبھی متعدی ہوتا ہے بواسطہ علی بمعنی اعتماد۔

اب جب یہ معلوم ہوا کہ ایمان معانی کثیرہ کے ساتھ مستعمل ہے جیسے ازالۃ الخوف، تصدیق وغیرہ تو اب ایمان کے معنی حقیقی اور
مجازی کیا ہیں؟ اس مسئلہ میں علامہ زمخشری کے دو اقوال ہیں (۱) ایمان ان معانی کثیرہ کے درمیان میں مشترک ہے (۲) ایمان کا
حقیقی معنی ازالۃ الخوف ہے اور مومن بھی عذاب الٰہی سے بے خوف ہوتا ہے اور مامون ہوتا ہے تکذیب شمار ہا ہے۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے کہ ایمان کا معنی صرف تصدیق نہیں بلکہ ایمان کی تعریف ہے الایمان تصدیق السامع للمخاطب
واقرار بما سمعه واعتماد علی دیانته (بحوالہ اشرف التوضیح)

ایمان اصطلاحی: الایمان هو تصدیق النبی ﷺ بجمیع ما علم مجیئه ضرورۃ۔ مطلب یہ ہے کہ ایمان نام ہے ان تمام
ضروریات دین کا جن کا ثبوت حضور پاک ﷺ سے قطعی اور یقینی طور پر موجود ہو ان کو ماننا اور جاننا۔

ایمان اگرچہ باعتبار معنی لغوی تصدیق کا نام ہے لیکن اصطلاح شریعت میں ضروریات دین کے چند باتوں کے ماننے کا نام ہے تو
تصدیق شرعی اور تصدیق منطقی کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے۔ تصدیق منطقی عام ہے اور تصدیق شرعی خاص ہے
ضروریات دین: صلوٰۃ، روزہ، حرمت خمر، جنت، جہنم اور مسئلہ ختم نبوت وغیرہ۔

جیسا کہ ایمان باعتبار لغت تصدیق کا نام ہے تو کفر جو ایمان کے مقابل ہے لغت میں ستر کو کہتے ہیں یعنی چھپانا، کفر النعمۃ جحودها اور
ایمان کے معنی اصطلاحی تصدیق النبی ﷺ بجمیع ما جاء به ضرورۃ ہے تو اسی طرح کفر کے معنی اصطلاحی ہیں تکذیب
النبی ﷺ فی شیء من ضروریات الدین ہے۔

علمائے کرام نے کفر کے حالات اور کیفیات کے اعتبار سے چند اقسام بیان کئے ہیں (۱) کفر انکاری (۲) کفر جحودی (۳) کفر عنادی
(۴) کفر نفاقی (۵) کفر زندقہ اور اس کو الحاد بھی کہتے ہیں۔

(۱) کفر انکاری: کفر انکاری وہ کفر ہے کہ تصدیق رسالت نہ ہو قلباً اور نہ زبان کی ساتھ اقرار ہو یعنی نہ دل سے نہ زبان سے اقرار
کرتا جیسے عام کافروں کا کفر۔

بقبلہ اور قبلہ کو ماننا مانع تکفیر سے رکاوٹ نہیں بن سکتے لہٰذا اہل قبلہ میں داخل ہی نہیں۔ مذکورہ شبہ حضرت علامہ کشمیریؒ کے رسالہ اکفار الملحدین فی ضروریات الدین میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے اور اس کے ساتھ جوابات بھی ذکر کئے گئے ہیں۔

حوالہ جات میں سے کچھ یہ ہیں (۱) کلیات ابی البقاء (۲) عقائد عضدیہ (۳) شرح تحریر الاصول (۴) حاشیہ التحقیق شرح حسامی (۵) الیواقیت (۶) النبراس (۷) مکتوبات امام ربانی (۸) شرح فقہ اکبر۔

شبہ ﴿۲﴾: حضرات سلف سے یہ تصریح منقول ہے کہ متأول کی تکفیر نہ کیا جائے یعنی کوئی شخص دین کے اندر تاویل کرے کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے بلکہ میرے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے تو ایسے قسم تاویل پر تکفیر نہ کی جائے۔

اعتراض: فرقہ مرزائیہ بھی ختم نبوت کی تاویل کرتے ہیں کہ ختم نبوت کا یہ مطلب نہیں بلکہ ہمارے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے لہٰذا فرقہ مرزائیہ کی تکفیر نہ کی جائے؟

جواب: تاویل دو قسم پر ہیں (۱) تاویل صحیح (۲) تاویل باطل

(۱) تاویل صحیح اس کو کہتے ہیں کہ دین کے کسی نص کی ایسی تاویل کی جائے جو امت کے اجماعی عقائد اور نظریات کے مخالف نہ ہو اور اس تاویل کے ساتھ اجماعی عقائد اور نظریات پر چوٹ نہ لگتی ہو۔

(۲) تاویل باطل: کسی نص کی ایسی تاویل کرنا کہ جو امت کے اجماعی عقائد و نظریات کے خلاف ہو اور امت کے اجماعی عقائد اور نظریات پر اس سے چوٹ لگتی ہو۔ لہٰذا سلف نے جس متأول کی تکفیر سے منع کیا ہے وہ قسم اول ہے قسم ثانی نہیں۔

علامہ کشمیریؒ نے فرمایا ہے کہ علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی نے حاشیہ خیالی پر لکھا ہے التاویل فی ضروریات الدین لا تدفع الکفر۔

مذکورہ بالا تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ صرف زبان پر کلمہ پڑھنا اور رخ بقبلہ نماز پڑھنا اس حال میں کہ اس کے ساتھ ساتھ کسی امر ضروری کی ضروریات الدین کا انکار کرتا ہو تو یہ کفر سے نہیں بچا سکتا اور اسکی واضح شہادت مسیلمہ کذاب اور اس کی جماعت ہے کہ وہ اپنی اذانوں میں "اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمد رسول الله" کہتے اور رخ بقبلہ نماز بھی پڑھتے لیکن باوجود اس کے پھر بھی انکے ساتھ جہاد ہوا ہے ایک روایت کے مطابق ۲۸ ہزار افراد قتل ہوئے تھے اور ۱۲ ہزار صحابہ کرام شہید ہوئے تھے اس وقت کسی نے بھی یہ سوال نہیں کیا کہ یہ تو کلمہ گو ہیں قبلہ کے طرف نماز پڑھتے ہیں یہ کیوں مارے گئے۔ اور اسی طرح مانعین زکوٰۃ کے ساتھ بھی جہاد ہوا تھا حالانکہ وہ بھی کلمہ پڑھتے تھے۔ اور نماز میں قبلہ کیطرف منہ کرتے تھے۔ لیکن ایک امر ضروری سے انکار کیا تھا تو اسی وجہ سے مرتد ٹھہرائے گئے تھے اسی طرح ہر تاویل کسی کو کفر سے نہیں بچا سکتی ورنہ دنیا میں کوئی کافر نہیں رہ سکتا کیونکہ جب مکے کے مشرکین بتوں کی عبادت کرتے تھے تو یہ کہا کرتے تھے "ما نعبدهم الا ليقربونا الى الله زلفى"

اعتدال اور احتیاط کسی کی تکفیر میں: کسی کو کافر کہنا ایک اہم اور نازک مسئلہ ہے اس میں افراط اور تفریط سے کام نہیں لینا چاہیے بلکہ

اعتدال اور احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ اگر کسی شخص سے متعلق قطعی اور یقینی طور پر اور بے شبہ و شبہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ وہ دین کے ایک ضروری امر سے منکر ہے تو اس کی تکفیر سے احتراز کرنا ظلم ہے اور اگر ایک شخص سے متعلق قطعی اور یقینی طور پر اور بے شبہ و شبہ یہ بات معلوم نہ ہو کہ وہ ایک امر ضروری کا منکر ہے تو اس کی تکفیر کرنا ظلم ہے۔ اس لئے یہ مسئلہ بہت اہم ہے اور اس میں سب اعتدال اور احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

معروضہ ایمان پر ایک شبہ ۔ایمان کی تعریف تصدیق قلبی سے کی گئی ہے تو ایسے لوگ بھی تھے کہ ان کو تصدیق قلبی حاصل تھی لیکن اس کے باوجود ان کو مسلمان نہیں سمجھا جاتا جیسے ابو طالب نے ایک قصیدے میں نبی ﷺ اور دین اسلام کی صداقت بیان کی ہے

والله لن يصلوا اليك بجمعهم حتى اوسد في التراب دفينا
ودعوتني وزعمت انك ناصحي وصدقت فيه وكنت ثم امينا
لقد علمت بان دين محمد من خير اديان البرية دينا
لولا الملامة او حذار مسبة لوجدتني سمحا بذاك مبينا

فضلت النار على العار

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ یہود کے متعلق فرماتا ہے الذين آتيناهم الكتاب يعرفونه كما يعرفون ابناءهم

اور اسی طرح ہرقل کے متعلق آتا ہے کہ ہرقل شاہ روم نے خود کہا تھا ولو كنت عنده لغسلت عن قدميه (مشکوۃ صفحہ ۵۲۱) اور بعض تاریخی روایات میں آیا ہے ويصدقه ويقول اني لا علم انه نبي مرسل ولكني اخاف خروجا على نفسي ولولا ذلك لاتبعته اور اس کے باوجود یہ کافر ہیں۔

جواب (۱) تصدیق قلبی کیساتھ ساتھ غیر اسلامی ادیان اور غیر اسلامی شعائر سے تبری بھی ضروری ہے اور ان میں یہ شرط موجود نہیں تھی مثلاً عبادۃ الاصنام اور عیب القرآن و عیب الرسول اور زنار باندھنا۔

جواب (۲) ان کو آپ ﷺ کی صداقت کا علم تھا لیکن ان میں ماننے کی صفت نہیں تھی اور ایمان ماننے کا نام ہے جاننے کا نہیں۔

جواب (۳) صدر الشریعہ علامہ تفتازانی فرماتے ہیں کہ تصدیق قلبی سے مراد تصدیق اختیاری ہے تو ایمان تصدیق اختیاری کا نام ہے اور تصدیق اضطراری کا نام نہیں اور ان کو تصدیق اضطراری حاصل تھی معجزات کے زور پر تو خلاصہ یہ ہوا کہ ایمان تصدیق اختیاری کا نام ہے تصدیق اضطراری کا نہیں۔

(۴) ایمان کی حقیقت میں مذاہب کا اختلاف: بطور تمہید ایمان کے مراحل ذکر کئے گئے یہ ایک اہم بحث ہے کیا اعمال کا ایمان کیساتھ کیا تعلق ہے اس مسئلہ میں فرق اسلامیہ کا اختلاف ہے مذاہب کے بیان سے پہلے فرق اسلامیہ کا مختصر تعارف دیا جاتا ہے۔

لسان سے بھی ان دونوں فرقوں کا آپس میں تھوڑا سا اختلاف ہے بعض یہ کہتے ہیں کہ تصدیق قلبی شرط ہے ایمان کیلئے دوسرا یہ کہتے ہیں کہ فقط اقرار لسانی ایمان ہے تصدیق قلبی اور التزام شریعت ضروری نہیں تو خلاصہ یہ ہوا کہ چار دیگر فرقے نہایت تفریط پر ہیں۔

﴿۵﴾ **معتزلہ**: ان کا فرقہ مشہور اس کا بانی واصل ابن عطاء ہے۔

﴿۶﴾ **خوارج**: خوارج وہ لوگ ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے درمیان مصالحت کیلئے حکم مقرر ہونے پر انہوں نے یہ نعرہ لگایا ان الحکم الا للہ۔

ان دونوں فرقوں (معتزلہ اور خوارج) کا مذہب یہ ہے کہ ایمان مجموعہ ہے امور ثلاثہ کا (۱) تصدیق قلبی (۲) اقرار لسانی (۳) عمل بالجوارح۔ یہ فرقے عمل بالجوارح ایمان کا جزء اور شطر مانتے ہیں لہذا گناہ کبیرہ کے مرتکب کو خارج عن الاسلام مانتے ہیں لیکن پھر خوارج کہتے ہیں کہ یہ داخل فی الکفر اور مخلد فی النار ہوگا۔ اور معتزلہ کہتے ہیں کہ داخل فی الکفر نہ ہوگا بلکہ معتزلہ بین المنزلتین کے قائل ہیں کیونکہ یہ کہتے ہیں کہ کفر عقیدہ کے تبدیلی کو کہتے ہیں اور یہاں پر عقیدہ کی تبدیلی نہیں ہوا لہٰذا یہ داخل فی الکفر نہ ہوا اور خارج عن الاسلام ہے۔

ان دونوں فرقوں کا مذہب افراط پر مبنی ہے۔

مذہب اہل حق: اہل حق کے دو مذاہب ہیں (۱) امام ابو حنیفہؒ، جمہور فقہاء، متکلمین، امام غزالیؒ اور امام الحرمینؒ فرماتے ہیں کہ ایمان نام ہے تصدیق قلبی کا عمل بالجوارح ایمان کے حقیقت میں داخل نہیں بلکہ اس سے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے لیکن اعمال صالحہ کے ترک سے ایمان کا کمال فوت ہوتا ہے اور اس سے فسق لازم آتا ہے اور احکام دنیوی کے اجراء کیلئے اقرار باللسان شرط ہے تصدیق قلبی کیلئے مثلاً "دفن فی مقابر المسلمین وحفظ الدم وحفظ الاموال" وغیرہ۔

یہی خلاصہ یہ ہوا کہ ایمان نام ہے تصدیق قلبی کا اقرار باللسان اس کیلئے شرط ہے اور عمل بالجوارح ایمان کا جزء نہیں بلکہ اس سے تکمیل ایمان آتا ہے بخلاف معتزلہ اور خوارج کے کہ ان کے نزدیک مرتکب کبیرہ خارج عن الاسلام ہے۔

لہٰذا فخر الاسلامؒ فرماتے ہیں کہ ایمان تصدیق قلبی کا نام ہے اور اقرار باللسان رکن زائد اور رکن خارجی ہے اکراہ اور عذر کے وقت ساقط ہوتا ہے۔

مذہب ثانیہ: ائمہ ثلاثہ اور اکثر محدثین فرماتے ہیں کہ ایمان تصدیق قلبی، اقرار لسانی اور عمل بالجوارح کا نام ہے یہ حضرات بھی اعمال صالحہ کو ایمان سے شمار نہیں کرتے لیکن فرماتے ہیں کہ اعمال صالحہ کے ساتھ ایمان کی تکمیل آتی ہے اور معتزلہ کی طرح ارتکاب معصیت پر خارج عن الاسلام اور خوارج کی طرح داخل فی الکفر نہیں کہتے ہیں اور اقرار لسانی میں وہ تفصیل کرتے ہیں جو تفصیل طائفہ اولیٰ نے بیان کی ہے ان حضرات کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مرتکب کبیرہ خارج عن الاسلام نہیں ہے اور اس بات پر بھی متفق

ہیں کہ اعمال صالحہ ایمان کیلئے نہایت ضروری ہیں اسلئے کہ اس کی وجہ سے ایمان کی تحسین اور تکمیل آتی ہے اور فرق باطلہ کی طرح اعمال صالحہ کو غیر ضروری نہیں قرار دیتے ہیں۔

حاصل یہ ہے کہ اہل حق کا مذہب اعتدال پر مبنی ہے اور ان کے درمیان جو اختلاف ہے وہ اختلاف حقیقی نہیں ہے بلکہ اختلاف اعتباری اور لفظی ہے۔

اشکال: جب اہل حق کے درمیان اختلاف حقیقی نہ تھا تو اختلاف اعتباری اور لفظی میں کیا حکمت تھی کہ ہر جماعت نے ایمان کی تعریف مختلف تعبیرات کیساتھ کی ہے؟

جواب۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اہل حق کے درمیان اختلاف لفظی اختلاف ہے اور ہر طائفے نے ایمان کی تعریف مقتضاء حال کی مطابق کی ہے حضرت امام اعظمؒ اور متکلمین اور جمہور فقہاء کے زمانہ میں معتزلہ اور خوارج کی کثرت تھی اور یہ لوگ اعمال صالحہ کو ایمان کی حقیقت سے شمار کرتے اور مرتکب کبیرہ کو خارج عن الاسلام کہتے تو امام صاحبؒ اور متکلمین حضرات نے ایمان کی تعبیر اس عنوان سے کی کہ اعمال صالحہ ایمان کا جز نہیں ہے۔

اور ائمہ ثلاثہ اور اکثر محدثین کے زمانہ میں جہمیہ مرجیہ کرامیہ اور غالیہ وغیرہ فرقے تھے اور ان فرقوں نے اعمال صالحہ کو بالکل ساقط کیا تھا تو ائمہ ثلاثہ نے۔۔

جمہور اہل حق کے دلائل معتزلہ اور خوارج کے خلاف: دلیل (۱) ایمان تصدیق قلبی کو کہتے ہیں اسلئے کہ قرآن کریم میں ایمان کا تعلق قلب کیساتھ ذکر ہوتا ہے۔ اور تصدیق نہیں ہوتا مگر قلب میں (1) کقولہ تعالیٰ وقلبہ مطمئن بالایمان (نحل پارہ ۱۴) (۲) فمن شرح اللہ صدرہ للاسلام (پارہ ۲۳ زمر) (۳) ولما یدخل الایمان فی قلوبکم (حجرات ۲۶) (۴) اولئک کتب فی قلوبھم الایمان (مجادلہ پارہ ۲۸)۔

دلیل ۲: قرآن کریم میں اکثر اعمال صالحہ کا عطف ایمان پر ہوتا ہے جیسا "والذین آمنوا وعملوا الصلحت" اور عطف مغایرت کا تقاضا کرتا ہے اگر کوئی کہے کہ یہ عطف تخصیص بعد التعمیم کیلئے ہے لیکن تخصیص بعد التعمیم کا عطف اس صورت میں ہوتا ہے کہ معطوف معتنم بالشان ہو معطوف علیہ سے اور یہاں معطوف ادنیٰ ہے معطوف علیہ سے تو عطف تخصیص بعد التعمیم کیلئے نہیں ہے۔

دلیل ۳۔ اگر مرتکب گناہ کبیرہ خارج عن الاسلام ہوتا تو قرآن کریم میں ایسے شخص پر ایمان کا اطلاق نہیں ہوتا اور حال یہ ہے کہ ایمان کیساتھ وصف معصیت مقترن ٹھہرایا گیا ہے "قولہ تعالیٰ وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا الخ (حجرات ۲۶) تو معلوم ہوا کہ مرتکب گناہ کبیرہ خارج عن الاسلام نہیں ہے۔

دلیل ۴: ومن یعمل من الصلحت وھو مؤمن (الانبیاء) یہاں عمل کیلئے ایمان کو شرط ٹھہرایا گیا ہے اور شرط اور مشروط کے

درمیان مغایرت ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ اعمال صالحہ ایمان کے جز اور حقیقت سے نہیں۔

دلیل ۵: کتاب الایمان کی پہلی حدیث جو حدیث جبریل سے مشہور ہے اس میں ایمان کی تعریف میں اعمال صالحہ داخل نہیں ہیں کیونکہ حضرت جبریل نے جب آپ ﷺ سے ایمان کے بارے میں پوچھا تو آپ ﷺ نے جواب میں وہ چیزیں ذکر کردی جن کا تعلق دل سے ہے اور اعمال صالحہ یعنی اعمال جوارح کا کوئی ذکر موجود نہیں ہے۔

دلیل ۶: مشکوۃ شریف کتاب الایمان میں ایک حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے "عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال اتیت النبی ﷺ وعلیہ ثوب ابیض وھو نائم ثم اتیتہ وقد استیقظ فقال ما من عبد قال لا الہ الا اللہ ثم مات علی ذلک الا دخل الجنۃ قلت وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق قلت وان زنی وان سرق قال وان زنی وان سرق علی رغم انف ابی ذر وکان ابو ذر اذا حدث بھذا قال وان رغم انف ابی ذر" پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ کبیرہ اور معصیت کے ارتکاب سے ایمان سلب نہیں ہوتا البتہ ایمان کی تکمیل اور تزئین میں کمی آجاتی ہے۔

محدثین، معتزلہ، خوارج اور کرامیہ کے مسلک کے دلائل:

دلیل ۱: عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الایمان بضع وسبعون شعبۃ فافضلھا قول لا الہ الا اللہ وادناھا اماطۃ الاذی عن الطریق والحیاء شعبۃ من الایمان (مشکوۃ ج ۱ ص ۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کیلئے اعمال صالحہ اجمالی ضروری ہیں۔ لہذا اس کو غیر ضروری نہیں قرار دیا جائے جیسا کہ مرجیہ کا کہنا ہے اور اماطۃ الاذی میں اعمال صالحہ کی طرف اشارہ ہے۔

دلیل ۲: قرآن مجید میں صحابہ کرام یعنی کعب بن مالک، ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع جو غزوہ سے پیچھے رہ گئے تھے اور ان کی توبہ پچاس دن تک موخر کردی گئی تھی ان کے بارے میں ارشاد ہے "وعلی الثلثۃ الذین خلفوا" اگر اعمال صالحہ ضروری نہ ہوتے تو پھر اعمال صالحہ کے ترک کرنے پر وعید نہ ہوتی۔

اس کے علاوہ دوسرے مواقع میں اعمال صالحہ کے ترک کرنے پر وعیدیں آئی ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ ایمان کیلئے ضروری ہیں۔

دلیل ۳: ایمان صرف معرفت قلبی کا نام نہیں ہے جیسا کہ جہمیہ کا مذہب ہے ورنہ معرفت تو ابوطالب کو بھی حاصل تھی اس کے باوجود اس کا کفر اتفاقی ہے۔

دلیل ۴: ایمان صرف اقرار باللسان کا نام نہیں ہے جیسا کہ کرامیہ اور غلاۃ مرجیہ کا مذہب ہے اس لئے کہ یہ اقرار تو ابوطالب کو بھی حاصل تھا جیسا کہ اس کے قصیدہ میں اس کی صراحت موجود ہے اور یہ اقرار تو منافقین کو بھی حاصل تھا اللہ تعالی نے ان کا اقرار اس انداز

(۱) وجوب (۲) عدم جواز (۳) تخییر۔

اکثر متکلمین کا مذہب یہ ہے کہ "انا مومن ان شاء اللہ تعالیٰ" کہنا تعلیق کے بغیر جائز نہیں بلکہ "ان شاء اللہ" کہنا واجب ہے یہ مذہب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت علقمہؒ، امام مالکؒ، امام احمد بن حنبلؒ کا ہے اور حضرات شوافع اس کے استحباب کے قائل ہیں۔ یہ حضرات اپنے استدلال میں یہ آیت پیش کرتے ہیں "ولا تقولن لشیء انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء اللہ" (کہف آیت ۱۵) حضرات شوافع نے اس آیت کو استحباب پر حمل کیا ہے۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ علامہ ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے ایمان نام ہے تمام مامورات کے کرنے اور تمام منہیات کے ترک کرنے کا، لہٰذا جب کسی نے "انا مومن" کہا کہ تو گویا کہ اس نے اپنے نفس کے تزکیہ اور تقدس کا دعویٰ کیا تو دعویٰ سے بچنے کیلئے ان شاء اللہ کہنا چاہئے۔

(۲) عدم جواز احناف اور علماء محققین کا مذہب یہ ہے کہ "انا مومن" کہنا جائز ہے اور تعلیق ناجائز ہے کیونکہ تعلیق شک کیلئے آتی ہے اور شک تصدیق اور یقین کے منافی ہے لہٰذا اس کے ساتھ ان شاء اللہ کہنا جائز نہیں۔

(۳) عبدالرحمن اوزاعیؒ نے فرمایا ہے کہ مختلف حیثیات کے اعتبار سے دونوں کہنا جائز ہے، حال کے اعتبار سے اطلاق یعنی "انا مومن" کہنا جائز ہے اور انجام اور خاتمہ کے اعتبار سے "انا مومن ان شاء اللہ" کہنا بھی جائز ہے۔

الفصل الاول: عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال بینما نحن مع رسول اللہ ﷺ ذات یوم:

تشریح الحدیث حدیث کی تشریح کرنے سے پہلے دو باتیں جان لینا ضروری ہیں۔

پہلی بات اس حدیث کی اہمیت اور فضیلت کے بارے میں اور دوسری اس حدیث کے شان ورود کے بارے میں۔

ملا علی قاریؒ نے فرمایا ہے کہ یہ ایک عظیم الشان حدیث ہے اس کو حدیث جبرئیل اور جوامع الکلم کہتے ہیں کیونکہ یہ حدیث شریف اجمالی طور پر تمام امور دین پر مشتمل ہے کیونکہ مضامین شرعیہ، شریعت، طریقت اور حقیقت ہیں اور ان کا مدار تین چیزوں پر ہے جو کہ فقہ، عقائد اور تصوف ہیں اس حدیث شریف میں اسلام سے اشارہ ہے فقہ کی طرف اور ایمان سے اشارہ عقائد کی طرف جبکہ احسان سے اشارہ ہے تصوف کی طرف اس حدیث کی حیثیت دوسرے احادیث کی نسبت ایسی ہے جیسا کہ سورہ فاتحہ کی حیثیت دوسری سورتوں کے اعتبار سے۔ جیسا کہ سورہ فاتحہ متن اور باقی سورتیں اس کی تفسیر ہیں اسی طرح "انما الاعمال بالنیات" بمنزلہ متن ہے اور حدیث جبرئیل بمنزلہ فاتحہ اور باقی احادیث اس کی تفسیر ہیں۔ چونکہ اس موافقت قرآنی کی وجہ سے تمام احادیث پر اس کو مقدم کر دیا۔

حدیث جبرئیل کی شان ورود صحابہ کرامؓ آپ ﷺ سے اپنی اصلاح اور ضروریات کے بارے میں سوال کیا کرتے تھے تاہم

دیہاتیوں کی طرح یا محمد ﷺ کہتے اور کبھی سلام کرتے اور کبھی لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے جاتے کبھی سوال کرتے اور کبھی متقی اور عالم کی طرح جس کی توثیق اور تصدیق کرتے تاکہ لوگ اسے دیہاتی سمجھ لیں۔

(۲) فرشتے نے یہ طریقہ اس لئے اختیار کیا ہے تاکہ تعجب کا سبب بن جائے اور تعجب کی وجہ سے لوگوں کی توجہ ادھر ہو جائے تاکہ صحابہ کرام اس علم سے مستفید ہو جائیں۔

فقال یا محمد: سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ کا نام سے بلانا خلاف ادب ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضاً"

جواب: یہ حکم انس اور جن کو شامل ہے فرشتوں کو شامل نہیں ہے کیونکہ فرشتے مکلف نہیں ہیں ان کو اس حکم میں شامل کرنے کیلئے مستقل دلیل کی ضرورت ہے۔

(۲) اس قسم کا خطاب کرنا اپنے حال کو چھپانے کیلئے ہے تاکہ لوگ اس کو دیہاتی سمجھ لیں۔

(۳) مسئول میں تحمل اور صبر پیدا کرنے کیلئے کہ سائل سے اس طرح کے امور صادر ہوں گے لیکن مسئول کو برداشت کرنا پڑے گا وہ مواخذہ نہیں کرے گا بلکہ درگزر اور چشم پوشی سے کام لے گا۔

(۴) اگر یا محمد کہنے سے اسم علم مقصود ہو تو پھر ممنوع ہے لیکن اسم علم مراد نہ ہو بلکہ اسم صفتی مراد ہو تو پھر ممنوع نہیں ہے۔

فسأل فاخبرني عن الاسلام: یہاں پر اسلام کے مفہوم سے سوال نہیں کیا گیا بلکہ اسلام کے اعمال کے متعلق سوال کیا گیا ہے اور آپ ﷺ نے جواب میں اعمال کا ذکر فرمایا ہے لہذا کوئی یہ اعتراض نہیں کر سکتا کہ جواب سوال کے مطابق نہیں ہے۔

اس روایت میں پانچ باتیں ذکر کی گئی ہیں جبکہ بعض روایات میں اس سے کم اور بعض میں اس سے زیادہ کا بھی ذکر موجود ہے لیکن یہ اختلاف راویوں کے ضبط کی بنا پر ہے۔

اعمال منقسم ہو ہیں (۱) قولی (۲) غیر قولی۔

اعمال قولی دو قسم پر ہیں (۱) وہ اعمال جن کا تعلق ترک سے ہے یعنی اس کو چھوڑنا چاہئے۔ (۲) وجودی یعنی وہ اعمال جن کا تعلق کرنے سے ہے۔

اس کی پھر تین قسمیں ہیں (۱) بدنی محض (۲) مالی محض (۳) بدنی اور مالی سے مرکب۔ لہذا مجموعہ پانچ قسمیں ہو گئیں۔

اشکال: یہاں پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ مسلم، جامع الاصول، کتاب حمیدی اور ریاض الصالحین اور مشکوۃ میں اسلام سے متعلق سوال و جواب مقدم لایا گیا ہے اور بخاری اور مصابیح میں ایمان کا سوال و جواب مقدم لایا گیا ہے

صاحب مشکوۃ نے صاحب مصابیح پر مجمل طور پر اعتراض کیا ہے کہ ایسا نہ ہونا چاہئے تھا کہ پہلے سوال و جواب اسلام سے ہے۔

قال فاخبرني عن الايمان یہاں پر بھی ایمان کے مفہوم کے متعلق سوال نہیں کیا گیا بلکہ اعمال ایمانیہ کے متعلق سوال کیا گیا ہے تو آپ ﷺ نے بھی اعمال ایمانیہ کے متعلق جواب دیا ہے لہذا جواب سوال کے مطابق ہے اور بعدہ میں جو ایمان ذکر ہے اس سے ایمان شرعی مراد ہے اور حدیث میں جو ایمان ذکر ہے اس سے ایمان لغوی مراد ہے لہذا دور کا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

ان تؤمن بالله یعنی آپ کا اللہ تعالی کے بارے میں تصدیق قلبی حاصل ہو اور یہ حاصل ہوتا ہے دو طریقوں سے (۱) تصدیق قلبی حاصل ہو اللہ تعالی کے وجود پر یعنی اللہ تعالی وہ ذات ہے جس کا وجود ضروری ہے اور وہ مستجمع ہے تمام صفات کمالیہ کا اس لئے کہ ایک محل صانع کے بغیر وجود میں نہیں آ سکتا تو پھر اتنا بڑا عظیم الشان محل یعنی نظام سفلی اور علوی یہ کیسے خود بخود وجود میں آ جائے گا لہذا یہ کارخانہ عالم اللہ تعالی کے وجود پر دلیل ہے۔

لطیفہ : امام ابوحنیفہؒ کا ایک دہریے سے مناظرہ ہوا مناظرہ کیلئے معین وقت مقرر کیا گیا امام ابوحنیفہؒ نے تھوڑی تاخیر کر دی تو دہریہ نے کہا کہ یہ تمہارا کیسے امام ہے جو وقت مقرر پر حاضر نہیں ہو سکتے جب امام صاحب پہنچ گئے تو دہریے نے آپ سے تاخیر کی وجہ پوچھی تو امام صاحب نے فرمایا کہ جب سمندر کے کنارے پہنچا تو وہاں کشتی نہیں تھی تو وہاں ایک درخت تھا وہ خود کٹ کر پھر اس سے خود بخود تختے بن گئے اور خود بخود اس سے کشتی بن گئی اور میں اس میں بیٹھ گیا پھر وہ کشتی خود بخود چل پڑی اور میں ادھر پہنچ گیا تو دہریے نے کہا کہ تمہارے امام نے اور عجیب بات کی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ درخت خود بخود کٹ جائے اور اس سے کشتی بن جائے تو امام صاحب نے فرمایا کہ جب ایک چھوٹی سے کشتی خود بخود وجود میں نہیں آ سکتی تو اتنا بڑا نظام عالم کیسے خود بخود وجود میں آ جائے گا "فبهت الذي كفر كان من اهل حجر" اس لئے سب سے پہلے اللہ تعالی کے وجود پر تصدیق قلبی ہونی چاہئے۔

(۲) خدا تعالی کی وحدانیت کی تصدیق کرنا کہ اللہ تعالی اپنی ذات اور صفات میں یکتا ہے "لو كان فيهما آلهة الا الله لفسدتا"

وملائكته وكتبه ورسله ترتیب ذکری ترتیب نفس الامری کے مطابق ہے اس لئے کہ فرشتے اللہ تعالی کی طرف سے رسولوں کی طرف کتاب لاتا ہے۔

ملائكته ملائکہ ملک کی جمع ہے اور ملک مخفف ہے "ملاک" سے اور "ملاک" اصل میں "مألک" تھا "الوک يالک الوکۃ" سے مشتق ہے جس کے معنی ہے پیغام پہنچانا ملائک نہ مذکر ہیں اور نہ مؤنث۔

"مألک" میں قلب ہو گیا ہے اور "ملأک" بن گیا ہے پھر اس سے ہمزہ حذف کر کے اور تخفیف کر دی گئی ہے۔

یعنی آپ اس بات کی بھی تصدیق کریں گے کہ ملائک اللہ تعالی کی نورانی مخلوق ہے "خلقت الملائكة من نور" اور اللہ تعالی معزز مخلوق ہے "بل عباد مكرمون" اور اللہ تعالی کی نافرمانی نہیں کرتے "لا يعصون الله ما امرهم"

وكتبه یعنی آپ اس بات کی بھی تصدیق کریں گے کہ اللہ تعالی نے چار بڑی کتابیں نازل فرمائی ہیں قرآن، تورات، زبور اور

صورت میں۔

احسان کو ایمان اور اسلام کے بعد اس لئے ذکر کیا کہ احسان کا ان دونوں کے ساتھ گہرا تعلق ہے کیونکہ ان دونوں کا کامل ہونا
موقوف ہے احسان پر۔

احسان کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے چھ چیزوں کے بعد (۱) ذکر (۲) مداومت علی الذکر (۳) شوق و ذوق (۴) مجاہدہ (۵) مراقبہ
(۶) مشاہدہ۔

قال ان تعبد الله كانك تراه "كانك تراه" یہ مفعول مطلق کی صفت ہے تقدیری عبارت یوں ہے "ان تعبد الله عبادة شبيهة
بعبادتك حين تراه"

علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا ہے کہ حدیث میں دو حالتوں کی طرف اشارہ ہے (۱) اعلیٰ حال جو مشاہدہ کا مقام ہے اور وہ یہ ہے "ان
تعبد الله" میں اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی عبادت اس انداز میں کرو گویا کہ تم اللہ کو دیکھ رہے ہو اور یہ صرف ایک تصور نہیں
بلکہ ایک حال ہے کہ سالک کا دل ایسا کامل اور صاف ہو جائے کہ اس کو ایسے انکشافات حاصل ہوں گویا کہ اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے
جیسا کہ ایک غلام اپنے آقا کے سامنے ہو اور اس کو یہ یقین ہو کہ میں اپنے آقا کو دیکھ رہا ہوں تو وہ اپنا کام خوب توجہ اور کمال ہیبت اور
عظمت سے کرتا ہے اور اگر یہ مشاہدہ کا یہ درجہ حاصل نہ ہو تو مراقبہ کا مقام حاصل کرنا چاہئے چنانچہ اس حال کی طرف حدیث میں
اشارہ ہے ان الفاظ کے ساتھ "فان لم تكن تراه فانه يراك"

فان لم تكن تراه یہ شرط ہے اس کی جزاء محذوف ہے "اى فاحسن عبادتك فانه يراك" یہ علت ہے ماقبل کیلئے جزاء نہیں
ہے مطلب یہ ہے کہ جب مشاہدہ کا مقام حاصل نہ ہو تو پھر مراقبہ کا مقام حاصل کرنا چاہئے یعنی اللہ تعالیٰ حاضر و ناظر ہے وہ مجھے
دیکھتا ہے اور میری نقل و حرکت کا مشاہدہ کر لیتا ہے اس سے بھی عبادات میں خشوع و خضوع پیدا ہو جاتا ہے مثلاً ایک غلام کسی کام میں
لگا ہوا ہوتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ میں اپنے مالک کو نہیں دیکھ رہا لیکن پھر بھی اپنا کام دلچسپی سے کر رہا ہے کہ میرے آقا کو میری
رپورٹ پہنچ رہی ہے۔

یہ حالات صرف نماز کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر عبادت و اعمال سے بعض روایات میں "ان تخشى الله" آیا ہے جبکہ بعض روایات
میں "ان تعمل لله" آیا ہے اگر کسی نے اس کی نماز کے ساتھ تخصیص کی ہو تو یہ کا مندوب ہے اور اس طرح یہ مراقبہ ذریعہ
بنتا ہے مشاہدہ کیلئے کیونکہ جو شخص اس طرح عبادت کرے گا کہ اللہ تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے اور میرے ہر قول و فعل سے باخبر ہے تو اس
سے عبادت میں خشوع و خضوع اور خوف خدا حاصل ہوتا ہے دل اور روح پر اس کا اثر ہوتا ہے جس کی وجہ سے دل صاف ہو جاتا ہے
اور پھر اس کو انکشافات حاصل ہوتے ہیں پھر سالک یہ کہتا ہے کہ میں اپنے رب کو دیکھ رہا ہوں اور یہ رؤیت حقیقی نہیں ہے کیونکہ دنیا

میں رؤیت متحقق نہیں ہو سکتی مسلم شریف کی ایک روایت میں ہے "اعلموا انکم لن تروا ربکم حتی تموتوا" بلکہ رؤیت سے مراد انکشافات کا حاصل ہونا ہے اسی وجہ سے حدیث میں "کانک تراہ" آیا ہے۔

قال فاخبرنی عن الساعة یہ چوتھا سوال ہے جو آپ ﷺ سے کیا گیا ہے ماقبل کے ساتھ مناسبت ظاہر ہوتی ہے غور و فکر کرنے سے کیونکہ حدیث میں لفظ احسان ذکر کیا گیا ہے اور احسان درجہ کمال ہے جس شخص میں احسان آجاتا ہے وہ کامل بن جاتا ہے اور ہر کمال کے بعد زوال ہوتا ہے اور دنیا کا زوال چونکہ قیامت ہے تو اس طریقہ سے سوال رابع کی مناسبت ماقبل کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ حدیث جبرئیل کے بعض طرق میں یہ الفاظ ہیں "ان تؤمن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الآخر" اس میں الیوم الآخر آیا ہے تو عام طور پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ قیامت کب آئے گی؟ اس لئے آپ ﷺ نے اس کی کچھ علامات ذکر کردی ہیں۔

علامہ قرطبی نے فرمایا ہے کہ ان تینوں چیزوں کے بارے میں پہلے سوال کیا گیا تھا اور آپ ﷺ کی زبان مبارک سے خاص طور پر اس کا بیان کرنا مقصود تھا کیونکہ اس کی حاجت زیادہ تھی اور قیامت کا ذکر اس لئے کیا گیا ہے تاکہ صحابہ کرام قیامت کے متعلق سوال نہ کریں کیونکہ اس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔

ساعة : ساعة لغت میں معمولی اور تھوڑے وقت کو کہا جاتا ہے قیامت کے متعلق ساعة لفظ استعمال کرنا چند وجوہات کی بناء پر ہے۔

(۱) یہ کہ قیامت بہت تھوڑی سی وقت میں قائم ہوگی "لا تاتیکم الا بغتة" (۲) حساب کتاب کے جلد اور تیز ہونے کی وجہ سے ساعت کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔

(۳) حضرت علیؓ کا فرمان ہے کہ مخلوق کے نزدیک بہت طویل وقت اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک ساعت اور ایک گھڑی ہے۔

(۴) ملا علی قاریؒ نے فرمایا ہے کہ نیک فالی کی بناء پر اس سے تعبیر کیا گیا ہے ساعت کے ساتھ۔

(۵) یہ کنایہ ہے توسید الامر الی غیر اہلہ کی طرف "اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعة" لہٰذا اخبرنی عن الساعة کے معنی ہیں کہ مجھے قیامت کی معین تاریخ بتاؤ۔

قال ما المسئول عنها باعلم من السائل ترکیب: ما نافیہ ہے مسئول میں الف لام موصولی بمعنی الذی ہے اور مسئول میں جو ضمیر ہے وہ نائب فاعل ہے عنہا میں ھا ضمیر راجع ہے ساعة کی طرف اور باعلم میں ب زائدہ ہے اور اعلم صیغہ اسم تفضیل خبر ہے ما نافیہ کیلئے۔

سے آپ ﷺ کیلئے علم غیب کا کل ہونا ثابت ہوتا ہے جیسا کہ مبتدعین کا عقیدہ ہے۔

جواب: حضور ﷺ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال کرنا حضرت جبریل کی معرفت کے متعلق تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت جبریل کی عدم معرفت کے متعلق جواب دیا ہے یہ علم جزئی ہے کلی نہیں لہذا اشکال دفع ہوا۔

قال فانه جبریل اتاکم یعلمکم دینکم یہ جبریل تھا اس لئے آیا تھا کہ آپ لوگوں کو آپ کا دین سکھا دیں اور دین سے مراد دین کے قواعد کلیہ ہیں۔

تنبیہ: سوال یہ ہے کہ حضرت جبریل تو سائل تھے اور سائل کی طرف معلم کی نسبت کیسے کی گئی؟

جواب: یہ ایک مشہور مقولہ ہے کہ "حسن السوال نصف العلم" اس قاعدہ کی بنا پر ان کی طرف معلم کی نسبت کی گئی ہے۔

جواب (۲) حضرت جبریل علیہ السلام کی طرف معلم کی نسبت کرنا سبب کے اعتبار سے کی گئی ہے کیونکہ آپ ﷺ نے ان کا سوال کرنا سبب ہے تعلیم کیلئے تو جبریل کی طرف معلم کی نسبت کرنا پڑتا ہے۔

فی خمس یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے تقدیری عبارت اس طرح ہے "وقت تعیین علم الساعۃ داخل فی خمس" یعنی قیامت کی تعیین کا علم ان پانچ چیزوں میں داخل ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا جس کی تائید میں آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی "ان اللہ عندہ علم الساعۃ وینزل الغیث ویعلم ما فی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری نفس بای ارض تموت ان اللہ علیم خبیر"

علم غیب سے متعلق ضابطے کا بیان: غیب کے متعلق عام طور پر لوگ افراط اور تفریط سے کام لیتے ہیں جب صحیح طریقے پر اس کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو افراط اور تفریط سے نجات مل جائے گی اور ایک معتدل راہ سمجھ آ جائے گی۔

غیب کے لغوی معنی ہیں پوشیدہ اور اصطلاح میں غیب وہ ہے جس کا ادراک آلات، تجربات اور عقل کے ذریعہ ممکن نہ ہو بلکہ اس کا ادراک صرف وحی کے ذریعہ ممکن ہو۔

غیب کی ابتداءً دو قسمیں ہیں غیب یا تو احکام کی جنس سے ہوگا یا اکوان (یعنی تکوینیات) کی جنس سے اگر اکوان (یعنی تکوینیات) کی جنس سے ہو تو پھر یا اکوان غیبیہ مکانیہ ہوں گے یا زمانیہ۔

اگر اکوان غیبیہ زمانی ہو تو پھر زمانے کے اعتبار سے اس کی تین قسمیں ہیں (۱) یا ان اکوان غیبیہ کا تعلق زمانہ ماضی سے ہوگا (۲) یا اس کا تعلق زمانہ حال سے ہوگا (۳) یا اس کا تعلق زمانہ استقبال سے ہوگا سب کا مجموعہ پانچ بن جاتا ہے۔

جس غیب کا تعلق احکامات سے ہے اس کا علم کلی آپ ﷺ کو دیا گیا ہے کیونکہ آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد اللہ تعالیٰ کے احکامات اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو پہنچانا ہے بقول تعالیٰ "فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول"

تفصیل کیلئے فتح الباری کی مراجعت کی جائے۔

لطیفہ: عباسی خاندان کے مشہور بادشاہ منصور نے خواب میں حضرت عزرائیل علیہ السلام کو دیکھا اور ان سے پوچھا کہ میری کتنی عمر باقی ہے؟ تو عزرائیل نے پانچ انگلیاں اٹھا کر اشارہ دیا جب بادشاہ خواب سے بیدار ہوا تو بہت پریشان ہو گیا اور لوگوں سے تعبیر پوچھنا شروع کیا کسی نے کہا کہ آپ کی عمر کے پانچ سال باقی ہیں کسی نے پانچ مہینے اور کسی نے پانچ ہفتے لیکن حضرت امام ابو حنیفہ سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ اس میں پانچ مغیبات کی طرف اشارہ ہے جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا۔

حدیث جبریل کے فوائد کا خلاصہ: حدیث جبریل کے فوائد کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

(۱) آپ ﷺ کو سفید لباس پسند تھا اس لئے جبریل امین نے سفید لباس پہن لیا تھا حضرت جبریل نے سائل اور طالب علم کی کیفیت اختیار کی تھی اسی طرح طالب علم کو بھی پسندیدہ انداز اختیار کرنا چاہئے۔

(۲) طالب علم کو چاہئے کہ زمانہ شباب میں علم حاصل کرے کیونکہ اس وقت اس کی تمام قوتیں اپنی حالت پر باقی ہوتی ہیں۔

(۳) طالب علم کیلئے نشست میں مودبانہ انداز اختیار کرنا چاہئے۔

(۴) قرب باطنی کے ساتھ قرب ظاہری بھی اختیار کرنا چاہئے۔

(۵) طالب علم کو شریعت کا موافق ہونا چاہئے

(۶) طالب علم کو چاہئے کہ وہ اپنے استاد کے متعلق حسن ظن رکھے۔

(۸) اچھا سوال آدھا علم ہے۔

(۹) طالب علم کو چاہئے کہ اپنے اندر احسان کا درجہ پیدا کرلے۔

(۱۰) طالب علم کو چاہئے کہ مغیبات کے بارے میں سوال نہ کرے۔

(۱۱) عالم و مفتی کو چاہئے کہ جس مسئلے کے بارے میں اس کو علم نہ ہو اس کے متعلق لا ادری کہے اور اس میں عار محسوس نہ کرے۔

(۱۳) دنیا کے ختم ہونے کا سبب مال کی کثرت اور جہالت کا پھیل جانا ہے۔

(۱۴) اس حدیث میں دین کے اصول ذکر ہوئے ہیں۔

(۱۵) اگر کوئی شخص کسی مصلحت کی بنا پر اپنے آپ کو چھپائے تو یہ جائز ہے۔

حدیث: وعن ابن عمر رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ بنی الاسلام علی خمس شہادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمدا عبدہ ورسولہ واقام الصلوۃ وایتاء الزکوۃ والحج وصوم رمضان (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے اول

اس بات کا دل سے اقرار کرنا اور گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں، دوم پابندی کے ساتھ نماز پڑھنا، سوم زکوٰۃ دینا، چہارم حج کرنا، پنجم رمضان کے روزے رکھنا۔

تفصیل عبد اللہ بن عمر کے مختصر حالات: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کی بعثت سے ایک سال پہلے پیدا ہوئے ہیں اور کم عمری ہی میں اپنے والد ماجد کے ساتھ اسلام قبول کیا ہے۔ ۷۳ھ میں ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی ہے۔ صغر سنی کی وجہ سے جنگ بدر میں شریک نہ ہوئے تھے اور جنگ احد میں شرکت میں اختلاف ہے۔ اس کے علاوہ جنگ خندق اور تمام غزوات میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک ہوئے ہیں۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اعلیٰ پایہ کے زاہد و متقی، پرہیزگار اور آپ ﷺ کی سنتوں کے ساتھ بے پناہ عشق و محبت کرنے والے تھے۔

ابن عمر رضی اللہ عنہ کی مرویات: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے (۱۶۳۰) احادیث روایت کی گئی ہیں۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعینؒ نے احادیث نقل کی ہیں، ان میں سے ایک ان کے بیٹے حضرت سالمؒ اور ایک ان کے آزاد کردہ غلام حضرت نافعؒ بھی ہیں۔ بقول حضرت نافعؒ "حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے ایک ہزار یا اس سے زیادہ غلام آزاد کئے تھے۔ اس کے علاوہ بہت ساری خصلتوں کے مالک تھے۔

حدیث شریف کی ترکیب: "شہادۃ" کے اعراب کے تین احتمال ہیں (۱) یہ کہ "شہادۃ" مجرور ہو (۲) یہ کہ "شہادۃ" مرفوع ہو (۳) یہ کہ "شہادۃ" منصوب ہو۔ پس اگر "شہادۃ" اپنے معطوفات سمیت مجرور ہو تو یہ "خمس" سے بدل ہے، یعنی "بنی الاسلام علی خمس" آیا ہے یہ اس سے بدل ہے۔

اور اگر "شہادۃ" مرفوع ہو تو مرفوع ہونا بر بنا خبریت ہے یعنی مبتدا محذوف کی خبر ہے یعنی "ھی شہادۃ ان لا الہ الا اللہ" یا ہر واحد کیلئے الگ الگ خبر ہے یعنی "احدھا شہادۃ ان لا الہ الا اللہ، ثانیھا اقام الصلوٰۃ الخ"

اور اگر "شہادۃ" اپنے معطوفات سمیت منصوب ہو تو منصوب ہونا بر بنا مفعولیت ہے یعنی یہ اپنے معطوفات سے مل کر مقدر فعل "اعنی" کیلئے مفعول ہے۔

حدیث شریف کی تشریح: نبی کریم ﷺ نے اس حدیث شریف میں اسلام کی تشبیہ ایک خیمہ کے ساتھ دی ہے چونکہ خیمہ پانچ ستونوں پر قائم ہوتا ہے جس میں ایک درمیانی ستون ہوتا ہے، اگر یہ ستون نہ ہو تو خیمہ گر جائے گا اور بقیہ چاروں طرف کے ستون اس کے لئے بمنزلہ اوتاد و اطناب ہیں، جس سے اس کی بقا ہو جاتی ہے پس اگر درمیانی ستون ہو لیکن اطراف کے ستون نہ ہوں تو خیمہ ناقص رہتا ہے کامل نہیں ہوتا۔ اسی طرح اسلام کا خیمہ بھی پانچ ستون پر قائم ہے جس کا درمیانی ستون توحید اور آپ ﷺ کی

رسالت کی شہادت اور گواہی دینا ہے۔ وہ اس خیمہ کے اوتاد و اطناب کے اصول ہیں۔ جب کلمۂ شہادت یعنی درمیانی عمود نہیں ہوگا تو اسلام باقی نہیں رہتا۔ اور اگر درمیانی ستون یعنی کلمۂ شہادت موجود اور مستحکم باقی ہو لیکن اطراف کے ستون اوتاد اور اطناب نہیں ہوتے تو خیمہ ناقص رہتا ہے۔ تو اس حدیث شریف میں "مرجئہ" کی تردید بھی ہوتی ہے کیونکہ وہ اعمال کو ہیچ سمجھتے ہیں۔

اس حدیث شریف کے ضمن میں شراحؒ نے ایک مشہور شاعر (یعنی فرزدق) کا واقعہ ذکر کیا ہے کہ ایک جنازہ میں "فرزدق" شاعر اور "حسن بصریؒ" جمع ہوگئے تو فرزدق نے حضرت حسن بصریؒ سے کہا کہ "تدری ما یقول الناس یا ابا سعید" اور پھر انہوں نے کہا کہ جس طرح لوگ کہا کرتے تھے "اجتمع فی هذه الجنازة خیر الناس وشر الناس" تو حضرت حسن بصریؒ نے ان سے فرمایا کہ "کلا لست بخیرهم ولست بشرهم لکن ما اعددت لهذا الیوم فقال الفرزدق شهادة ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله منذ ستین سنة" تو حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ "هذا العمود فاین الاطناب" یعنی حضرت حسن بصریؒ نے اس حدیث شریف کی طرف اشارہ فرمایا کہ اسلام بمنزلہ ایک بڑے خیمے کے ہے اور "شهادة ان لا اله الا الله" درمیانی عمود ہے اور اصول اعمال اس کے اطناب ہیں۔

پانچوں میں وجہ الحصر پانچوں میں وجہ حصر یہ ہے کہ ارکان اسلام یا قولی ہونگے یا غیر قولی ہونگے اگر قولی ہو تو شہادتین اور اگر غیر قولی ہو تو پھر دو حال سے خالی نہ ہوگا یا اس کا تحقق ترک سے ہوگا یا اس کا تحقق فعل اور وجود سے ہوگا اگر اول ہے تو صوم ہے اور اگر ثانی ہے تو پھر دو حال سے خالی نہ ہوگا یا اس کا تعلق فقط بدن سے ہوگا تو اقامت صلوٰۃ ہے یا اس کا تحقق فقط مال سے ہوگا تو ایتاء زکوٰۃ ہے یا اس کا تعلق دونوں سے ہوگا تو حج ہے۔

ایک شبہ اور اس کا جواب: اس مقام پر یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اسلام کی پانچ خصلتوں پر بنا کی ہے لیکن فقہائے کرام تو فرماتے ہیں کہ صرف شہادتین کا اقرار کافی ہے اس کی تطبیق کیا ہوگی؟

اس کے جواب دیئے گئے ہیں۔

جواب (۱): حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اقرار شہادتین سے مراد "اقرار بجمیع ما جاء به النبی ﷺ" ہے

جواب (۲) اقرار شہادتین اعمال کی اصل ہے اور دوسرے افعال اس پر مرتب ہیں۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ یہاں پر مبنیٰ اور مبنیٰ علیہ میں فرق نہیں ہے حالانکہ مبنیٰ اور مبنیٰ علیہ میں تغایر ضروری ہے؟

جواب یہاں پر مبنیٰ اور مبنیٰ علیہ میں تغایر موجود ہے، کیونکہ من حیث المجموع مبنیٰ ہے اور ہر واحد مبنیٰ علیہ ہے۔ تو دونوں میں تغایر پیدا ہوگیا لہٰذا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔

حدیث: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ

لفظ ابوھریرہ میں تحقیق نحوی: قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ "ھریرۃ" مجرور ہو کیونکہ یہ مضاف الیہ ہے "ابو" کیلئے اور اکثر علماء نے اس کو منصرف قرار دیا ہے۔ لیکن جمہور محدثین فرماتے ہیں کہ یہ غیر منصرف ہے اور اس میں ایک سبب علمیت ہے اور دوسرا سبب ترکیب ہے کیونکہ یہ کلمہ واحد بن گیا ہے۔ بہرحال ابوہریرۃ میں دو حیثیتیں ہو سکتی ہیں، ایک حیثیت اصلی دوم حیثیت موجودہ، حیثیت اصلی کے اعتبار سے "ابو" میں تغیر اور تبدل ہو سکتا ہے۔ حیثیت موجودہ کے اعتبار سے "ھریرۃ" پر جر نہیں آتا۔

تشبیہ الحدیث: اس حدیث شریف میں حضور ﷺ نے ایمان کی تشبیہ دی ہے ایک درخت کے ساتھ جس طرح قرآن پاک میں آیا ہے "الم تر کیف ضرب اللہ مثلاً کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلھا ثابت وفرعھا فی السماء" (سورۃ ابراھیم آیت ۲۴)

نبی کریم ﷺ نے ایمان کی تشبیہ اس درخت کے ساتھ دی ہے جس کی شاخیں ہوں اور ان شاخوں میں پھل اور پتے ہوں جس کی وجہ سے درخت میں شادابی اور زینت پیدا ہوتی ہے اسی طرح ایمان کے ساتھ جب اعمال صالحہ ہوں تو ایمان میں کمال، زینت، رونق اور شادابی پیدا ہوتی ہے۔ اور جب درخت کے پتے اور شاخیں گر جائیں اور اس کا تنا باقی ہو وہ درخت تو ہے لیکن اس کی زینت، رونق، شادابی اور کمال باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح ایمان کے ساتھ جب اعمال صالحہ نہیں ہوتے تو اس کا کمال، رونق اور زینت ختم ہو جاتی ہے۔

اس حدیث شریف میں فرقہ باطلہ یعنی مرجیہ کی تردید ہے کیونکہ وہ ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ کو ضروری نہیں سمجھتے۔ اسی طرح اس میں خوارج اور معتزلہ کی بھی تردید ہوگی کیونکہ ان کے نزدیک اعمال صالحہ کا انتفاء مستلزم ہے انتفاء ایمان کو (یعنی اگر ایمان کے ساتھ اعمال صالحہ نہ ہوں تو ان کے نزدیک یہ معتبر نہیں ہے) پس جب تک درخت کا تنا سوکھا اور خشک نہیں ہوتا تو درخت برقرار اور ثابت ہوتا ہے لیکن اس کی رونق ختم ہو جاتی ہے اسی طرح جب تصدیق قلبی ہو اور اعمال صالحہ نہ ہوں تو یہ آدمی مومن تو ہے لیکن اس کا ایمان نور اور رونق والا نہیں ہے۔

الایمان بضع وستون شعبۃ: بضع با کے کسرہ کے ساتھ آتا ہے اور با کے فتحہ کے ساتھ بھی مستعمل ہے اس کا اطلاق تین سے لیکر نو تک کے عدد پر ہوتا ہے اس کی تائید ترمذی شریف کی ایک حدیث سے ہوتی ہے۔ چنانچہ روایت ہے کہ جب سورۃ روم کی یہ آیتیں نازل ہوگئیں "الم غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من بعد غلبھم سیغلبون فی بضع سنین" تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشرکین مکہ کے ساتھ شرط لگائی اور اس کی مقدار مدت مقرر کر دی تو حضور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "الا احتطت یا ابابکر فان البضع ما بین ثلاث الی تسع" (اخرجہ الترمذی فی سننہ)

بضع کا استعمال مونث کیلئے ہوتا ہے اور بضعۃ کا استعمال مذکر کیلئے ہوتا ہے۔ یہاں پر چونکہ شعبۃ آیا ہے اس لئے بضع استعمال

ہوا ہے اور جس روایت میں بضعۃ آیا ہے اس میں یہ تاویل کی جائے گی کہ بضعۃ قطعۃ کے معنی میں ہے۔

اس روایت میں "بضع وسبعون" آیا ہے اور بخاری شریف کی روایت میں "بضع وستون" آیا ہے جبکہ بعض روایات میں تردید کے ساتھ آیا ہے یعنی "بضع وسبعون او بضع وستون" اور بعض روایات میں ست وستون اور بعض میں سبع وسبعون آیا ہے اور ایک روایت میں جس کو حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے معلول قرار دیا ہے اس میں اربع وستون آیا ہے ان مختلف روایات کے بارے میں چند اقوال ہیں۔

(۱) قاضی عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ لفظ سبعون راجح ہے اور جو روایت بخاری شریف میں لفظ ستون کے ساتھ آئی ہے اس روایت کو مسلم شریف میں راوی نے لفظ سبعون کے ساتھ ذکر کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ سبعون راجح ہے۔

(۲) علامہ نوویؒ نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے اور فرمایا ہے کہ یہ ثقہ راوی کی زیادت ہے اور ثقہ کی زیادت مقبول ہوتی ہے اس شرط پر کہ اس نے کسی اوثق و اتقن کی مخالفت نہ کی ہو۔

(۳) علامہ کرمانیؒ نے فرمایا ہے کہ عدد اقل عدد اکثر کی نفی نہیں کرتا لہذا روایات کے درمیان کوئی تعارض نہیں ہے۔

(۴) حافظ ابن صلاحؒ نے فرمایا ہے کہ ستون کی روایت راجح ہے جو بخاری کی روایت ہے کیونکہ یہ اقل ہے اور اقل متیقن ہوتا ہے۔

(۵) علامہ طیبی اور ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ یہاں پر مقصود شعب الایمان کی کثرت کو بیان کرنا ہے تحدید اور تعیین مقصود نہیں ہے نبی کریم ﷺ نے اس کی کثرت بیان کی ہے نہ کہ تعیین اور تحدید کو بیان کرنا مقصود تھا جیسے کہ قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے "استغفر لهم او لا تستغفر لهم ان تستغفر لهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم" یہاں پر بالاتفاق سبعین مرۃ سے مراد کثرت ہے نہ کہ تحدید۔ اگر تحدید مقصود ہوتی پھر "بضع" ذکر نہ کرتے بلکہ اس کی جگہ عدد معین ذکر کرتے بضع کا ذکر کرنے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کثرت مراد ہے اور جب کثرت مراد ہے تو روایت کے درمیان تعارض بھی ختم ہو گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ جب کثرت مراد ہے تو مختلف روایات میں مختلف عدد کا ذکر کیوں کیا گیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ عدد کا ذکر محمول ہے تعدد اوقات پر اگرچہ ایک راوی سے ہو۔

قوله وافضلها: اس میں فاء تفریعیہ ہے اور فاء تفریعیہ تقاضا کرتی ہے کہ اس سے پہلے شرط محذوف ہو چنانچہ تقدیری عبارت اس طرح ہے "اذا كان الايمان ذا شعب متعددة فافضلها"

ایمان کے تین درجے ہیں (۱) اعلیٰ (۲) ادنیٰ (۳) متوسط۔

اعلیٰ درجہ لا الہ الا اللہ کہنا ہے۔

قوله ادناها: ادنیٰ دنو سے مشتق ہے معنی ہے قریب اور اقل۔

والبطن وما حوى وليذكر الموت والبلى ومن اراد الآخرة ترك زينة الدنيا فمن فعل ذلك فقد استحيا من الله حق الحياء (اخرجه الترمذي في سننه" (مفردات)

اس حدیث شریف میں چند باتیں قابل وضاحت ہیں۔

(۱) ان تحفظ الرأس وما وعی: اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنے خیالات کی حفاظت کرنا لازم ہے اور خیالات کی حفاظت ذکر واذکار کے بغیر نہیں ہوتی۔

(۲) والبطن وما حوی: اس سے مراد دو قوتوں کو قابو میں لانا ہے یعنی قوت غضبیہ اور قوت شہویہ بطن کی طرف اس کی نسبت اس لئے کی گئی ہے کہ بطن مشتمل ہے ان دونوں پر کیونکہ یہ دونوں اکل حرام سے پیدا ہوتی ہیں اور اس پر قابو پایا جائے گا اکل حرام سے اپنے آپ کو بچانے سے

(۳) ولتذکر الموت والبلی: کیونکہ تذکیر الموت اور تذکیر العذاب سے آدمی کو عبرت حاصل ہوتی ہے۔

(۴) ومن اراد الآخرۃ ترک زینۃ الدنیا: اس سے مراد یہ ہے کہ مسافر کی طرح رہنا چاہئے ایک دوسری حدیث شریف میں اس کی طرف اشارہ موجود ہے "کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل"

حدیث مذکور فی الباب کا خلاصہ یہ ہوا کہ ایمان کے بڑے بڑے شعبے پانچ ہیں۔ (۱) اعتقادیات (۲) عبادات (۳) معاملات (۴) اخلاقیات (۵) معاشرات۔

تمام انبیاء کرام پہلے چار شعبوں کے بیان کرنے کیلئے بھیجے گئے ہیں اور یہی شعب الایمان کے اصول ہیں۔

تفصیل: (۱) اعتقادیات: وہ غیر متزلزل اور مضبوط خیالات جس پر دین کا مدار ہے اس کی بنا دلیل پر نہیں ہوتی، جیسے "الله احد الله خالق، الله رازق"

(۲) عبادات: وہ ذمہ داریاں جو عائد ہوتی ہیں مخلوق پر خالق کی جانب سے۔

(۳) معاملات: وہ ذمہ داریاں جو عائد ہوتی ہیں مخلوق کے آپس میں ایک دوسرے پر جو قانونی حیثیت رکھتی ہے۔

قانونی حیثیت کا مطلب یہ ہے کہ ادا نہ کرنے کی صورت میں قاضی کے دربار میں رپورٹ دائر کی جاتی ہے۔

(۴) اخلاقیات: وہ ذمہ داریاں جو مخلوق پر عائد ہوتی ہیں آپس میں ایک دوسرے پر لیکن قانونی حیثیت نہیں رکھتی۔

(۵) معاشرات: معاشرتیں مختلف ہیں

حدیث: عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده والمهاجر من هجر ما نهى الله عنه، هذا لفظ البخاري ولمسلم قال ان رجلا سأل النبي ﷺ اي المسلمين خير

حدود، قصاص، تعزیر اور ضرب الاطفال بطور تادیب زبان سے متعلق ہیں۔

یہاں پر اگرچہ لسان اور ید کا ذکر ہے لیکن اس سے مراد انسان کی ذات ہے۔

لسان اور ید کی تخصیص دو وجہ سے ہے۔

(۱) یہ کہ ایذا رسانی کی ابتداء لسان سے ہوتی ہے اور اس کی انتہاء ید پر ہوتی ہے جیسے کہ ایک شاعر کا قول ہے

"جراحات السنان لها التیام ؛ ولا یلتام ما جرح اللسان"

(۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ ایذا رسانی کی دو قسمیں ہیں (۱) قولی (۲) فعلی۔ حدیث شریف میں دونوں کی نفی آ گئی ہے۔

المهاجر من هجر ما نهى الله عنه.

حدیث شریف کے اس حصہ میں بھی وہی تقریر زیر بیان ہے جو "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" میں کی گئی ہے مہاجر بھی وہی معتبر ہے جو ممنوعات شرعیہ سے اپنے آپ کو بچائے اس لئے کہ ہجرت میں وطن کو اس لئے ترک کیا جاتا ہے تاکہ ہجرت کی جگہ میں اللہ تعالیٰ کے احکامات آزادانہ طور پر ادا کئے جاسکیں اور منہیات سے اپنے آپ کو بچایا جاسکے۔ اور اگر ہجرت کے باوجود اپنے آپ کو منہیات سے نہیں بچاتا تو اس وجہ ترک وطن بے مقصد ہے اس لئے کہ ہجرت کا جو مقصد تھا وہ حاصل نہیں ہوا۔

اور یا حضور ﷺ نے یہ تطییب قلب کیلئے ذکر فرمایا ہے اس لئے کہ ہجرت ایک فضیلت والا کام ہے اور ابتدائے اسلام میں یہ تکمیل ایمان کی علامت تھی اور جب یہ حکم آیا کہ "لا هجرة بعد الفتح" تو ان صحابہ کرام ؓ نے تمنا کی جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے کہ کاش ہم فتح مکہ سے پہلے ایمان لاتے تو ہمیں بھی یہ فضیلت حاصل ہوتی۔ اسی طرح ایک حدیث شریف میں حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے "لولا الهجرة لكنت امرأ من الانصار" تو ان فضائل کی بنا پر ان مسلمانوں نے جو فتح مکہ کے بعد مسلمان ہوئے تھے انہوں نے اس تمنا کا اظہار کیا کہ کاش ہم فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوتے تو ہمیں بھی یہ فضیلت حاصل ہوتی۔

تو حضور ﷺ نے ان کی تطییب قلب کیلئے فرمایا کہ "المهاجر من هجر ما نهى الله عنه"

حدیث: وعن انس ؓ قال: قال رسول الله ﷺ لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیه من والده وولده والناس اجمعین" (متفق علیه)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کوئی بھی شخص اس وقت تک (کامل) مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کے باپ، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

تعارف انس بن مالک رضی اللہ عنہ مختصر حالات: انس بن مالک بن نضر الخزرجی الانصاری ؓ ہیں۔ ان کی والدہ کا نام ام سلیم بنت ملحان تھا جب نبی کریم ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اس وقت آپ ؓ کی عمر دس سال تھی دس سال تک آپ ﷺ

کی خدمت میں رہے ہیں اور یہ خود سے باہر نہیں نکلتے تھے حضرت انس بن مالک ؓ کثیر الاولاد تھے ملا علی قاری نے مرقات میں ذکر کیا ہے کہ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے (۹۸) بچوں کو اپنے ہاتھ سے دفن کیا ہے ایک روایت میں سو (۱۰۰) اور ایک دوسری روایت میں اسی (۸۰) آیا ہے (۷۸) [illegible] موجود ہے

اور آپ کے باغات سال میں دو دفعہ پھل دیا کرتے تھے اس لئے کہ حضور ﷺ نے آپ کو دعا دی تھی کہ "اللھم اکثر مالہ وولدہ وطول عمرہ واغفر ذنبہ" حضرت عمر ؓ کے دور خلافت میں اہل بصرہ کی تعلیم کیلئے بصرہ منتقل ہو گئے تھے اور آپ ؓ کی وفات (۹۱ ہجری میں ۹۹ سال کی عمر میں) ہوئی ہے اور حضرت انس ؓ بصرہ میں وفات کے اعتبار سے سب سے آخری صحابی ہیں ۔

آپ ؓ کی کل مرویات (۲۲۸۶) نقل کی گئی ہے اور ایک روایت میں آپ ؓ (۱۰۳) سال کی عمر میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔

تشریح الحدیث:

قولہ لا یؤمن احدکم: تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کو سب سے زیادہ محبوب نہ بن جاؤں۔

"المحبۃ ھی المیل القلب الی شئ لتصور کمال فیہ" علامہ عینی ؒ نے یہ تعریف کی ہے۔

محبت کی دوسری تعریف: المحبۃ ارادۃ ما تراہ او تظنہ خیرا (امام راغب اصفہانی)

محبت کی اقسام: محبت کی دو قسمیں ہیں (۱) محبت طبعی (۲) محبت عقلی۔

(۱) محبت طبعی اپنی اولاد، بچے، والدین اور اپنی بیوی کے ساتھ جو محبت ہوتی ہے یعنی انسان کی طرف طبعی طور پر میلان قلب ہوتا ہے

(۲) محبت عقلی: محبت عقلی اس کو کہتے ہیں کہ انسان اپنے عقل کے مقتضیٰ کو ترجیح دے کر اپنی طبعی خواہشات پر جیسے کہ ایک مریض کڑوی دوائی کو ترجیح دیتا ہے عقل کے مقتضیٰ کے مطابق کیونکہ یہ دوائی دافع المرض ہے اور طبعی طور پر اس کو اس دوائی سے نفرت ہوتی ہے اور مزاج نہیں چاہتا لیکن کبھی کبھی مقتضیٰ عقل اس پر غالب آ جاتا ہے اور طبعی خواہش مغلوب ہو جاتی ہے اور اس کو حب ایمانی کہتے ہیں کہ اپنی خواہشات پر محبوب کی خواہشات کو غالب کرے اور اس کا اندازہ اس وقت لگایا جاتا ہے جب قول رسول اللہ ﷺ قول والد صاحب کا مقابلہ ہو جائے اور محبوب ﷺ کے قول کو ترجیح دے اور اسی کی محبت کو طبعی محبت پر غالب کرے تو اس کو محبت ایمانی و محبت عقلی کہتے ہیں اور حدیث شریف میں محبت سے مراد محبت عقلی ہے

محبت کے اسباب: محبت کیلئے چار اسباب ہیں (۱) کمال (۲) جمال (۳) قرابت (۴) احسان ۔

(۱) کسی کے کمال کی وجہ سے اس کے ساتھ محبت کی جاتی ہے اور یہ کمال ایک باطنی صفت ہے جس کی وجہ سے خود بخود محبت پیدا ہو جاتی ہے جیسے کہ حضرت بلال ؓ سیاہ فام تھے لیکن ان کے اندر کمال باطنی موجود تھا جس کے بارے میں حضرت عمر ؓ نے

فرمایا کہ "سیدنا ابو بکر اعتق سیدنا یعنی بلالؓ"

(۲) محبت کا ایک تقاضا جمال ہے حسن اور جمال بھی محبت کا تقاضا ہے چاہے وہ حسن صورت ہو یا فصاحت اور بلاغت میں ہو یا حسن صوت کی وجہ سے ہو۔

(۳) محبت کے اسباب میں سے تیسرا سبب قرابت ہے قرابت بھی محبت کا تقاضا ہے جس کی وجہ سے آدمی کے ساتھ محبت پیدا ہو جاتی ہے چاہے قرابت رشتے کے اعتبار سے ہو یا دین کے اعتبار سے۔

(۴) محبت کا چوتھا سبب احسان ہے جس کو حب احسانی کہتے ہیں یہ بھی محبت کا تقاضا اور حسن سلوک ہے جس کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہے تو اس کی وجہ سے بھی اس کے ساتھ محبت پیدا ہوتی ہے جیسے کہ مقولہ مشہور ہے "الانسان عبد الاحسان" یہ تمام اسباب اختیاری ہیں تو ان کی وجہ سے جو محبت ہوگی وہ محبت بھی اختیاری ہوگی۔

اشکال یہ اشکال دو شقوں پر مشتمل ہے (۱) یہ کہ حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے محبت کو ایمان کا معیار قرار دیا ہے حالانکہ طبعی طور پر والدین اور اولاد سے محبت زیادہ ہوتی ہے اس کی بنا پر تو کوئی بھی مومن نہ ہوگا۔

(۲) یہ کہ محبت تو ایک غیر اختیاری چیز ہے اور انسان غیر اختیاری چیز کا مکلف نہیں ہوتا تو یہ کیسے ایمان کا معیار بنے گی؟

جواب: قاضی بیضاویؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں پر محبت سے مراد محبت طبعی نہیں ہے جو غیر اختیاری ہوتی ہے بلکہ محبت عقلی مراد ہے جو کسی چیز کے منافع اور فوائد خرچ کرنے سے حاصل ہوتی ہے عقل سلیم مقتضیات ایمانی کو ترجیح دیتی ہے جیسے کہ مریض طبعاً دوا کو پسند کرتا ہے (کلام تفصیلہ)۔ اسی طرح علامہ خطابیؒ نے بھی فرمایا ہے یہاں پر محبت سے مراد محبت طبعی نہیں ہے بلکہ محبت عقلی مراد ہے جو اختیاری ہے کہ وہ یہ سوچ کر محبت اختیار کرے کہ آپ ﷺ کی محبت میں دنیا و آخرت کے منافع اور فوائد رکھے ہوئے ہیں اور تابعداری نہ کرنے میں اور محبت نہ کرنے میں دنیا و آخرت کا نقصان ہے اور سمجھ بوجھ کے بعد یہ محبت اختیار کرنا بہت اختیاری ہے پس جب روحانی و عقلی محبت انتہا اور کمال کو پہنچ جاتی ہے تو اس کے بعد طبعی اور نفسانی محبت مغلوب ہو جاتی ہے اور اس کو مردہ شخص سمجھ لیتا ہے جس کو باری تعالیٰ ان میں سے متصور فرماتا ہے۔

علامہ قاضی بیضاویؒ اور علامہ خطابیؒ کی تشریح سے یہ نہیں فہم کرنا چاہئے کہ آپ ﷺ کے ساتھ محبت طبعی نہیں کرنی چاہئے بلکہ آپ ﷺ میں تو محبت کے تمام اسباب علی وجہ الاتم موجود ہیں جیسے کہ ایک شاعر نے کیا خوب فرمایا ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری ؛ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اور یہ کمال حضور ﷺ میں درجہ اتم میں موجود تھا جیسے کہ ایک شاعر نے فرمایا ہے کہ

لا یمکن الثناء کما کان حقہ ؛ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔

حضرت حسان بن ثابت شاعر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ

واحسن منك لم تر قط عيني :: واجمل منك لم تلد النساء

خلقت مبرأ من كل عيب :: كأنك قد خلقت كما تشاء

عائشہ" کا قول ہے۔

لواحي زليخا لو رأين جبينه :: لآثرن بالقطع القلوب على الأيدي

تمام امت کا اس پر اتفاق ہے کہ زمین کی جس مٹی کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا جسد اطہر لگا ہوا ہے تو وہ حصہ زمین اور آسمان یہاں تک کہ محققین کے نزدیک عرش اور کرسی سے بھی اللہ پاک کو زیادہ پسند ہے۔ اس کی منظر کشی ایک صاحب نے ان الفاظ میں کی ہے۔

نفس الفداء لقبر انت ساكنه :: فيه العفاف وفيه الجود والكرم۔

اور کمال احسان سے متعلق یہ بات ہے کہ ہم پر آپ ﷺ کے بہت سارے احسانات ہیں کیونکہ آپ ﷺ نے ہماری ہدایت کیلئے ہر طرح کی تکالیف برداشت کی ہیں ہمیں گمراہی سے نکال کر ہدایت کے راستے پر چلانے کیلئے آپ ﷺ کو بڑی بڑی تکلیفیں پہنچائی گئی ہیں نیز آپ ﷺ کا وجود پوری کائنات کیلئے احسان کا سبب ہے جس کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے "لولاك لما خلقت الافلاك"

(اس حدیث کے الفاظ اگرچہ ثابت نہیں لیکن یہ مضمون ثابت ہے)۔

آپ ﷺ میں مشابہت یعنی قرابت بھی علی الاکمل والاتم موجود ہے کیونکہ باری تعالی کا ارشاد گرامی ہے "النبي اولى بالمؤمنين من انفسهم وازواجه امهاتهم" خلاصہ کلام یہ ہے کہ مشابہت آپ ﷺ میں علی وجہ الاکمل وعلی وجہ الاتم موجود ہے

آپ ﷺ کا اتباع بھی اللہ تعالی کا اتباع ہے کیونکہ باری تعالی کا ارشاد گرامی ہے "قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم الله"

قولہ من والده وولده: والد سے مراد اصل ہے یا والد سے مراد ذی ولد ہے چاہے والد ہو یا جد ہو یا دادا ہو۔ ذی ولد یا والد سے مراد اصول ہیں اور ولد سے مراد فروع۔

قولہ والناس: الناس میں خود آدمی کا نفس بھی داخل ہے۔

کیا حدیث شریف میں محبت سے تعظیم مراد ہے؟ قاضی عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث شریف میں محبت سے تعظیم مراد ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم والد کی تعظیم سے زیادہ ہونی چاہئے لہذا ان کے نزدیک یہ ایمان کی صحت کیلئے شرط ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا ہے کہ صاحب مفہم نے اس قول کو رد کیا ہے اس لئے کہ نفس ایمان میں تعظیم کا وجود ضروری ہے اور

یہاں پر بحث کمالِ ایمان میں ہے اور یہاں پر حبِ ایمانی اور حبِ عشقی مراد ہے۔

اس حدیث شریف میں مرجوحہ کی تردید ہے: اس حدیث شریف میں چاہے محبت سے مراد تعظیم ہو جو ایمان کیلئے شرط ہے یا اس سے حبِ ایمانی مراد ہو جو کمال کیلئے ضروری ہے جونسے معنی بھی مراد لئے جائیں ہر حال میں اس حدیث شریف میں فرقہ مرجوحہ کی تردید مقصود ہے اس لئے کہ حبِ رسول بہت بڑی نیکی ہے جس سے ایمان میں کمال حاصل ہوتا ہے۔

حدیث: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ ثَلٰثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ بِهِنَّ حَلَاوَةَ الْإِيْمَانِ مَنْ كَانَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَمَنْ اَحَبَّ عَبْدًا لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَمَنْ يَّكْرَهُ اَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ بَعْدَ اَنْ اَنْقَذَهُ اللّٰهُ مِنْهُ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّلْقٰى فِي النَّارِ ۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: اور حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس شخص میں یہ تین چیزیں ہوں گی وہ ان کی وجہ سے ایمان کی حقیقی حلاوت لذت سے لطف اندوز ہوگا: اول یہ کہ اسے اللہ اور اس کے رسول کی محبت دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ ہو، دوسرے یہ کہ کسی بندہ سے اس کی محبت محض اللہ (کی خوشنودی) کیلئے ہو، تیسرے یہ کہ جب اسے اللہ نے کفر کے اندھیروں سے نکال کر ایمان و اسلام کی روشنی سے نواز دیا تو اب وہ اسلام سے پھر جانے کو اتنا ہی برا جانے جتنا آگ میں ڈالے جانے کو۔"

تفہیم: اس حدیث شریف میں چار مباحث ہیں۔

(۱) قولہ ثلث (۲) قولہ حلاوۃ الایمان (۳) قولہ من کان اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما (٤) قولہ ومن یکرہ ان یعود فی الکفر۔

تفصیل المباحث:

بحث اول: ثلث: اشکال یہ ہے کہ "ثلث" نکرہ ہے اور نکرہ مبتدا واقع نہیں ہوتا؟

جواب: یہ نکرہ محضہ نہیں ہے بلکہ نکرہ مخصصہ ہے۔ تقدیر عبارت یہ ہے کہ "خصال ثلث" یا تنوین مضاف الیہ کے عوض میں آئی ہے یعنی "ثلث خصال" یا تنوین تعظیم کیلئے ہے۔ یا "ثلث" موصوف ہے شرط اور جزا اس کیلئے صفت ہے موصوف اپنی صفت سے ملکر مبتدا ہے اور "من کان اللہ ورسولہ" اس کی خبر ہے۔

جواب (۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ در حقیقت ہر جگہ نکرہ کو مبتدا بنانا ممنوع نہیں ہے نکرہ چونکہ غیر واضح ہے اس لئے اس کے مبتدا بنانے میں فائدہ نہیں ہے لیکن اگر نکرہ کو مبتدا بنانے میں کوئی فائدہ ہو تو وہاں پر نکرہ کو مبتدا بنایا جا سکتا ہے جیسے کہ علامہ رضی نے فرمایا ہے کہ "فاذا حصلت الفائدۃ فاخبر عن ای نکرۃ شئت وذلک لان الغرض من الکلام افادۃ المخاطب فاذا حصلت جاز الحکم سواء تخصص المحکوم علیہ بشیء اولا"

طرح جب نماز کا وقت ہو جاتا تو صحابہ کرام ﷺ کی طبیعت نماز کی طرف مائل ہو جاتی وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات انشراح صدر اور سہولت کے ساتھ ادا کرتے بہرحال ہر کسی نے اپنی حالت کے مطابق حلاوت کی تفسیر کی ہے لیکن امور شرعیہ چونکہ صحابہ کرام کی طبیعت بن گئے تھے اس لئے ان کو حلاوت حسی حاصل تھی۔

بحث ثالث :یعنی من کان الله ورسوله احب الیه مما سواھما کی تفصیل:

یہاں پر ایک اشکال ہے وہ یہ کہ یہاں پر اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کو ایک ضمیر میں جمع کیا ہے جبکہ ابوداود میں ایک روایت ہے کہ ایک خطیب آئے اور انہوں نے یہ خطبہ پڑھا "من یطع الله ورسوله فقد رشد ومن یعصهما" تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ "بئس الخطیب انت وقل ومن یعص الله ورسوله فقد غوی" اسی طرح نبی کریم ﷺ نے خود بھی خطبہ میں "ومن یعصهما" کا لفظ ارشاد فرمایا ہے تو ایک طرف اللہ اور رسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنے سے منع فرمایا ہے اور دوسری طرف خود حدیث شریف دونوں کو ایک ضمیر میں جمع کیا ہے تو اس میں تطبیق کی کیا صورت ہوگی؟

اس اشکال کے تین جواب دئے گئے ہیں۔

جواب(۱): علامہ عینی نے فرمایا ہے کہ ایک مقام ہے کمال ایمان کا اور ایک مقام ہے عصیان کا اور دونوں میں فرق ہے کمال ایمان کے مقام میں دونوں کو ایک ضمیر میں جمع کرنا ضروری ہے اس لئے کمال ایمان ایک کی محبت سے حاصل نہیں ہوتی کیونکہ اللہ اور رسول ﷺ کی محبت لازم اور ملزوم ہیں کقوله تعالیٰ "قل ان کنتم تحبون الله فاتبعونی" اور مقام عصیان میں ایک کی نافرمانی بھی باقی ہے خسران اور ہلاکت کیلئے علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس جواب کو پسند کیا ہے۔

جواب(۲): دوسرا جواب یہ ہے کہ خطیب نے "ومن یعصهما" پر وقف کیا تھا وقف کی غلطی کی بناء پر حضور ﷺ نے اس کو منع کیا تھا اس لئے اس سے معنوی قباحت اور خرابی لازم آرہی ہے۔

جواب(۳) تیسرا جواب امام طحاوی نے دیا ہے کہ خطیب نے "اللہ اور رسول ﷺ" کو ایک ضمیر میں جمع کیا تھا جس میں شرک کا ابہام نکلتا ہے اور نبی کریم ﷺ کے کلام میں چونکہ شرک کا شائبہ نہیں ہو سکتا اس لئے نبی کریم ﷺ نے "ومن یعصهما" فرمایا ہے

بحث رابع کی تفصیل :یعنی ومن یکره ان یعود فی الکفر

عود فی الکفر سے کیا مراد ہے؟ تو مسلم ہی تو عود فی الکفر ہو سکتا ہے جبکہ پیدائشی (ابائی) مسلمان میں عود فی الکفر نہیں ہو سکتا اس لئے کہ عود کے معنی ہیں پچھلی حالت کی طرف لوٹنا جب وہ پہلے کافر ہی نہیں ہے تو اس کی طرف عود کا کیا معنی؟

اس کے تین جوابات دئے گئے ہیں۔

وان يحصل بجميع شرائع الاسلام بامتثال الاوامر واجتناب الزواجر وان يتبع المحبوب حق متابعته في سننه وآدابه واسلافه ومعاشرته والزهد في الدنيا والتوجه الكلي الى المولى" یہ سب کچھ رضا کا درجۂ کمال۔

اس حدیث رضاء میں تین چیزیں ذکر ہوئی ہے قبر کا جنت کا باغات میں سے ایک باغ بن جاتا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا بن جانا جیسے کہ ایک حدیث شریف میں آیا ہے "القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر النار" یہ اس پر موقوف ہے۔ اس کے متعلق علامہ دیلمیؒ نے مسند فردوس میں عبداللہ بن عمرؓ کی ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے "لقنوا انفسكم قول لا اله الا الله وان محمدا رسول الله وبالله ربا وبالاسلام دينا فانكم تسئلون عنها في قبوركم"

علامہ قشیریؒ نے فرمایا ہے کہ اہل خراسان کے نزدیک رضا توکل کا وہ انتہائی مقام ہے کہ وہاں تک پہنچنا کسب اور ریاضت سے ہوتا ہے اور اہل عراق کے نزدیک رضا، ان حالات میں سے ایک حال ہے جو باری تعالیٰ کی طرف سے قلب پر وارد ہوتے ہیں کسب اور ریاضت کے بغیر۔

علامہ قشیریؒ نے ان دونوں کے قولوں کے درمیان یہ تطبیق دی ہے کہ رضا، ابتداء کے اعتبار سے وہ مقام ہے جہاں تک پہنچنا ہے آدمی کے کسب اور ریاضت سے ہوتا ہے اور انتہاء کے اعتبار سے ایک حال ان حالات میں سے جو باری تعالیٰ کی طرف سے قلب پر نازل ہوتے ہیں کسب اور ریاضت کے بغیر یعنی اختیاری اور کسبی نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انعام ہے۔

فائدہ ذاق: علامہ طیبیؒ نے فرمایا ہے کہ ذوق کا استعمال ان چیزوں میں ہوتا ہے جس کا تناول کم ہو اور "اکل" کا استعمال ان چیزوں میں ہوتا ہے جس کا تناول زیادہ ہو۔ نیز ذوق اصابت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے کہ باری تعالیٰ کے اس قول میں "واذا اذقنا الانسان منا رحمة فرح بها" یہاں پر اذاقہ رحمت و نعمت کے معنی میں استعمال ہوا ہے اسی طرح ذوق عذاب کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے کقوله تعالى "ليذوقوا العذاب"۔

ربا: رب کے معنی ہے تربیت کرنے والا اور "رب حقیقی" وہ ذات ہے جو کسی چیز کی تربیت کرتی ہے "شیئا فشیئا" اور مضرت کو دفع کرتی ہے اور وصول الی الخیر کرتی ہے اور اس کا منشا شفقت ہے۔ اس حدیث کا مضمون اگلی حدیث کے قریب ہے۔

حدیث: وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ "وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا يَسْمَعُ بِي أَحَدٌ مِنْ هَذِهِ الْأُمَّةِ يَهُودِيٌّ وَلَا نَصْرَانِيٌّ ثُمَّ يَمُوتُ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ إِلَّا كَانَ مِنْ أَصْحَابِ النَّارِ" (رواه مسلم)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے اس امت میں سے جو شخص بھی خواہ وہ یہودی ہو یا نصرانی، میری نبوت کی خبر پائے اور میری لائی ہوئی شریعت پر ایمان لائے بغیر مر جائے وہ دوزخی ہے۔

تشریح: اس حدیث شریف کا مفہوم اور مقصود یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان سب پر فرض ہے۔ یہودی اور نصرانی کا ذکر خاص طور پر اس لئے کیا ہے کہ یہ اہل کتاب ہیں جب وہ نبی کریم ﷺ پر ایمان نہیں لاتے تو محض ان کا اہل کتاب ہونا ان کی نجات کیلئے کافی نہیں ہے چاہے یہودی ہو یا نصرانی یا اہل کتاب کے علاوہ کوئی اور ہو۔ لہذا اس سے اہل کتاب کی بات غلط ثابت ہوگئی کہ پیغمبر بھیجا تو امیوں کیلئے ہے تو خلاصہ کلام یہ ہوا کہ نجات کا ذریعہ نبی کریم ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا فرض ہے چاہے اہل کتاب ہو یا غیر اہل کتاب لہذا نبی کریم ﷺ کی بعثت پوری امت کیلئے ہے چاہے امت دعوت ہو یا امت اجابت۔

امت دعوت اس کو کہتے ہیں کہ جس کی طرف نبی کریم ﷺ کی بعثت ہوئی ہو چاہے انہوں نے حضور ﷺ پر ایمان لایا ہو یا نہ ہو۔

اور امت اجابت اس کو کہتے ہیں کہ جنہوں نے حضور ﷺ پر ایمان لایا ہو۔

قولہ والذی نفس محمد بیدہ: اس سے اس بات کی تردید ہوگئی کہ نبی کریم ﷺ مختار کل ہیں کیونکہ اگر آپ ﷺ مختار کل ہوتے تو آپ ﷺ کی جان آپ کے قبضہ میں ہوتی۔

اس حدیث شریف میں لفظ "ید" استعمال ہوا ہے اور یہ لفظ متشابہات میں سے ہے اور متشابہات کے متعلق علماء کرام کے دو مسلک ہیں (۱) متقدمین کا مسلک۔ ان کے نزدیک متشابہات کی حقیقت اور کیفیت مفوض الی اللہ ہے۔ ید سے مراد ید ہے لیکن کما یلیق بشانہ لا کید المخلوق۔

متقدمین کا مذہب اسلم ہے کہ محفوظ ہے۔

(۲) متاخرین کا مسلک یہ ہے کہ اس میں مناسب تاویل کی جائے گی متاخرین کا مذہب عقلاً معقول کیلئے محکم ہے۔

متقدمین اور متاخرین کے درمیان یہ اختلاف، اختلاف عصری اور اختلاف زمانی ہے اس لئے کہ متقدمین کے زمانے میں لوگ سلیم الطبع تھے اور بدعت سے کوسوں دور تھے اور وہ متشابہات سے غلط مقصد نہ لیتے تھے تو اس میں تاویل کرنے کی ضرورت نہ تھی اور متاخرین کے دور میں اہل بدعت کی کثرت ہوگئی اور وہ متشابہات سے غلط مقصد لیتے تھے اور اللہ تعالیٰ کیلئے جسم ثابت کرنے لگے اسی طرح جسم کے اوصاف ثابت کرنے لگے تو اس ضرورت کی وجہ سے انہوں نے مناسب تاویل کی کہ مراد "ید" سے قدرت ہے اس لئے کہ اکثر قدرت کا ظہور ید سے ہوتا ہے تو ید قدرت کا مظہر ہے۔

قولہ لا یسمع بی یہودی ولا نصرانی: اس عبارت کی تقدیر اس طرح ہے "لا یسمع بی من ھذہ الامۃ یہودی ولا نصرانی یسمع [illegible] ثم یموت الخ" یہ من ھذہ الامۃ باعتبار متعلق صفت ہے احد کیلئے یہ مجموعہ بدل منہ ہے اور یہودی ولا نصرانی بدل ہے اور ولا نصرانی عطف ہے نفی نفی کے قائل پر تا کہ یہ اعتراض لازم نہ ہو کہ یہ تو منفی کا عطف ہے مثبت پر اور امت سے مراد امت دعوت ہے جیسے کہ علامہ طیبیؒ نے ذکر کیا ہے اور اس پر قرینہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں آگے

فرمایا ہے کہ "ثم لم یؤمن بالذی ارسلت بہ"

یہودی اور نصرانی کی تخصیص کی دو وجہیں ہیں (۱) یہ کہ زیادت قباحت کیلئے ہے کہ یہ لوگ علم کے باوجود انکار کرتے ہیں تو بڑے بے وقوف ہیں۔

(۲) یہ کہ جب اہل کتاب آپ کی رسالت کے مکلف ہیں تو غیر اہل کتاب تو آپ ﷺ پر ایمان لائے بغیر نجات کیسے پا سکتے یعنی جب اہل کتاب کو آپ ﷺ پر ایمان لائے بغیر نجات نہیں مل سکتی تو غیر اہل کتاب کو آپ ﷺ پر ایمان لائے بغیر کیسے نجات مل جائے گی۔

حدیث - وعن ابی موسیٰ الاشعری قال قال رسول اللہ ﷺ ثلاثۃ لہم اجران رجل من اہل الکتاب آمن بنبیہ وآمن بمحمد والعبد المملوک اذا ادی حق اللہ وحق موالیہ ورجل کانت عندہ امۃ یطؤہا فادبہا فاحسن تادیبہا وعلمہا فاحسن تعلیمہا ثم اعتقہا فتزوجہا فلہ اجران۔ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا تین شخص ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ دو دو اجر دیں گے اس اہل کتاب کو جو پہلے اپنے نبی پر رکھتا تھا پھر محمد (ﷺ) پر ایمان لایا۔ اس غلام کو جو اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کرے اور اپنے آقاؤں کے حق کو بھی ادا کرتا رہے۔ اس شخص کو جس کی کوئی باندی تھی اور وہ اس سے صحبت کرتا تھا پس اس کو اچھا ادب سکھایا پھر اس کو خوب اچھی طرح تعلیم دی اور پھر اس کو آزاد کرکے اس سے نکاح کرلیا تو یہ بھی دوہرے اجر کا حقدار ہوگا

تشریح : ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام عبداللہ بن قیس اشعری رضی اللہ عنہ ہے اشعری منسوب ہے قبیلہ بنو اشعر کی طرف مکہ مکرمہ میں مشرف باسلام ہوئے تھے اور حبشہ کی طرف ہجرت بھی کی تھی ۲۰ھ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بصرہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا اور اہواز آپ کے ہاتھ پر فتح ہوا تھا آپ کی وفات ۵۲ھ میں ہوئی ہے۔

مفہوم الحدیث: اس حدیث شریف میں چند مباحث قابل وضاحت ہیں۔

(۱) ثلثہ (۲) لہم اجران (۳) حق موالیہ (۴) اہل کتاب سے کون مراد ہیں؟

تفصیل المباحث: (۱) قولہ ثلثۃ ای ثلثۃ اشخاص ۔ اس پر اشکال یہ ہے کہ قرآن کریم میں ازواج مطہرات کیلئے بھی یہ حکم ذکر ہوا ہے "ومن یقنت منکن للہ ورسولہ وتعمل صالحا نؤتہا اجرہا مرتین" یہ تو چار ہوگئے بلکہ بعض علماء نے تحقیق سے چار سے زیادہ بتائے ہیں۔ تو پھر ثلاثہ کی تخصیص کہاں رہی؟

جواب: حدیث شریف میں تین کی تحدید اور حصر مقصود نہیں ہے بلکہ "ثلثہ" کا عدد ان تین اعمال کے اہتمام ظاہر کرنے کیلئے آیا ہے اور مقتضی حال کے مطابق "ثلثہ" کا عدد ذکر کردیا۔

جز ہو چکی ہے جو یہاں مذکور نہیں ہے۔

جواب: اس سے مراد اعلاء کلمۃ اللہ ہے اور اس کی کئی صورتیں ہیں۔ جیسے قبول کرنا توحید اور رسالت کا اقرار کرنا اس کی طلب و مطالبہ کی طلب دعوی ہونا وغیرہ۔ یہاں پر اعلاء کلمۃ اللہ کی سب سے اعلی صورت کا بیان اور قبول کا ذکر کرنا مقصود ہے اور اس سے مراد مطلق اعلاء کلمۃ اللہ ہے یعنی خاص بول کر عام مراد لیا گیا ہے۔

(۳) قولہ ویقیموا الصلوٰۃ ویؤتوا الزکوٰۃ: اس پر دو اشکال ہیں۔ پہلا اشکال یہ ہے کہ اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ مذکورہ چار کام کرنے یعنی توحید و رسالت کا اقرار، اقامت صلوٰۃ، اور ایتاء زکوٰۃ کا عامل ہمیشہ محفوظ الدم ہوگا اگرچہ دوسرے ضروریات دین کا انکار کر رہا ہو۔

جواب اقرار رسالت مستلزم ہے "جمیع ما جاء به النبی ﷺ" کو اس لئے کہ امام بخاریؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ "حتی یشهدوا ویؤمنوا بی وبما جئت به"

جواب (۲) یہ ہے کہ الا بحق الاسلام باقی تمام احکام کو شامل ہے۔

دوسرا اشکال یہ ہے کہ اس حدیث شریف میں صوم اور حج کا ذکر نہیں ہے حالانکہ وہ بھی ارکان اسلام میں سے ہیں۔

جواب (۱) یہ ہے کہ اس وقت صوم اور حج فرض نہیں ہوئے تھے۔

جواب: (۲) یہ ہے کہ یہاں اصول ذکر کئے گئے ہیں کہ صلوٰۃ عبادت بدنی کی اصل ہے تو روزہ بھی اس میں داخل ہے کیونکہ وہ بھی عبادت بدنی ہے اور زکوٰۃ عبادت مالی کی اصل ہے تو اس میں حج بھی داخل ہے۔

تارک صلوٰۃ کا حکم اس حدیث شریف سے فقہاء نے نماز کا حکم نکالا ہے چنانچہ تارک صلوٰۃ دو قسم پر ہے تارک صلوٰۃ استحلالاً یعنی ایک آدمی نماز ترک کرتا ہے وہ اس ترک کو جائز سمجھتا ہے اور فرضیت سے انکار کرتا ہے تو تارک صلوٰۃ استحلالاً بالاجماع کافر ہے

(۲) تارک صلوٰۃ تکاسلاً یعنی ایک آدمی نماز کو فرض مانتا ہے اور چھوڑنے کو ناجائز سمجھتا ہے لیکن سستی کی وجہ سے نماز نہیں پڑھتا تو تارک صلوٰۃ تکاسلاً کے بارے چار اقوال ہیں۔

(۱) امام احمد، عبداللہ بن مبارک، اسحٰق بن راہویہ ان حضرات کا مذہب یہ ہے کہ قصداً بغیر عذر کے نماز چھوڑنے والا کافر ہے اس کو ردت کی وجہ سے قتل کیا جائے گا یہ قول حضرت علیؓ سے بھی منقول ہے۔

(۲) امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک تارک صلوٰۃ تکاسلاً کافر نہیں ہے لیکن وہ فاسق ہے اس کو سزا دیا جانا چاہئے اور قتل کرنا چاہئے لیکن اس کا قتل کرنا ردت کی وجہ سے نہ ہوگا بلکہ حد کی وجہ سے ہوگا

دلیل: ومن لم یات بهن فلیس له علی الله عهد ان شاء عذبه وان شاء غفر له (ابوداؤد، احمد، نسائی بحوالہ مشکوٰۃ ص ۵۸)

تو وہ پہلے سے پڑھتا ہے بحث تو اس شخص کے بارے میں ہے جو کلمہ پڑھتا ہے لیکن نماز نہیں پڑھتا۔ امام احمدؒ نے فرمایا کہ پھر اس کی توبہ کی صورت یہ ہے کہ نماز شروع کر دے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ وہ تو کافر ہے اور کافر نماز کا اہل نہیں ہوتا۔ امام احمدؒ نے جواب نہیں دیا اور خاموش ہو گئے۔

امام شافعیؒ کے فرمان کا مقصد یہ ہے کہ تارک صلوٰۃ کو کافر و مرتد کہنے کی صورت میں اس کے مسلمان ہونے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

وَعَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ مَنْ صَلَّى صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَأَكَلَ ذَبِيحَتَنَا فَذَلِكَ الْمُسْلِمُ الَّذِي لَهُ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُولِهِ فَلَا تُخْفِرُوا اللهَ فِي ذِمَّتِهِ (رواہ البخاری)

ترجمہ: اور حضرت انس بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا ﷺ نے فرمایا جو شخص نماز پڑھے ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے اور ہمارے ذبیحوں کو کھائے وہ مسلمان ہے وہ اللہ اور اللہ کے رسول کے عہد وامان میں ہے پس جو شخص اللہ کے امان میں ہے تم اس کے ساتھ عہد شکنی مت کرو۔

تشریح: اس حدیث شریف میں چند جملوں کی وضاحت ضروری ہے (۱) من صلی صلوتنا (۲) واستقبل قبلتنا (۳) واکل ذبیحتنا (۴) فلا تخفروا اللہ فی ذمتہ۔

قولہ من صلی صلوتنا: اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ جو نماز پڑھتا ہے شریعت محمدی ﷺ کے مطابق یعنی اس میں رکوع کرتا ہو کیونکہ یہود نماز میں رکوع نہیں کرتے۔ اور پنج وقتہ نماز پڑھتا ہو اس لئے کہ پچھلی امتوں میں دو یا تین نمازیں ہوتی تھیں اور اس طرح کی نماز موقوف ہے توحید کے اقرار اور نبوت کے اعتراف پر اور نبوت کا اعتراف مستلزم ہے تمام اسلامی احکام کے اعتراف کو۔ اسی وجہ سے نماز اسلام کی علامت قرار دے دیا گیا۔ عبادت کا مفہوم تمام واجب کو شامل ہے نماز کی صفت کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ان الصلوٰۃ تنھی الخ"

قولہ واستقبل قبلتنا: یہ اس لئے فرمایا کہ اہل کتاب قبلہ کا رخ نہیں کرتے یعنی نماز میں ہمارے قبلہ کی طرف رخ کرتا ہو اگرچہ نماز قبلہ کو مستلزم ہے تو وجہ یہ ہے کہ بعض افعال نماز مثلاً قیام وغیرہ امت محمدیہ کے ساتھ خاص نہیں ہیں بلکہ سابقہ امتیں بھی یہ کام کرتی تھیں اس لئے استقبال قبلہ کا ذکر الگ کر دیا کیونکہ تحویل قبلہ امت محمدیہ کی خصوصیت ہے۔

قولہ واکل ذبیحتنا: اکل ذبیحہ مشتمل ہے عبادت اور عادت دونوں کو مشتمل ہے نبی کریم ﷺ نے ایسا امر (امتیاز کرنے والا) ذکر کیا جو اہل ایمان کی تمیز کرے عادات میں کہ مسلمانوں کی عادت یہ ہے کہ ذبیحہ کھاتے ہیں اس لئے کہ بعض کفار مسلمانوں کا ذبیحہ نہیں کھاتے پہلے جو تمیز ذکر کیا تھا وہ صرف عبادت کے اعتبار سے تھا اور یہاں پر جو تمیز ذکر کیا ہے یہ عادت کے اعتبار سے

تفہیم الحدیث: قولہ قل لی فی الاسلام قولاً لا اسئل عنہ:

یہاں پر اسلام سے اسلام کی حقیقت اور ماہیت مراد نہیں ہے بلکہ احکام اسلام مراد ہیں، سوال کا مطلب یہ ہے کہ مجھے احکام اسلام کے بارے میں ایسا جامع کلام بتلا دیجئے جس پر میں عمل کر سکوں تاکہ آپ کے علاوہ کسی اور سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے۔

قال قل آمنت باللہ ثم استقم: حدیث شریف کے یہ الفاظ جوامع الکلم سے شمار کیے جاتے ہیں، یہ حدیث شریف مشتمل ہے تمام ایمانیات اور تمام طاعات پر، ایمانیات کا ذکر "آمنت باللہ" میں موجود ہے اور طاعات کا ذکر "ثم استقم" میں موجود ہے

استقامت کا مفہوم: استقامت نام ہے تمام مامورات پر عمل کرنا اور تمام منہیات سے اجتناب کرنا یعنی پوری شریعت کی پابندی کرنے کو استقامت کہتے ہیں چنانچہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا" (سورہ ہود آیت ۱۱۲) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استقامت کا ترجمان الفاظ کے ساتھ کیا ہے "ان لا تروغ روغان الثعلب" حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا "سورۃ ہود نے مجھے بوڑھا کر دیا یعنی "فاستقم کما امرت ومن تاب معک" اگر شریعت سے ادھر ادھر ہو گیا تو استقامت نہ رہی اسی وجہ سے حضرات صوفیاء کرام نے فرمایا ہے کہ "الاستقامۃ خیر من الف کرامۃ" (المرقات ج۱ ص ۱۰۵)۔

لطیفہ: بغداد میں ایک چور کو پھانسی دی جا رہی تھی اور وہ تختہ دار پر لٹک رہا تھا کہ حضرت جنید بغدادیؒ وہاں سے گزر رہے تھے انہوں نے پوچھا کہ کیا ہو رہا ہے لوگوں نے بتایا کہ چور کو پھانسی دی جا رہی ہے حضرت جنید بغدادیؒ نے اس کے پاؤں کو بوسہ دیا لوگوں نے کہا کہ حضرت یہ تو چور تھے حضرت نے فرمایا کہ میں نے اس کے پاؤں کو بوسہ نہیں دیا ہے بلکہ میں نے اس کی استقامت کو بوسہ دیا ہے کہ اس کی استقامت نے اس کو یہاں تک پہنچا دیا اگر اس پر دوسری جانب محنت ہو جاتی یعنی اللہ کی جانب تو کیا اچھا ہوتا۔

وَعَنْ طَلْحَةَ بْنِ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُولِ اللهِ ﷺ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ ثَائِرَ الرَّأْسِ نَسْمَعُ دَوِيَّ صَوْتِهِ وَلَا نَفْقَهُ مَا يَقُولُ حَتَّى دَنَا مِنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ فَإِذَا هُوَ يَسْأَلُ عَنِ الْإِسْلَامِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ خَمْسُ صَلَوَاتٍ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُنَّ فَقَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ وَصِيَامُ شَهْرِ رَمَضَانَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهُ قَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ وَذَكَرَ لَهُ رَسُولُ اللهِ ﷺ الزَّكَاةَ فَقَالَ هَلْ عَلَيَّ غَيْرُهَا فَقَالَ لَا إِلَّا أَنْ تَطَوَّعَ قَالَ فَأَدْبَرَ الرَّجُلُ وَهُوَ يَقُولُ وَاللهِ لَا أَزِيدُ عَلَى هٰذَا وَلَا أَنْقُصُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أَفْلَحَ الرَّجُلُ إِنْ صَدَقَ (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل نجد میں سے ایک شخص رسول کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا جس کے سر کے بال پریشان تھے ہم اس کی آواز کی گنگناہٹ تو سن رہے تھے لیکن یہ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ آپ ﷺ سے کیا کہہ رہا ہے یہاں تک کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے بالکل قریب پہنچ گیا تو ہم نے سنا کہ وہ اسلام کے بارے میں سوالات کر رہا ہے رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا "دن رات کی پانچ نمازیں ہیں۔ اس شخص نے کہا کیا ان نمازوں کے سوا مجھ پر کچھ اور نمازیں بھی فرض ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں مگر نفل نمازیں پڑھنا تمہیں اختیار ہے پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا " اور رمضان کے روزے ہیں اس شخص نے کہا کیا ان روزوں کے علاوہ کچھ اور روزے مجھ پر فرض ہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں مگر نفل روزے کا تمہیں اختیار ہے راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے بعد زکوۃ کا ذکر فرمایا اس نے عرض کیا کہ اس کے علاوہ بھی مجھ پر کوئی صدقہ فرض ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں مگر نفل صدقہ کا تمہیں اختیار ہے اس کے بعد وہ شخص یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ خدا کی قسم میں نہ تو اس پر کچھ زیادتی کروں گا اور نہ اس میں کچھ کمی کروں گا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر اس شخص نے سچ کہا ہے تو نجات پا گیا ہے یا وہ کامیاب ہو گیا۔

تشریح طلحہ بن عبیداللہ کے مختصر حالات: ابو محمد حضرت طلحہ بن عبیداللہ قرشیؓ قدیم الاسلام صحابی ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں جنگ بدر کے علاوہ تمام غزوات میں شریک ہوئے ہیں جنگ احد میں نبی کریم ﷺ کے دفاع میں آپ کے بدن پر ۲۴ یا ۷۵ زخم لگے ہوئے تھے ۲۰ جمادی الاخریٰ ۳۶ھ میں جنگ جمل میں ۶۴ سال کی عمر میں شہید ہوئے تھے (مرقات ج ۱ ص ۵۶)

تشریح الحدیث: قولہ جاء رجل الی رسول اللہ ﷺ: حافظ ابن عبدالبر، ابن بطال، قاضی عیاضؒ نے فرمایا ہے کہ یہ آدمی "ضمام بن ثعلبہ" تھے یہ اپنے قبیلے سعد ابن بکر کی نمائندگی کیلئے آئے تھے۔ حضرت انس کی حدیث میں اس کی تصریح موجود ہے کہ "انا ضمام بن ثعلبہ"

(بخاری شریف کتاب العلم باب القراءة والعرض علی المحدث)

قولہ من اهل نجد: عرب کی زمین دو حصوں میں تقسیم ہے۔ تہامہ یعنی گہری نیچی زمین۔ نجد یعنی بلند زمین لیکن یہاں پر نجد سے وہ علاقہ مراد ہے جو حجاز مکہ اور عراق کے درمیان میں واقع ہے

قولہ ثائر الراس: یہ عبارت اگر مرفوع پڑھی جائے تو یہ صفت ہوگی "رجل" کیلئے اور اگر منصوب پڑھی جائے تو پھر یہ منصوب ہوگی بنا بر حالیت "رجل" سے یہاں پر "راس" سے سر کے بال مراد ہیں یعنی محل ذکر کر کے حال مراد لیا گیا ہے اور یہ مجاز ہوتا ہے اور یہاں پر مضاف محذوف ہے یعنی "ثائر شعر الراس" یعنی اس کے سر کے بال پراگندہ تھے طول سفر کی وجہ سے اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ طالب علم کو تحصیل علم کے دوران اگر تکلیف پہنچے تو اس میں تامل نہ کرنا چاہئے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ طالب علم کو سادگی اختیار کرنا چاہئے۔ زیب و زینت کا شوق معیوب ہے لیکن یہ بھی یاد رکھے کہ سادگی کے وہ میلے کچیلے رہنے کا نام نہیں ہے۔

قولہ دوی صوتہ: دوی اصل میں شہد کی مکھی کی بھنبھناہٹ کو کہا جاتا ہے یہاں مقصد یہ ہے کہ ان کی آواز کی بھنبھناہٹ سن رہے تھے اس وجہ سے کہ وہ ہم سے دور تھے یا اس کی آواز ضعیف تھی کہ ہم سمجھ نہیں سکتے تھے کہ اس نے اس کی طلب میں

وضیت معلوم ہوری ہے یا یہ مقصد ہے کہ یہ شخص اپنی قوم کی نمائندگی کیلئے آیا تھا اور نبی کریم ﷺ کو اپنی قوم کے حالات بتا رہے تھے اور جب نبی کریم ﷺ کے قریب ہوئے تو اسلام کے احکام اور فرائض کے بارے میں سوال کر رہے تھے۔ یہاں پر اسلام سے سوال کرنے سے اسلام کی حقیقت کے بارے میں سوال کرنا نہیں ہے بلکہ اسلام کے احکامات کے بارے میں سوال کرنا مراد ہے اور اس کی تفسیر میں امام بخاریؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ اس نے یوں سوال کیا تھا "اخبرنی ماذا فرض الله علی" (مرقاۃ ج ۱ ص ۱۰۷)

اور نبی کریم ﷺ نے بھی اس کے جواب میں اسلام کے احکام اور فرائض ذکر کئے اور فرمایا کہ اسلام کے ارکان اور فرائض پانچ ہیں جس کی ابتدا صلوۃ سے کی اور شہادتین کا ذکر اس لئے نہ کیا کہ سائل پہلے سے صفت ایمان کے ساتھ متصف تھے یعنی شہادتین ذکر کرنے کی ضرورت نہیں تھی اور حج کا ذکر اس لئے نہیں فرمایا کہ ابھی تک حج فرض نہیں ہوا تھا۔

قوله فقال هل على غيرهن فقال لا الا ان تطوع: اس مقام پر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں پر تو وتر کا ذکر موجود نہیں ہے اس سے شوافع کے مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ وتر واجب نہیں ہے بلکہ سنت ہے؟

جواب (۱) یہاں پر فرائض کا بیان کرنا مقصود ہے اور وتر فرض نہیں ہے بلکہ واجب ہے۔

(۲) وتر عشاء کا تابع ہے۔

(۳) یہ واقعہ وتر کے واجب ہونے سے پہلے کا ہے۔

قوله قال وذكر له رسول الله ﷺ الزكوة: وذكر له رسول الله ﷺ یہ قول راوی کا ہے یعنی راوی آپ ﷺ کے الفاظ بھول گئے ہیں یعنی راوی نے روایت باللفظ نہیں کی بلکہ روایت بالمعنی کی ہے اور اس روایت کی طرف اجمالاً اشارہ کیا ہے کیونکہ جب الفاظ یاد نہیں رہتے تو پھر اس کی طرف اجمالاً اشارہ کیا جاتا ہے۔

قوله افلح ان صدق: اشکال یہ ہے کہ یہ روایت طلحہ بن عبیداللہ ؓ کی ہے اور پہلے حضرت ابوہریرہ ؓ کی روایت گزری ہے اس میں خوشخبری مطلق تھی اور اس میں خوشخبری مقید ہے ان دونوں میں کیا فرق ہے؟

جواب: (۱) امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ دونوں روایتوں کا سیاق اور طرز بیان مختلف ہے دونوں میں ایک واقعہ کا ذکر نہیں ہے بلکہ دونوں الگ الگ واقعے ہیں۔ امام نوویؒ اور مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی بھی یہی رائے ہے کہ دونوں الگ الگ واقعے ہیں۔ (فتح الباری ج ۱ ص ۹۹)

(۲) یا سائل کے سامنے تو خوشخبری مقید کر کے ذکر کیا ہے لیکن سائل کے چلے جانے کے بعد اس کو مطلق ذکر کیا ہے تا کہ سائل مغرور نہ ہو۔

شعب میں پیدا ہوئے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر ایک قول کے مطابق ۱۳ سال تھی اور ایک قول کے مطابق ۱۵ سال تھی جبکہ ایک قول کے مطابق ۱۰ سال تھی (مرقات ج ۱ ص ۱۵۱)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اس امت کی بہترین شخصیت اور متبحر عالم تھے نبی کریم ﷺ نے ان کیلئے حکمت، تفقہ فی الدین اور تفسیر میں مہارت کی دعا کی تھی یہی وجہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ رئیس المفسرین شمار کئے جاتے ہیں اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو اپنے قریب بٹھاتے تھے اور بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ان سے بھی مشورہ لیتے تھے (مرقات ج ۱ ص ۱۵۹)

حضرت مسروق (جو کہ بڑے تابعی ہیں) فرماتے ہیں "اذا رأیت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ قلت اجمل الناس فاذا تکلم قلت افصح الناس فاذا تحدث قلت اعلم الناس"

آپ کی وفات ۶۸ھ میں ۷۱ سال کی عمر میں حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں طائف میں ہوئی۔

تشریح الحدیث: قولہ ان وفد عبد القیس: وفد وافد کی جمع ہے اور یہ قوم کی اس جماعت کو کہا جاتا ہے جو کسی اہم بات کے سلسلہ میں بادشاہ یا حاکم کے پاس بھیجی جاتی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ وفد ایک معزز جماعت کو کہا جاتا ہے۔

عبد القیس یہ ایک بہت بڑا قبیلہ تھا اپنے باپ کے نام سے مشہور ہے اس کی انتہا "ربیعہ بن نزار بن معد بن عدنان" پر ہوتی ہے ربیعہ بہت بڑا قبیلہ تھا مضر کے مقابلے میں۔

وفد عبد القیس کی آمد کا وقت: یہ بحرین کا بہت بڑا قبیلہ ہے یہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے اب یہ کب حاضر ہوئے تھے اس میں اختلاف ہے اس میں مختلف اقوال ہیں۔

(۱) واقدی، قاضی عیاض، ابن شاہین، اور ابن سعد کا قول یہ ہے کہ یہ وفد ۸ھ میں حاضر ہوا تھا

(۲) جبکہ اکثر اہل مغازی مثلاً ابن اسحاق، ابن ہشام، حافظ ابن کثیر، اور حافظ ابن قیم نے یہ ذکر کیا ہے کہ یہ وفد ۹ھ میں حاضر ہوا تھا

(۳) ابن حبان، ابن اثیر، اور دیار بکری صاحب تاریخ خمیس نے ذکر کیا ہے کہ یہ وفد ۱۰ھ میں خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا

ان حضرات کے اقوال کا حاصل یہ ہے کہ یہ وفد ایک دفعہ حاضر ہوا تھا لیکن یہ بات تحقیق کے خلاف ہے اس لئے کہ ۸ھ میں مکہ مکرمہ فتح ہوا ہے اور فتح مکہ کے بعد لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہونا شروع ہو گئے تھے اب قبیلہ مضر کا خوف باقی نہیں رہا تھا حالانکہ مذکورہ روایت میں تصریح موجود ہے کہ انہیں قبیلہ مضر کا خوف دامن گیر ہے۔ لہذا صحیح بات یہ ہے کہ یہ وفد دو بار خدمت اقدس میں حاضر ہوا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا ہے کہ یہ ایک بار ۵ھ یا اس سے بھی پہلے خدمت میں حاضر ہوا تھا اور اس وقت یہ وفد ۱۳ افراد پر مشتمل تھا اور دوسری مرتبہ عام الوفود یعنی ۹ھ میں حاضر ہوا تھا اور اس وقت یہ وفد چالیس (۴۰) افراد پر مشتمل

قولہ انا لا نستطیع ان ناتیک الا فی الشہر الحرام :

الشہر الحرام میں الف لام جنسی ہے اور جنس کا اطلاق قلیل و کثیر سب پر ہوتا ہے اور یہاں پر تمام اشہر حرم مراد ہیں جیسا کہ بخاری شریف کتاب المغازی میں جمع کا صیغہ ذکر ہے "انا لا نصل الیک الا فی اشہر الحرم" (ج ۲ ص ۶۲۷) اور مسلم شریف کی روایت میں حضرت قتادہؓ سے بھی جمع کا صیغہ ذکر کیا ہے "لا نقدر علیک الا فی اشہر الحرم" (مسلم ج ۱ ص ۳۵)

یا الشہر الحرام میں الف لام عہدی ہے مراد اس سے ماہ رجب ہے اس لئے کہ سنن بیہقی میں تصریح موجود ہے ابوبکرہؓ کی روایت میں ہے کہ قبیلہ مضر والے رجب کا بے حد احترام کیا کرتے تھے اور رجب کا لفظ بھی قبیلہ مضر کا ہے اس میں کسی قسم کی تقدیم اور تاخیر نہیں کرتے تھے اور دوسرے مہینوں میں اپنے اغراض کیلئے تقدیم و تاخیر کیا کرتے تھے اور جس قبیلہ کا قبیلہ مضر کے ساتھ دشمنی ہوتی وہ ماہ رجب میں باہر نکلتے تھے اور سفر کیا کرتے اس وجہ سے وفد عبدالقیس نے مفرد کا صیغہ ذکر کیا ہے یعنی الشہر الحرام ۔

ربیعہ مضر اور عبدالقیس کا مختصر تعارف :

نبی کریم ﷺ کے اجداد میں سے ایک نزار بن معد بن عدنان تھے ان کے چار بیٹے تھے مضر، ربیعہ، ایاد، اور انمار۔ علی بن مغیرہ کہتے ہیں کہ جب نزار کی موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنا مال چاروں بیٹوں کے درمیان تقسیم کیا اور تقسیم کرتے وقت یہ کہا کہ یہ سرخ رنگ کا خیمہ اور اس کے مشابہ جو مال ہوگا وہ مضر کو ملے گا اس وجہ سے قبیلہ مضر کو مضر الحمراء بھی کہا جاتا ہے اور یہ کالے رنگ کا خیمہ اور اس کے مشابہ جو مال ہے یہ ربیعہ کو ملے گا اس وجہ سے قبیلہ ربیعہ کو ربیعۃ الفرس کہا جاتا ہے اور یہ باندی اور اس کا مشابہ جو مال ہے یہ ایاد کو ملے گا اور باندی کا رنگ ملا ہوا تھا یعنی سفیدی اور سیاہی دونوں ملی ہوئی تھیں اسی لئے ایاد کو ابلق (چت کبرے) گھوڑے ملے گئے اور یہ تھیلی اور یہ مجلس (جس میں اس وقت یہ مجلس لگی ہوئی تھی) انمار کو ملیں گے۔ اور پھر اپنے بیٹوں سے یہ کہا کہ اگر تمہارے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا تو آپ اپنا فیصلہ افعی بن افعی جرہمی سے کروائیں

(یہ نجران کے بادشاہ تھے)۔

علامہ سمعانی نے فرمایا ہے کہ ربیعہ اور مضر بہت بڑے قبیلے ہیں بہت سے علماء اور محدثین متقدمین اور متاخرین ان میں گزرے ہیں اور قبیلہ ربیعہ کی شاخوں میں سے سب بڑی شاخ عبدالقیس ہے جس کا وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور یہ قبیلہ بحرین میں رہا کرتا تھا اور مسجد نبوی ﷺ کے بعد سب سے پہلے جمعہ کی نماز ان کی مسجد میں پڑھی گئی ہے اور بخاری شریف کی روایت میں ہے "اول جمعة جمعت بعد جمعة فی مسجد رسول الله ﷺ فی مسجد عبدالقیس بجواثی من البحرین"

(بخاری ج ۱ ص ۱۲۲)

قولہ فمرنا بامر فصل : فصل مصدر ہے اور صفت ہے امر کیلئے اور مصدر کبھی بمعنی اسم فاعل ہوتا ہے اور کبھی بمعنی اسم مفعول، یہاں پر

کل وعاء غیر ان لا تشربوا مسکرا" (مسلم ج ۲ ص ۱۶۷)

یعنی اس روایت میں اس بات کی وضاحت موجود ہے کہ برتنوں کی حرمت لذاتہ مقصود نہیں ہے بلکہ وقتی طور پر ہے۔

ظروف کی تفصیل حنتم۔ حنتم کہتے ہیں مٹی کا چھوٹا مٹکا جو سبز رنگ کا ہو اور اس پر روغن لگا ہوا ہو۔

"دباء" کہتے ہیں کدو کو عرب لوگ اس کا گودا نکال کر خشک کر لیتے اور پھر اس میں شراب بناتے تھے۔

"نقیر" یعنی کھجور یا دوسرے درخت کی جڑوں کو کھوکھلا کیا جائے اور اس سے برتن بنائے جائے۔

"مـــزفـــت": مزفت کا ترجمہ صاحب غیاث نے رال کے ساتھ کیا ہے فیروز اللغات میں رال کا ترجمہ چیڑ کے گوند کے ساتھ کیا ہے اور چیڑ دیار کے درخت کو کہا جاتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا ہے کہ مزفت کا ترجمہ رال کے ساتھ کرنا صحیح نہیں ہے بلکہ یہ ایک الگ قسم کا تیل ہے جو بصرہ میں پیدا ہوتا تھا۔ جہاز اور کشتیوں پر ملا جاتا تھا تاکہ اس کے اندر پانی نہ آئے یا مزفت تارکول کی ایک قسم ہے (فیض الباری ج ۱ ص ۱۵۷)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ برتنوں کی حرمت وقتی طور پر تھی ہمیشہ اور مقصود لذاتہ نہیں تھی مذکورہ دلائل کے علاوہ مسلم شریف میں ایک روایت ہے "انہ قال نھیتکم عن النبیذ الا فی سقاء فاشربوا فی الاسقیۃ کلھا ولا تشربوا مسکرا" (مسلم ج ۲ ص ۱۶۶)
یعنی حکم کی انتہاء رخصت کی ابتداء کے ساتھ تھی۔

وَعَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَحَوْلَهُ عِصَابَةٌ مِنْ أَصْحَابِهِ بَايِعُوْنِيْ عَلَى أَنْ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوْا أَوْلَادَكُمْ وَلَا تَأْتُوْا بِبُهْتَانٍ تَفْتَرُوْنَهُ بَيْنَ أَيْدِيْكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ وَلَا تَعْصُوْا فِيْ مَعْرُوْفٍ فَمَنْ وَفٰى مِنْكُمْ فَأَجْرُهُ عَلَى اللّٰهِ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا فَعُوْقِبَ بِهٖ فِي الدُّنْيَا فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ أَصَابَ مِنْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَتَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ فَهُوَ إِلَى اللّٰهِ إِنْ شَاءَ عَفَا عَنْهُ وَإِنْ شَاءَ عَاقَبَهُ فَبَايَعْنَاهُ عَلٰى ذٰلِكَ (متفق علیه)

ترجمہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کی اس جماعت کو جو آپ ﷺ کے گرد بیٹھی ہوئی تھی فرمایا: مجھ سے ان باتوں پر بیعت کرو کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرو گے، چوری نہیں کرو گے، زنا نہیں کرو گے، اپنے بچوں کو قتل نہیں کرو گے، جان بوجھ کر کسی پر بہتان تراشی نہیں کرو گے، اور شریعت کے مطابق تمہیں جو احکام دوں گا اس کی نافرمانی نہیں کرو گے پس تم میں سے جو شخص اس عہد و اقرار کو پورا کرے گا اس کا اجر خدا کے ذمہ ہے اور جو شخص ان میں سے کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے اور پھر دنیا میں اس کو اس کی سزا بھی مل جائے تو یہ سزا اس کیلئے کفارہ ہو جائے گی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ نے ان میں

سے کسی چیز کا ارتکاب کرنے والے کے گناہ کی پردہ پوشی فرمائی تو اب یہ خدا کی مرضی پر منحصر ہوگا کہ چاہے تو وہ آخرت میں بھی درگزر فرمائے اور چاہے عذاب دے تو ہم نے آپ ﷺ سے بیعت کی۔

عبادہ بن صامت ؓ کے مختصر حالات: حضرت عبادہ بن صامت ؓ کا نام عبادہ بن صامت ہی ہے اور کنیت ابو الولید ہے آپ ؓ دو مرتبہ مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ بیعت کیلئے حاضر ہوئے تھے پہلی مرتبہ بیعت عقبہ اولی کے وقت اس وقت یہ بارہ آدمیوں کی جماعت تھی جبکہ بعثت کا بارہواں سال تھا اور حج کا موسم تھا اور دوسری مرتبہ بعثت کے تیرہویں سال ۷۰ آدمیوں پر مشتمل جماعت بیعت کیلئے حاضر ہوئی تھی۔

جب پہلی مرتبہ حضور ﷺ نے بارہ آدمیوں کے ساتھ بیعت کی اور وہ واپس مدینہ منورہ جانے لگے تو حضور ﷺ نے حضرت عبادہ بن صامت ؓ کو ان کا امیر مقرر کیا۔

حضرت عمر ؓ کے دور خلافت میں حمص کے قاضی رہے پھر فلسطین منتقل ہو گئے اور وہاں پر ۳۴ھ میں ۷۲ سال کی عمر میں وفات پا گئے۔

۳۴ھ میں ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی آپ کی کل مرویات ۱۸۱ ہیں۔

تشریح الحدیث: نبی کریم ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ حج کے موسم میں قبائل کے سرداروں کے ساتھ ملتے اور ان کو اسلام کی دعوت دیتے تھے معمول کے مطابق ایک دن نبی کریم ﷺ ایک جماعت کے پاس گئے اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے اور ان کو اسلام کی دعوت دی اور قرآن پاک تلاوت کی اس وقت یہ جماعت چھ آدمیوں پر مشتمل تھی اور قبیلہ خزرج کے آدمی تھے جب انہوں نے آپ ﷺ کی باتیں سن لیں تو وہ سمجھ گئے کہ یہ وہی شخصیت معلوم ہوتی ہے جن کا تذکرہ یہود کیا کرتے تھے ایسا نہ ہو کہ اس سعادت اور فضیلت میں یہود ہم سے سبقت لے جائیں چنانچہ وہ اٹھنے سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لائے اور یہ جمرہ عقبہ کے قریب کا واقعہ ہے اس مرتبہ انہوں نے بیعت نہیں کی تھی اس وجہ سے اس کو بیعت نہیں کہا جاتا بلکہ بدء دعوت اسلام کہا جاتا ہے۔

پھر بعثت کے بارہویں سال بارہ آدمیوں کی جماعت جس میں حضرت عبادہ بن صامت ؓ بھی تھے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اس مرتبہ جمرہ عقبہ کے ساتھ ان کے ساتھ بیعت ہوئی اس کو بیعت عقبہ اولی کہا جاتا ہے۔

پھر بعثت کے تیرہویں سال ۷۰ آدمیوں پر مشتمل جماعت آپ ﷺ کی خدمت میں بیعت کیلئے حاضر ہوئی اس مرتبہ بھی اس میں حضرت عبادہ بن صامت ؓ موجود تھے اور اس بیعت کو بیعت عقبہ ثانیہ کہا جاتا ہے۔

قوله وحوله عصابة من اصحابه: عصابہ شدت اور مضبوطی کے معنی میں آتا ہے اس لئے کہ یہ عصب سے ماخوذ ہے اور

عصب شدت اور مضبوطی کو کہا جاتا ہے عصابہ اس پٹی کو کہا جاتا ہے جو پیشانی پر باندھی جاتی ہے اور پٹھے کو عصب اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ اعضاء مضبوط ہو جاتے ہیں اور جماعت کو اس لئے عصابہ کہا جاتا ہے کہ جماعت کی وجہ سے ایک دوسرے کے ذریعہ قوت اور مضبوطی حاصل ہو جاتی ہے ملا علی قاری نے فرمایا کہ عصابہ کا اطلاق دس سے چالیس افراد پر ہوتا ہے اور چالیس سے زیادہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ جنگ بدر میں ۳۱۳ افراد تھے اور ان پر عصابہ کا اطلاق ہوا ہے "اللّٰھم ان تھلک ھذہ العصابۃ من اھل الاسلام لا تعبد فی الارض" البتہ نسائی کی روایت میں عصابہ کے بجائے "رھط" آیا ہے عبادہ بن صامت بیعت فرماتے ہیں "بایعت رسول اللہ ﷺ فی رھط" اور رھط کا اطلاق تین سے لیکر نو تک پر ہوتا ہے۔ (نسائی ج ۲ ص ۱۸۲)

قولہ بایعونی: بیعت کے معنی ہیں کسی کے ساتھ عہد و پیمان اور اقرار کرنا۔

فائدہ: بیعت کی چار قسمیں ہیں (۱) بیعت اسلام (۲) بیعت جہاد (۳) بیعت خلافت (۴) بیعت طریقت۔

(۱) بیعت اسلام: تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام پر بیعت کی تھی۔

(۲) بیعت جہاد: حدیبیہ کے مقام پر ۱۵۰۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ کے دست مبارک پر جہاد کیلئے بیعت کی تھی۔

(۳) بیعت خلافت: صحابہ رضی اللہ عنہم اور دوسرے لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی تھی

(۴) بیعت طریقت: کسی بزرگ کے ہاتھ پر طاعت اور ترک معصیت کیلئے عہد اور اقرار کرنا جیسے کہ حدیث مذکور میں بھی یہی ذکر ہے اور باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "یاایھا النبی اذا جاءک المؤمنات الخ" (سورۃ الممتحنہ ۱۲)

بیعت کی یہ قسم مستحسن ہے اس میں کوئی قباحت نہیں ہے اگر چہ غیر مقلدین اس کو بدعت کہتے ہیں ہاں جو بیعت صرف دکانداری کی غرض سے ہو وہ بدعت ہے۔

بیعت کی تشبیہ بیع کے ساتھ دی گئی ہے کہ جس طرح بیع کے ذریعہ ثمن عوض ادا کرنا لازم ہوتا ہے اسی طرح بیعت جو کہ طاعت اور ترک معصیت کیلئے ہے اس کا عوض ثواب اور جنت ہے کیونکہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ الخ" (سورۃ التوبۃ ۱۱۱)

قولہ ان لا تشرکوا: تم اللہ کے ساتھ شریک نہیں ٹھہراؤ گے نہ ذات میں نہ صفات میں نہ علم میں اور نہ قدرت میں۔

قولہ ولا تسرقوا ولا تزنوا: اس میں شہوانی اثرات کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ ولا تقتلوا اولادکم: اس میں قوت غضبیہ کی طرف اشارہ ہے۔

۔(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۳۵)

فعلیہ فعوقب بہ فی الدنیا فہو کفارۃ لہ :

یہاں پر ایک مسئلہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حدود اور کفارات ساتر للذنوب ہیں یا نہیں چنانچہ اس میں فقہاء کرام کے دو طائفے ہیں

طائفہ اولیٰ : امام مجاہدؒ، سفیان ثوریؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور امام بخاریؒ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حدود اور کفارات ساتر للذنوب ہیں۔ استدلال میں حضرت عبادہ بن صامتؓ کی یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔ البتہ سعید بن مسیبؒ، صفوان بن سلیمؒ اور متاخرین کی جماعت جس میں امام بغویؒ اور علامہ ابن تیمیہؒ بھی داخل ہیں یہ حضرات فرماتے ہیں کہ حدود اور کفارات ساتر للذنوب نہیں ہیں بلکہ زواجر ہیں البتہ توبہ کی وجہ سے مکفرات بنتے ہیں۔

طائفہ ثانیہ: امام صاحب اور صاحبینؒ سے اس کے متعلق کوئی تصریح موجود نہیں ہے کہ حدود اور کفارات ساتر للذنوب ہیں یا نہیں البتہ متاخرین احناف یعنی علامہ حصکفیؒ، علامہ ابن ہمامؒ، علامہ زین ابن نجیمؒ فرماتے ہیں کہ حدود ساتر اور مکفرات للذنوب نہیں ہیں بلکہ زواجر ہیں یعنی معصیات کے روکنے کیلئے ہیں۔(البحر الرائق ج ۵ ص ۴)

صاحب ہدایہ علامہ برہان الدینؒ نے فرمایا ہے کہ حدود میں دو باتیں مقصود ہیں مقصود اصلی انزجار ہے اور ضمنی طور پر ساتر بھی ہیں "المقصد الاصلی من شرعہ الانزجار عما یتضرر بہ العباد والطہارۃ لیست اصلیۃ بہ بدلیل شرعہ فی حق الکافر"

جن کے نزدیک حدود زواجر ہیں مکفرات نہیں انکے دلائل :

(۱) قطاع الطریق پر حد جاری کرنے کے بعد ان کے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہے "ذلک لہم خزی فی الدنیا ولہم فی الاخرۃ عذاب عظیم الا الذین من قبل ان تقدروا علیہم " اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حد مکفر للذنوب نہیں ہیں ہاں اگر توبہ کریں تو پھر مکفر ہیں

(۲) محدودفی القذف کے حق میں حد جاری کرنے کے بعد باری تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"فاجلدوھم ثمانین جلدۃ ولا تقبلوا لہم شہادۃ ابدا واولئک ہم الفسقون الا الذین تابوا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس حد لگانے سے فسق ختم نہیں ہوتا جب تک توبہ نہ کرے۔

اسی طرح سارق پر حد لگانے کے بعد ارشاد ہے "فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح" اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حد مکفر نہیں ہے بلکہ مکفر للذنوب توبہ ہے اور ابو امیہ مخزومیؓ کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک سارق پر حد لگاری اور پھر اس کو توبہ

اور استغفار کی تلقین بھی کی چنانچہ اس نے توبہ کی اور استغفار کیا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اللھم تب علیہ" (نسائی ج۱ ص ۲۰۱)

حدیث مذکور سے جوابات دیئے گئے ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ حدود مکفر للذنوب ہیں لیکن توبہ کے ساتھ اس لئے کہ مسلمان کی شان سے یہ بعید ہے کہ اس پر حد لگائی جائے اور توبہ نہ کرے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ "فعوقب بہ فی الدنیا" سے مراد حدود نہیں ہیں بلکہ اس سے مراد مصائب اور آفات ہیں اس لئے کہ یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے اور حدود کی فرضیت ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی ہے بخاری شریف کی ایک روایت میں ہے "ما یصیب المسلم من نصب ولا وصب ولا ھم ولا حزن ولا اذی ولا غم حتی الشوکۃ یشاکھا الا کفر اللہ بھا من خطایاہ (بخاری ج۲ ص۸٤٥)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث مذکور خبر واحد ہے اور قطعیات کے مقابلہ میں مؤول ہے۔

حضرت علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری نے یہاں کہا ہے کہ حد لگنے کے بعد مجرم دو تین حالات میں کسی ایک حال سے خالی نہ ہوگا یا تو گناہ کے مرتکب نے توبہ کی ہوگی اور آئندہ کیلئے یہ عزم کیا ہوگا کہ وہ اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرے گا تو اس صورت میں یہ حد بالاتفاق کفارہ بن جاتی ہے یا گناہ کے مرتکب نے توبہ تو نہیں کی لیکن آئندہ کیلئے اس گناہ کا ارتکاب نہیں کرتا تو اس صورت میں بھی یہ حد کفارہ بن جاتی ہے تیسری صورت یہ ہے کہ حد لگنے کے بعد اس معصیت کے ارتکاب سے توبہ نہ کی اور نہ آئندہ اس گناہ کے ارتکاب سے رکتا ہے تو اس صورت میں یہ حد کفارہ نہیں بنتی۔

ومن اصاب من ذلک شیئا ثم سترہ اللہ علیہ فھو الی اللہ:

علامہ مازری فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں معتزلہ اور خوارج کی تردید ہے کیونکہ ان کے نزدیک گناہ کبیرہ کا مرتکب اسلام سے خارج ہے اور یہاں پر آپ ﷺ نے گناہ کبیرہ کی مغفرت کو اللہ کی مشیت پر چھوڑ دیا ہے اگر چاہے تو معاف کردے اور اگر چاہے تو سزا دیدے۔ نیز اس میں مرجیہ کی تردید بھی ہے کیونکہ مرجیہ کے نزدیک ایمان کے ساتھ گناہ کا ارتکاب مضر نہیں ہے تو ان کی تردید ہوگئی کہ اگر ایمان کے ساتھ گناہ کا ارتکاب مضر نہ ہوتا تو پھر سزا اور عقاب کا ذکر نہ فرماتے۔

علامہ عینی نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ عشرہ مبشرہ کے علاوہ کسی شخص کو جنتی یا جہنمی کہنا جائز نہیں ہے۔ (فتح الباری ج۱ ص۶۵)

وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ فِیْ اَضْحٰی اَوْفِطْرٍ اِلَی الْمُصَلّٰی فَمَرَّ عَلَی النِّسَاءِ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ النِّسَاءِ تَصَدَّقْنَ فَاِنِّیْ اُرِیْتُكُنَّ اَكْثَرَ اَهْلِ النَّارِ فَقُلْنَ وَبِمَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ تُكْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَكْفُرْنَ الْعَشِيْرَ

ما رأيت من ناقصات عقل ودين أذهب للب الرجل الحازم من إحداكن قلن وما نقصان ديننا وعقلنا يا رسول الله قال أليس شهادة المرأة مثل نصف شهادة الرجل قلن بلى قال فذلك من نقصان عقلها قال أليس إذا حاضت لم تصل ولم تصم قلن بلى قال فذلك من نقصان دينها (متفق عليه)

ترجمہ: ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ عید الاضحیٰ یا عید الفطر کے لئے عیدگاہ تشریف لائے تو عورتوں کی ایک جماعت کے پاس بھی تشریف لے گئے اور ان کو مخاطب کرکے کہا اے عورتوں کی جماعت تم صدقہ و خیرات کرو کیونکہ میں نے تم سے اکثر کو دوزخ میں دیکھا ہے ان عورتوں نے کہا یا رسول اللہ ایسا کیوں ہے؟ آں حضرت ﷺ نے فرمایا تم لعن طعن بہت کرتی ہو اور اپنے شوہروں کی نافرمانی اور ناشکری کرتی رہتی ہو اور میں نے عقل و دین میں کم ہونے کے باوجود ہوشیار مرد کو بے وقوف بنا دینے میں تم سے بڑھ کر کسی کو نہیں دیکھا ان عورتوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہماری عقل اور دین میں کیا کمی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کیا ایک عورت کی گواہی مرد کی آدھی گواہی کے برابر نہیں ہے؟ انہوں نے کہا جی ہاں! ایسا ہی ہے آپ ﷺ نے فرمایا اس کی وجہ عورت کی عقل کی کمزوری ہے اور کیا ایسا نہیں ہے کہ جس وقت عورت حیض کی حالت میں ہوتی ہے تو نہ نماز پڑھتی ہے اور نہ روزہ رکھتی ہے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! ایسا ہی ہے آپ ﷺ نے فرمایا یہ اس کے دین میں نقصان کی وجہ سے ہے۔

ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات: آپ کا نام سعد بن مالک بن سنان الخدری الانصاری ہے آپ رضی اللہ عنہ کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور ہیں آپ ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شامل ہیں جو حفاظ حدیث، علماء، فقہاء اور فضلاء ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین کی ایک بڑی جماعت نے آپ رضی اللہ عنہ سے حدیثیں نقل کی ہیں آپ رضی اللہ عنہ کثیر الروایات صحابی ہیں آپ رضی اللہ عنہ کی مرویات ۱۱۷۰ ہیں ۷۴ھ میں ۸۴ سال کی عمر میں وفات پائی ہے اور جنت البقیع میں دفن ہیں۔ (مرقات ج ۱ ص ۱۹۶)

مطلب اس جملہ کی تشریح: رؤیت سے کونسی رؤیت مراد ہے؟ اس میں متعدد احتمالات ہیں کہ ایک احتمال یہ ہے کہ اس سے لیلۃ المعراج کی رؤیت مراد ہے اس لئے کہ شب معراج میں آپ ﷺ نے جنت اور دوزخ کی سیر کی تھی اور جہنم کے اندر عورتوں کو زیادہ دیکھا۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس رؤیت سے صلوۃ کسوف کی رؤیت مراد ہے یعنی ایک مرتبہ آپ ﷺ صلوۃ کسوف پڑھ رہے تھے تو نماز میں آپ ﷺ کو جنت اور دوزخ دکھادی گئی جیسے کہ بخاری شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔

(بخاری ج ۱ ص ۱۴۳)

تیسرا احتمال یہ ہے کہ رؤیت سے رؤیت بصری مراد ہے یعنی خارق العادۃ کے طور پر درمیان سے حجابات اٹھا دیئے گئے اور مقدار و مسافت کو ختم کردیا گیا اور بلاواسطہ جنت اور دوزخ آپ ﷺ کو دکھلادی گئی تھی اور روایت کے ظاہر سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور

(شرح طیبی ج ۱ ص ۱۶۰)

دوسرا فرقہ وہ تھا جو اللہ کو تو مانتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف برائی کی نسبت نہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ کو اس قسم کے کاموں سے منزہ مانتے تھے لہٰذا ان امور کی نسبت زمانہ کی طرف کیا کرتے تھے یا خیبۃ الدھر یا بؤس الدھر حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں ہے "لا تقولوا خیبۃ الدھر فان اللہ ھو الدھر" (بخاری ج ۲ ص ۹۱۳)

اس حدیث شریف میں نبی کریم ﷺ نے اس فرقہ کی تردید کی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے کہ ابن آدم مجھے تکلیف دیتا ہے اس طریقے پر کہ وہ زمانہ کو گالی دیتا ہے حالانکہ زمانہ تو میں ہی ہوں۔

قولہ وانا الدھر: یہاں پر مضاف محذوف ہوا ہے اور مضاف الیہ مضاف کی جگہ قائم ہوا ہے اصل عبارت یہ ہے کہ "انا صاحب الدھر" اور اگلا جملہ یعنی "اقلب اللیل والنھار" اس پر قرینہ ہے۔

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَا اَحَدٌ اَصْبَرُ عَلٰی اَذًی یَسْمَعُہٗ مِنَ اللّٰہِ یَدْعُوْنَ لَہُ الْوَلَدَ ثُمَّ یُعَافِیْھِمْ وَیَرْزُقُھُمْ (متفق علیہ)۔

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تکلیف دہ کلمات سن کر اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر و تحمل کرنے والا کوئی نہیں لوگ اس کیلئے بیٹا تجویز کرتے ہیں وہ اس پر بھی ان کو عافیت بخشتا ہے اور روزی پہنچاتا ہے۔

تشریح الحدیث: یہاں پر ما بمعنی لیس ہے "ای لیس احد اصبر ای اشد صبرا من اللہ" اللہ تعالیٰ سے زیادہ صبر کرنے والا کوئی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ تکلیف دہ بات سنتا ہے جو کفار سے صادر ہوتی ہے یعنی کفار کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے اور اللہ تعالیٰ پھر بھی لوگوں کو معاف کرتا ہے

صبر کی تعریف: صبر کے معنی ہیں "حبس النفس عما تشتھی او بمعنی حبس النفس علی ما یکرہ" ۔ (شرح طیبی ج ۱ ص ۱۶۰)

صبر کی تین قسمیں ہیں (۱) صبر علی الطاعۃ (۲) صبر عن المعصیۃ (۳) صبر علی المصیبۃ۔

قولہ ثم یعافیھم ویرزقھم: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ کو بھی صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے اور انتقام کو ترک کرنا چاہئے اور حدیث کا مقصود بھی یہی ہے۔

وَعَنْ مُعَاذٍ ؓ قَالَ کُنْتُ رِدْفَ النَّبِیِّ ﷺ عَلٰی حِمَارٍ لَیْسَ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ اِلَّا مُؤْخِرَۃُ الرَّحْلِ فَقَالَ یَا مُعَاذُ ھَلْ تَدْرِیْ مَا حَقُّ اللّٰہِ عَلٰی عِبَادِہٖ وَمَا حَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰہِ قُلْتُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ فَاِنَّ حَقَّ اللّٰہِ عَلَی الْعِبَادِ اَنْ یَّعْبُدُوْہُ وَلَا یُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَحَقُّ الْعِبَادِ عَلَی اللّٰہِ اَنْ لَّا یُعَذِّبَ مَنْ لَّا یُشْرِکُ بِہٖ شَیْئًا فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَفَلَا اُبَشِّرُ بِہِ النَّاسَ قَالَ

ترجمہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دراز گوش پر میں آپ ﷺ کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا میرے اور آپ ﷺ کے درمیان کجاوے کا پچھلا حصہ حائل تھا آنحضرت ﷺ نے فرمایا یا معاذ! جانتے ہو بندوں پر اللہ کا کیا حق ہے؟ میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا بندوں پر اللہ کا حق یہ ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اللہ پر بندوں کا حق یہ ہے کہ جس نے کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہرایا اسے عذاب نہ دے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں یہ خوشخبری لوگوں کو سناؤں؟ آپ ﷺ نے فرمایا لوگوں کو یہ خوشخبری مت سناؤ کیونکہ وہ اسی پر بھروسہ کر بیٹھیں گے۔

تشریح الحدیث راوی کے مختصر حالات: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی کنیت ابو عبداللہ الخزرجی ہے یہ مدینہ منورہ کے باشندہ اور قدیم الاسلام صحابی ہیں بیعت عقبہ ثانیہ میں شامل تھے (مرقات ج۱ ص۱۷۱)
اس وقت آپ رضی اللہ عنہ کی عمر اٹھارہ سال تھی۔ نبی کریم ﷺ نے اپنی طرف سے یمن کا قاضی اور معلم بنا کر بھیجا تھا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں حضرت عبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے بعد شام کے عامل مقرر کئے گئے تھے حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، ابن عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے بہت سے حضرات نے آپ رضی اللہ عنہ سے روایات نقل کی ہیں آپ کی مرویات ۱۵۷ ہیں۔

قولہ ردف النبی ﷺ: اس کا ترجمہ دراز گوش کے ساتھ کیا جاتا ہے اس لئے کہ ہمارے عرف میں گدھے پر سواری کرنا معیوب سمجھا جاتا ہے۔

قولہ موخرۃ الرحل: یہ مثنیٰ مفرغ ہے اور موخرۃ الرحل میں میم کا ضمہ اور ہمزہ کا سکون ہے اور خاء مکسور ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ میم مضموم، ہمزہ مفتوح اور خاء مشدد مکسور ہو۔

مقصد یہ ہے کہ میں آپ ﷺ کے بہت قریب تھا اور میں نے خوب سنا ہے اور اچھے طریقے سے محفوظ کیا ہے اور جس طرح میں نے سنا ہے اسی طرح سے آپ لوگوں کو سنا رہا ہوں۔

قولہ ماحق العباد علی اللہ: حق لازم و لائق اور واجب کے معنی میں آتا ہے۔ اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بندوں کا حق لازم اور واجب نہیں ہے باری تعالیٰ کے اس قول کی وجہ سے "لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون" جبکہ معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر اصلح لحال العباد لازم اور واجب ہے یعنی مطیع کو جنت میں اور عاصی کو جہنم میں داخل کرنا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔

اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ "حق العباد علی اللہ" کا ترجمہ ہے کہ اللہ کی حکمت کے ساتھ لائق اور مناسب یہی ہے کہ مطیع کو عذاب نہ دے لیکن اللہ پر واجب نہیں ہے۔

"قال الله تعالى انا اغنى الشركاء الخ" (مشکوۃ ج ۲ ص ۴۵۴)

اور "الكبر ردائي الخ" (مشکوۃ ج ۲ ص ۴۳۳) یہ باب الکبر کے باب میں نقل کی جائیں گی ان شاء اللہ تعالی

حضرت عمرو بن العاص ؓ کے مختصر حالات: آپ ۸ھ میں مشرف باسلام ہوئے آپ ﷺ نے آپ کو عمان کا والی بنایا تھا پھر حضرت عمر ؓ کے دور خلافت میں آپ لشکروں کے امیر رہے مصر آپ ہی کے زمانہ میں فتح ہوا تھا اس لئے آپ فاتح مصر کہلاتے ہیں ۴۳ھ میں ۹۰ سال کی عمر میں وفات پائی آپ سے آپ کے بیٹے عبداللہ بن عمرو نے پھر ابن عمر ؓ اور قیس بن ابی حازم وغیرہ نے روایت کی ہے۔

قولہ ان الاسلام يهدم ما كان قبله : حضرت عمرو ابن العاص ؓ نے اپنی بیعت کیلئے شرط لگائی کہ حالت کفر میں مجھ سے جو گناہ سرزد ہوئے ہیں چاہے وہ صغائر ہوں یا کبائر چاہے ان کا تعلق حقوق اللہ سے ہو یا حقوق العباد سے سبھی میرے تمام گناہوں کو معاف کر دیا جائے تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا "ان الاسلام يهدم ما كان قبله" کہ اسلام لانے سے تمام صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور وہ حقوق العباد جن کا تعلق مال کے ساتھ نہیں ہوتا اور کبیرہ گناہ توبہ سے معاف ہو جاتے ہیں اور وہ حقوق العباد جن کا تعلق مال کے ساتھ ہوتا ہے وہ ادا کرنے یا معاف کرنے سے معاف ہو جاتے ہیں۔

قولہ وان الهجرة الخ : یعنی اسلام تو گناہوں کو مٹا دیتا ہے بلکہ اسلام کے جو اعمال ہیں وہ بھی گناہوں کو مٹا دیتے ہیں مثلاً ہجرت اور حج وغیرہ۔

جمہور علماء کے نزدیک ہجرت اور حج سے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور کبیرہ توبہ سے معاف ہوتے ہیں جبکہ بعض علماء نے یہ فرمایا ہے کہ صغیرہ گناہ اور کبیرہ گناہ چاہے ان کا تعلق حقوق العباد مالیہ سے ہو یا غیر مالیہ سے یہ سب معاف ہو جاتے ہیں۔

الفصل الثاني عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ رضي الله عنه قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَخْبِرْنِي بِعَمَلٍ يُدْخِلُنِي الْجَنَّةَ وَيُبَاعِدُنِي مِنَ النَّارِ قَالَ لَقَدْ سَأَلْتَ عَنْ أَمْرٍ عَظِيمٍ وَإِنَّهُ لَيَسِيرٌ عَلَى مَنْ يَسَّرَهُ اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ تَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُ بِهِ شَيْئًا وَتُقِيمُ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِي الزَّكٰوةَ وَتَصُومُ رَمَضَانَ وَتَحُجُّ الْبَيْتَ ثُمَّ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ عَلَى أَبْوَابِ الْخَيْرِ الصَّوْمُ جُنَّةٌ وَالصَّدَقَةُ تُطْفِئُ الْخَطِيئَةَ كَمَا يُطْفِئُ الْمَاءُ النَّارَ وَصَلٰوةُ الرَّجُلِ فِي جَوْفِ اللَّيْلِ ثُمَّ تَلَا (تَتَجَافٰى جُنُوبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ) حَتّٰى بَلَغَ يَعْمَلُونَ ثُمَّ قَالَ أَلَا أَدُلُّكَ بِرَأْسِ الْأَمْرِ وَعَمُودِهِ وَذِرْوَةِ سَنَامِهِ قُلْتُ بَلٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ رَأْسُ الْأَمْرِ الْإِسْلَامُ وَعَمُودُهُ الصَّلٰوةُ وَذِرْوَةُ سَنَامِهِ الْجِهَادُ ثُمَّ قَالَ أَلَا أُخْبِرُكَ بِمِلَاكِ ذٰلِكَ كُلِّهِ قُلْتُ بَلٰى يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَأَخَذَ بِلِسَانِهِ وَقَالَ كُفَّ عَلَيْكَ هٰذَا فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ وَإِنَّا لَمُؤَاخَذُونَ بِمَا نَتَكَلَّمُ بِهِ قَالَ ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ يَا مُعَاذُ وَهَلْ يَكُبُّ النَّاسَ فِي النَّارِ عَلٰى وُجُوهِهِمْ أَوْ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ إِلَّا حَصَائِدُ أَلْسِنَتِهِمْ (رواه احمد والترمذي وابن ماجه)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل ؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کوئی عمل ایسا بتا دیجئے جو مجھ کو جنت میں لے جائے اور دوزخ کی آگ سے محفوظ رکھے، آپ ﷺ نے فرمایا حقیقت تو یہ ہے کہ تم نے ایک بہت بڑی چیز کا سوال کیا ہے لیکن جس پر اللہ تعالیٰ آسان کردے اس کیلئے یہ بہت آسان بھی ہے پھر فرمایا اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہراؤ، نماز پابندی کے ساتھ ادا کرو، زکوٰۃ دو، رمضان کے روزے رکھو اور خانہ کعبہ کا حج کرو۔ پھر اس کے بعد فرمایا اے معاذ کیا تمہیں خیر و بھلائی کے دروازوں تک نہ پہنچاؤں؟ سنو! روزہ ڈھال ہے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنا گناہ کو اس طرح مٹا دیتا ہے جیسے پانی آگ کو بجھا دیتا ہے اور رات میں مومن کا نماز پڑھنا۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی "تتجافیٰ جنوبهم الخ" یعنی ان کے پہلو رات کو بستروں سے الگ رہتے ہیں اور اپنے پروردگار کو خوف و امید سے پکارتے ہیں اور جو ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں کوئی شخص نہیں جانتا کہ ان کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا کر رکھی گئی ہے یہ ان کے اعمال کا صلہ ہے جو وہ کرتے تھے"۔
پھر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں اس چیز (دین) کا سر اس کے ستون اور اس کے کوہان کی بلندی نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کیا ہاں یا رسول اللہ ضرور بتا دیجئے آپ ﷺ نے فرمایا اس چیز کا سر اسلام ہے اور اس کے ستون نماز ہے اور اس کے کوہان کی بلندی جہاد ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں ان تمام چیزوں کی جڑ نہ بتا دوں؟ میں نے عرض کیا ہاں اللہ کے نبی ضرور بتا دیجئے آپ ﷺ نے اپنی زبان مبارک پکڑی اور فرمایا اس کو بند رکھو میں نے عرض کیا اے اللہ کے نبی ہم اپنی زبان سے جو بھی لفظ نکالتے ہیں ان سب پر مواخذہ ہوگا آپ ﷺ نے فرمایا اے معاذ تمہاری ماں تمہیں گم کردے اچھی طرح جان لو کہ لوگوں کو ان کے منہ کے بل یا پیشانی کے بل دوزخ میں گرانے والی ان کی زبان کی باتیں ہوں گی۔

تشریح: حضرت معاذ ؓ نے آپ ﷺ سے دو ایسے اعمال کے متعلق سوال کیا ہے جو بندہ کو جنت میں داخل کریں اور جہنم سے نجات دیں۔

اشکال: اشکال یہ ہے کہ یہاں پر حضرت معاذ ؓ نے دخول جنت کی نسبت عمل کی طرف کی ہے اور ایک دوسری حدیث میں ہے کہ کوئی بھی شخص اعمال کی وجہ سے جنت میں داخل نہیں ہو سکتا ہے مگر اللہ کے فضل سے یعنی دخول جنت کی نسبت اللہ تعالیٰ کے فضل کی طرف کی گئی ہے اور یہاں پر عمل کی طرف نسبت ہے پس تو دونوں حدیثوں میں تعارض ہے؟

جواب: اس حدیث میں دخول جنت کے ظاہری سبب کی طرف نسبت کی گئی ہے جو کہ عمل ہے اور دوسری حدیث میں دخول جنت کی علت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو کہ فضل خداوندی ہے جو حقیقی مؤثر فی الدخول ہوتی ہے برخلاف سبب کے لہذا سبب کی طرف نسبت مجازا ہے۔

قوله تعبد الله: یا تو یہ فعل مقدر کا مفعول ہے امر ہے "ای اعبد الله" یا ان مقدر ہے "ای ان تعبد الله ولا تشرك به شيئا" اس تاویل کی بنا پر یہ مبتدا محذوف کی خبر ہوگی تقدیر عبارت اس طرح ہوگی "العمل الذی یدخلك الجنة عبادتك الله"۔

یا امر کے صیغے سے عدول کرنے اور مضارع کے صیغے سے تعبیر کرنے میں یہ نکتہ ہے کہ متکلم امتثال امر میں جلدی کر رہا ہے اور اس کی خبر دے رہا ہے یعنی امتثال امر کے واقع ہونے میں رغبت کا اظہار کر رہا ہے۔

یہ احکام صرف حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں بلکہ ہر مومن کو شامل ہیں اس لئے کہ قاعدہ ہے "العبرة لعموم الالفاظ لا لخصوص السبب" یعنی جب بندہ یہ اعمال کرتا ہے تو یہ اعمال اس کیلئے دخول جنت کا سبب بن جاتے ہیں اور جب حضور ﷺ نے معاذ کی رغبت دیکھی تو آپ ﷺ اس کے لئے جواب میں اضافہ فرمایا۔

قوله ثم قال الا ادلك على ابواب الخير: ابواب الخیر سے نوافل مراد ہیں اس جملہ میں آپ ﷺ نے خیر کی تشبیہ دی ہے گھر کے ساتھ اور پھر مشبہ (خیر) کیلئے مشبہ بہ (گھر) کے لوازمات ثابت کئے ہیں لہذا اس میں استعارہ مکنیہ اور استعارہ تخییلیہ ہیں۔

علامہ طیبیؒ نے ذکر کیا ہے کہ علماء نے فرمایا ہے "من ترك الادب عوقب بحرمان النوافل ومن عوقب بحرمان النوافل عوقب بحرمان السنن ومن عوقب بحرمان السنن عوقب بحرمان الفرائض ومن عوقب بحرمان الفرائض يوشك ان يعاقب بحرمان المعرفة وما دل على المباعدة عن النار." [illegible]

قوله الصوم جنة: جنۃ جیم کے ضمہ اور نون کی تشدید کے ساتھ ہے معنی ہے ڈھال۔ روزہ اس لئے ڈھال ہے کہ روزہ رکھنے سے پیاس اور بھوک حاصل ہوتی ہیں اور پیاس اور بھوک کی وجہ سے شیطان کے راستے بند ہو جاتے ہیں جیسے کہ ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے "ان الشيطن يجرى من الانسان مجرى الدم الا فضيقوا مجاريه بالجوع" [illegible]

علامہ بیضاویؒ نے فرمایا ہے کہ روزہ کی وجہ سے شہوات نفسانی پر غلبہ حاصل ہوتا ہے اس لئے کہ روزہ شہوات سے اپنے آپ کو روکنے کا نام ہے "اذ نعم بالصوم ... وجاء" [illegible]

اور آخرت میں روزہ جہنم کی آگ سے ڈھال ہوگا اس لئے کہ روزہ کے ذریعہ خواہشات کا قلع قمع ہوتا ہے۔

والصدقة تطفئ: ای تذهب الخطيئة ۔

قوله صلوة الرجل في جوف الليل: رات کے وقت نماز پڑھنا نہایت مقبول ہے اس لئے کہ یہ دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے جیسے کہ ایک حدیث شریف میں ہے کہ رات کے آخری حصہ میں باری تعالیٰ آسمان دنیا کی طرف نزول فرماتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی ہے بخشش کرنے والا الخ (لیکن یہ بھی یاد رکھئے کہ نزول سے مراد تدلی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا نور قریب ہو جاتا ہے۔

ابوداود و ترمذی عن معاذ بن انس مع تقدیم و تاخیر و به فقد استکمل ایمانه)

ترجمه : اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ ہی کیلئے محبت کرے اور اللہ ہی کیلئے بغض و عداوت رکھے اور اللہ ہی کیلئے خرچ کرے اور اللہ ہی کیلئے خرچ نہ کرے تو یقیناً اس نے ایمان کو کامل کیا۔

حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات آپ کا نام صدی بن عجلان تھا لیکن آپ اپنی کنیت سے زیادہ مشہور ہیں پہلے مصر میں مقیم تھے پھر حمص (شام) چلے گئے اور وہاں ۸۶ھ میں وفات ہوئی آپ کثیر الروایہ صحابی ہیں آپ کی اکثر احادیث اہل شام کے پاس تھیں آپ سے خلق کثیر نے روایت حدیث کی ہے شام میں سب سے آخر میں فوت ہونے والے صحابی آپ ہی تھے۔

اللہ کیلئے محبت کرنا۔ الحب فی اللہ میں "فی" لام اجلیہ کے معنی میں ہے اور "فی" کا لام اجلیہ کے معنی میں استعمال ہونا کلام عرب میں کثیر ہے مثلاً ایک حدیث شریف میں آیا ہے "دخلت امرأۃ النار فی الھرۃ ای لاجل ھرۃ" ۔ (بخاری ج ۱ ص ٤٦٧)

شبہ : بعض روایات میں "افضل الاعمال احب فی اللہ" اور بعض میں "الصلوٰۃ" آیا ہے جبکہ بعض روایات میں "الطعام" آیا ہے اور یہ تعارض بین الروایات ہے۔

جواب ا: درحقیقت نبی کریم ﷺ نے مخاطبین کے حال کی رعایت کرتے ہوئے مختلف اوقات میں مختلف اعمال کو "افضل الاعمال" قرار دیا ہے جیسے کہ ایک ماہر طبیب مختلف مریضوں کیلئے مختلف نسخے تجویز کرتا ہے کیونکہ آپ ﷺ روحانی معالج ہیں اس لئے مختلف افراد کیلئے مختلف اعمال کو افضل قرار دیا ہے۔

جواب ۲: ہر ایک عمل میں افضل ہونے کی حیثیت مختلف ہے۔ "ایمان" اس حیثیت سے افضل ہے کہ تمام اعمال کی بنیاد ایمان ہی ہے اور "اطعام" کو اس حیثیت سے افضل کہا گیا ہے کہ "اطعام" مومن کافر نیک اور فاسق کے نزدیک ایک افضل ترین عمل ہے ۔ اور نماز اس حیثیت سے افضل الاعمال ہے کہ نماز میں انتہائی تذلل اور عاجزی ہے معبود برحق کے سامنے۔ اور "الحب فی اللہ" کو اس حیثیت سے افضل الاعمال کہا گیا ہے کہ یہ میرے رب کا بندہ ہے اس کے ساتھ محبت کرنے پر میرا رب خوش ہوتا ہے اور اس کے ساتھ بغض رکھنے پر میرا رب ناراض ہوتا ہے۔

جواب ۳: افضل الاعمال ایک نوع ہے اور یہ اعمال اس کیلئے بمنزلہ افراد ہیں۔

جواب ۴: یہ افضلیت اپنی نوع کے اعتبار سے ہے دوسرے انواع کے اعتبار سے نہیں ہے۔

الفصل الثالث : عن عبادۃ بن الصامت رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من شہد ان لا الہ الا اللہ و ان

ما شأنك قلت كنت بين أظهرنا فقمت فأبطأت علينا فخشينا أن تقتطع دوننا ففزعنا فكنت أول من فزع فأتيت
هذا الحائط فاحتفزت كما يحتفز الثعلب وهؤلاء الناس ورائي فقال يا أبا هريرة وأعطاني نعليه فقال اذهب بنعلي
هاتين فمن لقيت من وراء هذا الحائط يشهد أن لا إله إلا الله مستيقنا بها قلبه فبشره بالجنة فكان أول من لقيت
عمر فقال ما هاتان النعلان يا أبا هريرة فقلت هاتان نعلا رسول الله ﷺ بعثني بهما من لقيت يشهد أن لا إله إلا الله
مستيقنا بها قلبه بشرته بالجنة فضرب عمر بين ثديي فخررت لاستي فقال ارجع يا أبا هريرة فرجعت إلى رسول
الله ﷺ فأجهشت بالبكاء وركبني عمر وإذا هو على أثري فقال رسول الله ﷺ ما لك يا أبا هريرة قلت لقيت عمر
فأخبرته بالذي بعثتني به فضرب بين ثديي ضربة خررت لاستي فقال ارجع فقال رسول الله ﷺ يا عمر
ما حملك على ما فعلت فقال يا رسول الله بأبي أنت وأمي أبعثت أبا هريرة بنعليك من لقي يشهد أن لا إله إلا الله
مستيقنا بها قلبه بشره بالجنة قال نعم قال فلا تفعل فإني أخشى أن يتكل الناس عليها فخلهم يعملون فقال رسول
الله ﷺ فخلهم (رواه مسلم)۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ چند صحابہ کرام آپ ﷺ کے گرد بیٹھے تھے اور ہمارے ساتھ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت
عمرؓ بھی تھے کہ رسول اللہ ﷺ اچانک ہمارے درمیان سے اٹھے اور کہیں باہر تشریف لے گئے جب آپ کو گئے ہوئے بہت دیر
ہوگئی تو ہمیں سخت تشویش ہوئی کہ کہیں ہماری غیر موجودگی میں کسی دشمن کی جانب سے آپ ﷺ کو کوئی ایذا نہ پہنچی ہو سو ہم گھبرا گئے اور
اٹھ کھڑے ہوئے چونکہ سب سے پہلے شخص میں تھا جو گھبرا اٹھا اس لئے رسول اللہ ﷺ کی تلاش میں باہر نکلا اور ڈھونڈتا ہوا قبیلہ
بنو نجار کے ایک انصاری کے باغ کے قریب پہنچ گیا میں نے چاروں طرف دروازہ تلاش کیا مگر دروازہ نظر نہیں آیا اچانک ایک نالی
نظر آئی جو باہر کے کنویں سے باغ کے اندر جا رہی تھی لہذا میں سکڑ سمٹ کر اس نالی میں داخل ہوا اور اس کے ذریعہ رسول اکرم ﷺ
کی خدمت اقدس میں پہنچ گیا آپ ﷺ نے فرمایا ابو ہریرہ تم؟ میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ آپ ﷺ نے فرمایا کیا بات ہے
میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہمارے درمیان تشریف فرما تھے پھر آپ اٹھے اور چل دیئے جب بہت دیر ہوگئی اور واپس نہیں
آئے تو ہم گھبرا گئے کہ کہیں ہماری غیر موجودگی میں آپ کسی حادثے سے دوچار نہ ہو جائیں اور سب سے پہلے گھبراہٹ مجھ پر طاری
ہوئی چنانچہ آپ کو ڈھونڈتا ہوا اس باغ تک آ نکلا اور لومڑی کی طرح سکڑ کر اندر گھس آیا باقی لوگ میرے پیچھے آ رہے ہوں گے۔
آپ ﷺ نے اپنی دونوں جوتیاں اتار کر مجھے دیں اور فرمایا اے ابو ہریرہ جاؤ اور ان جوتیوں کو اپنے ساتھ لے جاؤ اور باغ کے
باہر جو شخص صدق دل اور پختہ اعتقاد سے یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو اس کو جنت کی بشارت دے
دو تو سب سے پہلے حضرت عمرؓ سے میری ملاقات ہوئی انہوں نے پوچھا ابو ہریرہ یہ جوتیاں کیسی ہیں؟ میں نے عرض کیا یہ جوتیاں

(۱) یا تو اس وجہ سے کہ آپ ﷺ کے پاس جوتیوں کے علاوہ کوئی اور چیز نہیں تھی جس کو بطور نشان دیا جائے

(۲) اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنت میں جانے کیلئے آپ ﷺ کے نقش قدم پر چلنا لازم ہے۔

(۳) دین کے بارے میں ثابت قدمی اور استقامت کی طرف اشارہ ہے۔

سوال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سختی یہاں یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اتنے زور سے کیوں مارا؟

جواب (۱) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ پر تشدد نہیں کیا تھا بلکہ آرام سے ان کو واپس کیا تھا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک قوی شخص تھے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کمزور شخص تھے تو ان کے معمولی حرکت دینے سے وہ زمین پر گر گئے جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو ایک مکا مارا تو مر گیا اور خود قرآن میں ہے فوکزہ موسی فقضی علیہ (القصص آیت ۱۵)

جواب (۲) یا یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو آرام سے واپس کیا تھا لیکن وہ اس بشارت کے حاصل کرنے میں مصر تھے اور باز نہ آئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو مارا تو زمین پر گر گئے اور بڑوں کو اپنے چھوٹوں کی تنبیہ کیلئے مارنے کا اختیار حاصل ہے۔ چونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے مشیر اور وزیر خاص تھے اور تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی امتیازی حیثیت معلوم تھی پس جس طرح خاندان یا جماعت کے بڑے آدمی کو اپنے چھوٹوں کی مصلحت کے خاطر تنبیہ کا اختیار حاصل ہوتا ہے اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی تنبیہ کرنے کا اختیار حاصل تھا کہ آرام سے واپس کرنے سے جب وہ واپس نہ ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سختی سے کام لیا۔

ایک شبہ کا ازالہ شبہ یہ وارد ہوتا ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے قاصد تھے اور قاصد کا قول بعینہٖ نبی کا قول ہوتا ہے تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کیوں واپس کیا۔

جواب بشارت دینے کا یہ امر وجوبی نہیں تھا اور اس کے امر وجوبی نہ ہونے پر قرینہ موجود ہے کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ مقام نبوت اور شان نبوت سے واقف تھے اس وجہ سے ان کو یہ یقین حاصل تھا کہ آپ ﷺ کا مقصد اعمال کی اہمیت کو کم کرنا نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں جب آپ ﷺ نے صحابہ کرام کے بدلتے ہوئے چہرے دیکھے اور اپنی امت پر شفقت کی وجہ سے یہ خوشخبری سنادی اس وقت چونکہ جمال غالب تھا اس وجہ سے اعمال کی طرف آپ ﷺ کی توجہ مبذول نہ ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعمال کی طرف آپ ﷺ کی توجہ مبذول کرائی کیونکہ اگر عوام الناس یہ بشارت سنیں گے تو اعمال کو چھوڑ دیں گے اور یہ شریعت کے مقصد کے خلاف ہے لہذا اگر نبی کریم ﷺ کے سامنے بشارت کے مضر پہلو پیش کیے جائیں تو آپ ﷺ مصلحت کی بناء پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو تو منع فرمائیں گے اس وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو واپس کرایا۔ اس کے نظائر احادیث میں موجود ہیں مثلاً حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی حدیث پہلے گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "لا تبشرھم فیتکلوا" اسی وجہ سے حضور ﷺ تمام سے

(حضرت عمر رضی اللہ عنہ میرے پاس سے گزرے اور مجھ کو سلام کیا (تو اس بات ہونے کی وجہ سے) مجھے پتہ تک نہ چلا (کہ وہ کب میرے
پاس سے گزرے اور کب سلام کیا) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس بات کی شکایت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے کی (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عمر
رضی اللہ عنہ کے ساتھ میرے پاس آئے اور دونوں نے مجھے سلام کیا (حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے مجھ سے پوچھا تم نے اپنے بھائی عمر رضی اللہ عنہ کے
سلام کا جواب کیوں نہیں دیا؟ میں نے کہا: یہ نہیں ہوا (یعنی مجھے اس کا علم نہیں کہ عمر رضی اللہ عنہ نے آ کر مجھے سلام کیا ہو اور میں نے
جواب نہ دیا ہو) حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا: بخدا مجھے تو اس کا احساس نہیں ہوا کہ آپ میرے پاس آئے تھے اور
نہ ہی آپ نے سلام کیا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا عثمان رضی اللہ عنہ سچ کہتے ہیں (لیکن معلوم ہوتا ہے کہ) کسی خاص وجہ نے تمہیں
اسے باز رکھا کہ تم کو عمر رضی اللہ عنہ کے آنے کی خبر ہوتی اور تم ان کے سلام کا جواب دیتے۔ میں نے کہا ہاں ہو سکتا ہے
۔ انہوں نے پوچھا وہ کیا ہے؟ میں نے کہا: سرکار دو عالم ﷺ کی وفات ہی کیا کم پریشانی ہے۔ بس یہی غم ستائے لیتا ہے کہ نبی کریم
ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے لیکن ہم آپ ﷺ سے یہ دریافت نہ کر سکے کہ اس معاملہ کی نجات کس چیز میں ہے (اس سے مراد شیطان
کا بہکانا، دوزخ کی آگ) اسے نجات کا ذریعہ کیا ہے؟ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا (تم غم نہ کھاؤ) میں اس بارے میں آنحضرت ﷺ سے
پہلے ہی پوچھ چکا ہوں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں (بے اختیاری) کھڑا ہو گیا اور کہا: آپ پر میرے ماں باپ قربان واقعی آپ
ہی (آنحضرت ﷺ سے کمال رغبت اور حصول علم کے شوق کی وجہ سے) اس امر کی نجات کی یہ صورت ہے تو رسول اللہ
ﷺ نے فرمایا تھا کہ جس شخص نے (خلوص دل کے ساتھ) ہم سے وہ کلمہ توحید قبول کر لیا جسے میں نے چچا ابوطالب کے سامنے پیش
کیا تھا اور انہوں نے اس کو قبول نہیں کیا تھا تو وہ کلمہ اس شخص کی نجات کا ضامن ہو گا۔

قولہ "حین توفی حزنوا علیہ" چونکہ آپ ﷺ کی دنیا سے رحلت فرمانے کی وجہ سے ظاہری اور باطنی علوم کے افادے کا سلسلہ ختم
ہو گیا اس وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بڑی پریشانی اور بڑے غم میں مبتلا ہو گئے اس قیامت خیز غم کے صدمے سے صحابہ کرام کے حواس
اڑ گئے۔ عقیدت رکھنے والوں کے خیال اور یقین میں یہ نہیں آتا تھا کہ آپ ﷺ دنیا سے تشریف لے جا چکے ہوں گے یہاں تک کہ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ اتنے پریشان تھے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے پریشانی کے عالم میں تلوار نیام سے باہر نکال لی اور کہا کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ
ﷺ دنیا سے تشریف لے جا چکے ہیں لہٰذا اگر کسی نے آپ ﷺ کے بارے میں یہ کہا کہ آپ ﷺ تشریف لے جا چکے ہیں تو میں اس کا
سر تن سے جدا کر دوں گا۔ بلکہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس بلایا تھا اور وہ پھر واپس آ گئے تھے اسی طرح
آپ ﷺ بھی دوبارہ تشریف لائیں گے لہٰذا کسی کی یہ مجال نہیں تھی کہ آپ ﷺ کی وفات کی خبر دے سکے لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جو
علم و حلم کے پہاڑ تھے جب ان کو یہ خبر ملی تو فوراً مسجد میں تشریف لے گئے اور منبر پر چڑھ کر انہوں نے خطبہ دیا اور یہ آیت تلاوت
فرمائی "وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل" بہر حال اس تقریر سے تمام صحابہ کے ہوش و حواس بحال ہو گئے اور

سابقہ حالت ختم ہو گئی اب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یقین آ گیا کہ آپ ﷺ وفات پا چکے ہیں چنانچہ بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ گویا کہ یہ آیت اب نازل ہوئی ہے۔

قوله ما نجاة هذا الامر : هذا الامر سے مراد یا تو امر دین ہے یعنی دین میں نجات کا بنیادی سبب کیا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دین میں نجات کا بنیادی سبب کلمہ طیبہ ہے یا هذا الامر سے مراد امور دنیوی میں انہماک اور اس میں مشغول ہونا ہے یعنی امور دنیوی میں انہماک اور مشغول ہونے کے بعد آخرت کی نجات کلمہ طیبہ میں ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے فرمایا ہے کہ "هذا الامر" سے مراد یہ ہے کہ حدیث النفس اور شیطان کے وسوسوں سے نجات کلمہ طیبہ میں ہے جیسے کہ مسند احمد کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ "ما دار في نفسك" چنانچہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا "خلاف الشيطان فجعل يلقي في نفسي اشياء ما احب اني تكلمت بها وان لي ما على الارض فيمنى سألت رسول الله ﷺ ما ينجينا من الحديث الذي يلقي الشيطان في انفسنا" چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کوئی فکر کی بات نہیں میں نے آپ ﷺ سے پوچھا تھا آپ ﷺ نے فرمایا "ينجيكم من ذلك ان تقول الذي امرت به عمي عند الموت فلم يفعل" یعنی کلمہ طیبہ میں اس کی نجات ہے۔

وَعَنِ الْمِقْدَادِ رضي الله عنه أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ لَا يَبْقٰى عَلٰى ظَهْرِ الْأَرْضِ بَيْتُ مَدَرٍ وَلَا وَبَرٍ إِلَّا أَدْخَلَهُ اللّٰهُ كَلِمَةَ الْإِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِيْزٍ وَذُلِّ ذَلِيْلٍ إِمَّا يُعِزُّهُمُ اللّٰهُ فَيَجْعَلُهُمْ مِنْ أَهْلِهَا أَوْ يُذِلُّهُمْ فَيَدِيْنُوْنَ لَهَا قُلْتُ فَيَكُوْنُ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ

(رواه احمد)

ترجمہ : اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا زمین کے اوپر کوئی گھر خواہ وہ مٹی کا ہو یا خیمہ کا ایسا باقی نہ رہے گا جس میں اللہ تعالیٰ اسلام کے کلمہ کو معزز کی عزت کے ساتھ اور ذلیل کی رسوائی کے ساتھ داخل نہ کرے (چنانچہ جو لوگ اس کلمہ کو خوشی اور صدق دل سے قبول کر لیں گے) ان کو اللہ تعالیٰ معزز مکرم بنا دے گا اور وہ اس کلمہ کا اہل قرار دے گا اور (جو لوگ خوشی قبول نہیں کریں گے) ان کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرے گا اور وہ لوگ اس کلمہ کے مطیع و فرمانبردار ہونے پر مجبور ہوں گے (یعنی طور کہ وہ جزیہ ادا کر کے کسی اسلامی ریاست میں رہ سکیں گے) میں نے (یہ سن کر) کہا پھر تو چاروں طرف اللہ ہی کا دین ہو گا۔

حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات آپ رضی اللہ عنہ کا نام مقداد بن عمرو کندی ہے ان کی نسبت کندی ہے کیونکہ آپ کے والد نے ذو کندہ کے ساتھ معاہدہ اور حلف وفاداری کیا تھا آپ نے دیگر تین میل مقام جرف میں ۳۳ھ میں ۷۰ سال وفات پائی۔

قوله لا يبقى على ظهر الارض : یعنی پوری زمین میں اسلام پھیل جائے گا اگر ظہر الارض سے مراد کیا عرب مراد ہو تو پھر یہ

پیشگوئی صادق ہو چکی ہے اور اگر اس سے پوری زمین مراد ہو تو پھر یہ پیشگوئی قرب قیامت میں یعنی حضرت امام مہدی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور میں صادق ہوگی۔

قولہ بیت مدر ولا وبر: "مدر" "مدرۃ" کی جمع ہے کچی اینٹ کو کہتے ہیں لیکن یہاں پر اس سے شہر اور گاؤں مراد ہے یعنی تمام شہروں میں اور بڑے بڑے گاؤں میں اسلام پھیل جائے گا۔ اور "وبر" اونٹ کے بالوں کو کہا جاتا ہے جس سے لوگ خیمے بناتے ہیں لیکن یہاں اس سے دیہات مراد ہے یعنی روئے زمین پر کوئی گھر ایسا نہ ہے گا جس میں اسلام کا نور نہیں پہنچے گا چاہے شہر ہو یا دیہات اور جنگل۔

قولہ بعز عزیز او بذل ذلیل: "عز عزیز" کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص اپنی خوشی دلی سے اسلام قبول کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو رسوا نہیں کرے گا قید و بند اور قتل و قتال سے بچ جائے گا لہذا اس کلمے نے اسکو عزت مند بنا دیا اور "ذل ذلیل" کا مطلب یہ ہے کہ مثلاً ایک شخص کلمہ اسلام قبول کرنے سے انکار کرے گا تو انکار کی وجہ سے اس کے ساتھ قتل و قتال، قید و بندی کی صورت پیش آئے گی تو وہ ذلیل ہو جائے گا۔

قولہ فیدینون لہا: یعنی اس ذلت و رسوائی کے بعد کلمہ اسلام قبول کرنے کیلئے تیار ہو جائے گا رضامندی سے ہو یا غیر رضامندی سے۔

وعن وهب بن منبه قيل له أليس لا إله إلا الله مفتاح الجنة قال بلى ولكن ليس مفتاح إلا له أسنان فإن جئت بمفتاح له أسنان فتح لك وإلا لم يفتح لك (رواه البخاری)

ترجمہ۔ اور حضرت وہب بن منبہؒ سے روایت ہے کہ کسی نے ان سے سوال کیا کہ کیا لا الہ الا اللہ جنت کی کنجی نہیں ہے؟ وہبؒ نے کہا بیشک لیکن کنجی میں دندانے بھی ضروری ہیں پس اگر تم ایسی کنجی لے کر آؤ جس میں دندانے موجود ہیں تو (یقیناً) اس سے جنت کے دروازے کھل جائیں گے ورنہ تمہارے لئے جنت کے دروازے نہیں کھلیں گے۔

حضرت وہب بن منبہ کے مختصر حالات: حضرت وہب بن منبہؒ کی کنیت ابو عبداللہ صنعانی ہے آپ فارسی ہیں اور تابعین میں سے ہیں آپ نے حضرت جابرؓ اور ابن عباسؓ سے سماع کی ہے آپ کی وفات [illegible]ھ میں ہوئی۔

والا لم یفتح لک: مگر اس کیلئے دروازہ نہیں کھولا جائے گا یعنی ابتداء کیونکہ اہل سنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب کلی طور ناری نہیں ہے۔

وعن أبي هريرة قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا أحسن أحدكم إسلامه فكل حسنة يعملها تكتب له بعشر أمثالها إلى سبعمائة ضعف وكل سيئة يعملها تكتب بمثلها حتى يلقى الله (متفق علیہ)

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص (صدق دل اور اخلاص نیت کی بنا پر) اپنے ایمان کو اچھا بنا لیتا ہے تو وہ بھی جو نیک عمل کرتا ہے اس پر اس کے اعمال نامہ میں اس جیسی دس سے لے کر سات سو تک نیکیوں کا زائد اجر لکھا جاتا ہے اور وہ جو برا عمل کرتا ہے اس پر اس کے نامہ اعمال میں اس ایک ہی عمل کا گناہ لکھا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اللہ سے ملاقات کرے۔

تشریح الحدیث قولہ اذا احسن اسلامہ: یعنی کسی شخص کا ایمان اور اسلام احسان کے درجہ تک پہنچ جائے تو اس کی نیکی سات (۷۰۰) درجے تک بلکہ اس سے بھی زیادہ تک لکھی جاتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "واللہ یضاعف لمن یشاء" اس لئے کہ جب حدیث شریف میں کوئی عدد ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے تحدید مراد نہیں ہوتی بلکہ تکثیر مراد ہوتی ہے۔

وعن ابی امامۃ رضی اللہ عنہ ان رجلا سأل رسول اللہ ﷺ ما الایمان قال اذا سرتک حسنتک وساءتک سیئتک فانت مؤمن قال یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فما الاثم قال اذا حاک فی نفسک شیء فدعہ (رواہ احمد)

ترجمہ: اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا (یا رسول اللہ) ایمان کی سچائی کی علامت کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا جب تمہاری نیکی تمہیں بھلی لگے اور تمہاری برائی تمہیں بری لگے تو (سمجھو کہ) تم (پکے) مومن ہو۔ پھر اس شخص نے پوچھا یا رسول اللہ! گناہ (کی علامت) کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا جب کوئی بات تمہارے دل میں کھٹک اور تردد پیدا کرے (تو سمجھو کہ وہ گناہ ہے) لہذا اس کو چھوڑ دو۔

تشریح الحدیث یعنی جب کوئی شخص نیکی کا کام کرے اور اس کی وجہ سے اس کو خوشی حاصل ہو جائے یا کوئی برا کام کرے اور اس کی وجہ سے اس کو رنج و غم اور پریشانی حاصل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے لگے تو یہ اس کے ایمان کی علامت ہے کیونکہ مومن بندہ کی علامت یہ ہے کہ وہ معصیت اور طاعت کے درمیان تمیز کرنے والا ہوگا اور آخرت پر یقین رکھنے والا ہوگا جبکہ کافر معصیت اور طاعت کے درمیان تمیز نہیں کرتا اور آخرت پر یقین رکھتا نہیں۔

قولہ فما الاثم قال اذا حاک: یعنی جب کسی بات کے بارے میں آپ کے دل میں کھٹکے اور شک پیدا ہو جائے اور اس کے گناہ ہونے پر شریعت میں کوئی تصریح موجود نہ ہو بلکہ صرف شبہ ہو جبکہ قرآن، حدیث اور اجماع میں اس کے متعلق کوئی صریح حکم موجود نہ ہو بلکہ مختلف فیہ ہو۔

قولہ فدعہ: یعنی جب کوئی بات تمہارے دل میں کھٹکے تو اس کو چھوڑ دو لیکن یہ معاملہ ان کے بارے میں ہے جو صاحب دل اور سلیم القلب ہو تو ایسے لوگوں کے لئے احتیاطاً کی مشتبہ چیزوں کو چھوڑنا چاہئے ایک حدیث شریف میں ہے "دع ما یریبک الی ما لا یریبک"۔

عن عمرو بن عبسة رضي الله عنه قال أتيت رسول الله ﷺ فقلت يا رسول الله من تبعك على هذا الأمر قال حر وعبد قال قلت ما الإسلام قال طيب الكلام وإطعام الطعام قلت ما الإيمان قال الصبر والسماحة قال قلت أي الإسلام أفضل قال من سلم المسلمون من لسانه ويده قال قلت أي الإيمان أفضل قال خلق حسن قال قلت أي الصلاة أفضل قال طول القنوت قال قلت أي الهجرة أفضل قال أن تهجر ما كره ربك قال قلت فأي الجهاد أفضل قال من عقر جواده وأهريق دمه قال قلت أي الساعات أفضل قال جوف الليل الآخر (رواه احمد)

ترجمہ: حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ! دعوت اسلام کے آغاز میں اس دین (اسلام) پر آپ ﷺ کے ساتھ کون تھا؟ آپ ﷺ نے فرمایا ایک آزاد (ابوبکر رضی اللہ عنہ) اور ایک غلام (بلال رضی اللہ عنہ)۔ میں نے عرض کیا اسلام کی علامت کیا ہے؟ فرمایا پاکیزہ کلامی اور (مسکین کو) کھانا کھلانا۔ میں نے عرض کیا ایمان کی باتیں کیا ہیں؟ فرمایا صبر اور سخاوت (یعنی بری باتوں سے باز رہنا اور طاعت و عبادات پر مستعد ہونا)۔ میں نے کہا کون سا مسلمان بہتر ہے؟ فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ (کی ایذا) سے مسلمان محفوظ رہیں۔ میں نے کہا ایمان میں بہتر چیز کیا ہے؟ فرمایا کہ اچھے اخلاق۔ میں نے کہا نماز میں کون سی چیز بہتر ہے؟ فرمایا دیر تک کھڑے رہنا۔ میں نے کہا کون سی ہجرت بہتر ہے؟ فرمایا یہ کہ تم اس چیز کو چھوڑ دو جس سے تمہارا پروردگار ناخوش ہوتا ہے۔ میں نے کہا کہ جہاد میں افضل کون ہے؟ فرمایا وہ شخص افضل ہے جس کا گھوڑا مارا جائے اور وہ خود بھی شہید ہو جائے۔ میں نے کہا کہ سب سے افضل کون سا وقت ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نصف شب کا آخری حصہ۔

حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات: آپ کی کنیت ابو نجیح سلمی ہے آپ قدیم الاسلام ہیں آپ کا شمار شامیین میں ہے آپ سے ایک جماعت نے روایت کی ہے۔

قولہ حر وعبد: جب آپ نے یہ کلام فرمایا تو اس وقت میری بعثت کا موسم ہے آزاد سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مراد ہیں اور غلام سے حضرت بلال رضی اللہ عنہ مراد ہیں، مسلم شریف کی روایت میں ہے "ومعه يومئذ أبو بكر وبلال" اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت خدیجہ کا ذکر نہیں ہے حالانکہ وہ بھی سبقت کرنے والوں میں سے ہیں ذکر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ چھوٹے تھے اور حضرت خدیجہ کا ذکر پردہ کی وجہ سے نہیں کیا گیا۔ (تعلیق الصبیح ج ۱ ص ۱۰۵)

قولہ ما الاسلام: یعنی اسلام کی علامت کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا "طیب الکلام" یعنی نرمی اور نرم بات۔

قولہ اطعام الطعام: کھانا کھلانا اور کھانا کھلانا دو قسم پر ہے ایک دعوت کا کھانا ہے اور ایک ضیافت کا، دعوت اطعام خاص ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے "لا يأكل طعامك إلا تقي" (جامع ترمذی)

آپ کا کھانا نیک اور پرہیزگار لوگ کھائیں اور حاجت کا کھانا کھلانا عام ہے مسلمان اور کافر سب کو کھلایا جاسکتا ہے شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

اے کریمے کہ از خزانہ غیب — گبرو ترسا وظیفہ خور داری

تو کہ با دشمناں نظر داری — دوستاں را کجا کنی محروم (گلستان ص ۲)

فائدہ ارب مالہ: "ارب" میں جو الف ہے یہ کبھی یاء سے بدل جاتا ہے جیسے "ارب مالہ" اور کبھی یہ باقاعدہ بھی آتی ہے جیسے "الارب مالہ" اس حدیث میں جو اعمال ذکر کیے گئے ہیں یہ افضلیت کے اعتبار سے ہیں اور آپ ﷺ نے مخاطب کے حال کی رعایت کرتے ہوئے جواب فرمایا ہے۔

باب الکبائر وعلامات النفاق:

اس باب میں علامہ تبریزیؒ نے کبائر اور نفاق کی علامات کے متعلق احادیث ذکر کی ہیں جیسا کہ عنوان سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے۔ احادیث ذکر کرنے سے پہلے چند ضروری اصطلاحات و مباحث کا ذکر کرنا ضروری ہے لہذا یہاں پر پانچ مباحث ذکر کرنا ضروری ہیں۔

(۱) ذنوب یعنی گناہوں کی تقسیم (۲) گناہ صغیرہ اور کبیرہ کی تعریف (۳) کبائر کی تعداد (۴) نفاق کی تعریف اور تقسیم (۵) نفاق کی علامات۔

تفصیل (۱) ذنوب کی تقسیم: گناہوں کی تقسیم ہے یا نہیں؟ اس کے متعلق علماء کے دو مذاہب ہیں۔

ایک طائفہ: قاضی عیاضؒ نے بعض محققین کا مذہب یہ ذکر کیا ہے کہ گناہوں میں کوئی تقسیم نہیں ہے بلکہ تمام گناہ کبیرہ ہیں اس میں کوئی صغائر نہیں ہیں۔ ابو اسحاق اسفرائنیؒ نے بھی اس مذہب کو اختیار کیا ہے عبد اللہ بن عباسؓ کا بھی یہی قول ہے اور اس مذہب پر انہوں نے دو دلائل ذکر کیے ہیں۔

(۱) گناہ نام ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا اور یہ ظاہر بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان اور عظمت اور اس کی کبریائی کے اعتبار سے معمولی اور ادنیٰ سی نافرمانی بھی سخت ترین اور قبیح چیز ہے۔

(۲) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے "کل شیء نهی الله عنه فهو کبیرة" (التعلیق الصبیح ج ص)

دوسرا طائفہ: دوسرا طائفہ جمہور سلف و خلف کا ہے یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ بات ہم مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی شان، عظمت اور کبریائی کے اعتبار سے ہر گناہ سخت ترین اور قبیح ہے لیکن پھر بھی اس کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے۔ اس مذہب پر انہوں نے تین دلائل ذکر کیے ہیں۔

(۱) اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانا (۲) گناہ پر اصرار کرنا (۳) اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا۔ (۴) اللہ کے عذاب سے بے خوف ہونا۔

اور چار کا تعلق زبان سے ہے۔

(۱) شہادۃ الزور یعنی جھوٹی گواہی دینا (۲) پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانا (۳) جھوٹی قسم کھانا (۴) سحر اور جادو کرنا۔

جبکہ تین کا تعلق پیٹ سے ہے۔

(۱) شراب پینا (۲) یتیم کا مال کھانا (۳) سود کھانا۔

دو کا تعلق شرمگاہ سے ہے۔

(۱) زنا کرنا (۲) لواطت کرنا۔

اور پانچ کا تعلق ہاتھ سے ہے۔

(۱) کسی کو ناحق قتل کرنا (۲) چوری کرنا (۳) اپنی اولاد کو قتل کرنا (۴) قطع الطریق یعنی ڈاکہ ڈالنا۔ (۵) امانت اور مال غنیمت میں خیانت کرنا اور ایک کا تعلق پیروں کے ساتھ ہے فرار من الزحف یعنی میدان جنگ سے بھاگنا۔ جبکہ ایک کا تعلق پورے بدن کے ساتھ ہے عقوق الوالدین یعنی والدین کی نافرمانی کرنا۔

علامہ جلال الدین دوانی نے شرح العقائد العضدیہ اور علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں اس سے بھی زیادہ ذکر کئے ہیں (بحوالہ مظاہر حق)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کبائر ستر (۷۰) کے قریب ہیں جبکہ حضرت سعید بن جبیرؓ کے نزدیک کبائر سات سو (۷۰۰) کے قریب ہیں (مرقات ج ۱ ص ۲۰۵)

(۲) نفاق کی تعریف اور تقسیم

نفاق "نفق" سے ماخوذ ہے لغوی معنی ہیں چوہے کا سوراخ میں کبھی داخل ہونا اور کبھی خارج ہونا اور اصطلاح میں ظاہر کا باطن کے ساتھ مخالف ہونا دونوں میں مناسبت ظاہر ہے کیونکہ جس طرح چوہا متحیر ہوتا ہے اسی طرح منافق بھی متحیر ہوتا ہے۔

نفاق کی اقسام نفاق کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) نفاق اعتقادی۔ اس کو نفاق حقیقی بھی کہا جاتا ہے نفاق اعتقادی یہ ہے کہ ایک شخص دل میں کفر چھپا کر رکھتا ہے اور زبان سے اسلام کا اقرار کرتا ہے تاکہ اس سے دنیاوی احکام ساقط ہوں (یعنی اس کے ساتھ کافروں جیسا معاملہ نہ کیا جائے)۔

(۲) **نفاق عملی**۔ نفاق عملی یہ ہے کہ ایک شخص دل سے بھی مانتا ہے اور زبان سے اقرار بھی کرتا ہے لیکن اعمال منافقوں جیسا

کرتا ہے۔ نیز واحادیث میں جو منافق ذکر کیا گیا ہے اس سے منافق عملی ہی مراد ہے نہ کہ منافق اعتقادی کیونکہ منافق اعتقادی تو جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوگا کیونکہ اس کا کفر سب سے زیادہ سخت ہے اور اس سے حفاظت مشکل ہے اور منافق عملی کافر تو نہیں ہے لیکن فاجر اور فاسق ضرور ہے۔

(۴) فوق مرفق ۔۔ یعنی دونوں بغلیں پاس بچھانے والا۔

(۵) **منافق کی علامات** منافق کی علامات چار ہیں۔

(۱) جب بات کرتا ہے تو جھوٹ بولتا ہے (۲) جب وعدہ کرتا ہے تو خلاف ورزی کرتا ہے (۳) امانت میں خیانت کرتا ہے (۴) اور جب کوئی جھگڑا ہو تو گالی گلوچ پر اتر آتا ہے۔

الفصل الاول عن عبد الله بن مسعود رضي الله عنه قال قال رجل يا رسول الله اي الذنب اكبر عند الله قال ان تدعو لله ندا وهو خلقك قال ثم اي قال ان تقتل ولدك خشية ان يطعم معك قال ثم اي قال ان تزاني حليلة جارك فانزل الله تصديقها والذين لا يدعون مع الله الها آخر ولا يقتلون النفس التي حرم الله الا بالحق ولا يزنون الآية (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ! اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کہ جس اللہ نے تمہیں پیدا کیا ہے تم کسی کو اس کا شریک ٹھہراؤ، پھر اس شخص نے پوچھا اس کے بعد سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ کہ تم اپنے ہمسایہ کی بیوی سے زنا کرو (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) سرکار ﷺ کے اسی ارشاد کی تصدیق میں یہ آیت نازل ہوئی (جس کا ترجمہ ہے) اور بندگان خاص ہیں جو اللہ کے سوا کسی دوسرے کو معبود نہیں ٹھہراتے اور جس جاندار کو قتل کرنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہیں کرتے اور نہ زنا کرتے ہیں اور جو کوئی ایسا کرے گا وہ گناہ کے وبال میں پڑے گا۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات: آپ کی کنیت ابو عبد الرحمن ہذلی ہے قدیم الاسلام صحابی اور ذوالہجرتین ہیں آپ غزوہ بدر کے بعد کے تمام غزوات میں شریک ہوئے عادات و خصائل میں حضور ﷺ کے ساتھ مشابہ تھے آپ مذہب حنفی کے اصل الاصول ہیں آپ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے اول دور خلافت میں کوفہ کے قاضی رہے پھر مدینہ منورہ آئے اور وہیں بعمر ۶۳ سال ۳۲ھ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے آپ سے خلفاء اربعہ اور دیگر صحابہ اور تابعین نے روایت کی ہے آپ کی کل مرویات ۸۴۸ ہیں۔

شیخ عبد الحق محدث دہلوی نے "ند" کی تعبیر یوں کی ہے کہ ایک شخص دوسرے کے ساتھ ذات اور صفات میں مشابہ ہو جبکہ افعال اور احکام میں مخالف ہو اور جب ذات صفات افعال اور احکام سب میں مخالف ہو تو اس کو ضد کہتے ہیں یعنی تم اللہ کیلئے نظیر اور

مشابہت ٹھہراؤ، اس حال میں اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا کیا ہے۔

قولہ ان تقتل ولدک: یہاں پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر "خشیۃ ان یطعم معک" قید ہو تو پھر اولاد کو قتل کرنا جائز نہیں ہے لیکن اگر یہ قید نہ ہو تو پھر قتل اولاد جائز ہوگا حالانکہ اولاد کو قتل کرنا مطلقاً حرام ہے؟

جواب: (۱) قتل مطلقاً گناہ کبیرہ ہے یہاں اس کا استدلال مفہوم مخالف کے ساتھ کیا گیا ہے۔ احناف کے نزدیک مفہوم مخالف عبارات فقہیہ اور معاملات میں معتبر ہے لیکن نصوص شرعیہ میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے۔

(۲) "ان یطعم معک" یہ قید احترازی نہیں ہے بلکہ اس وجہ سے لگائی گئی ہے کہ اہل عرب کی عام عادت یہی تھی کہ رزق کے خوف کی وجہ سے اپنی اولاد کو قتل کرتے تھے لہذا اس قید سے مقصود بیان واقعہ ہے اور اہل عرب کی غالب عادت بیان کرنا مقصود ہے۔

(۳) "ان یطعم معک" یہ قید احترازی نہیں ہے بلکہ مزید قباحت کے بیان کیلئے ہے کہ قتل تو مطلقاً گناہ کبیرہ ہے لیکن اپنی اولاد کو قتل کرنا تو مزید گناہ کی بات ہے کیونکہ ایک تو اس میں قطع رحمی کا گناہ ہے دوسرا اللہ تعالیٰ کی رازقیت پر اعتماد نہ کرنے کا گناہ ہے نیز اس میں قساوت قلبی بھی ہے۔

قولہ ان تزانی حلیلۃ جارک. حلیلۃ بیوی کو کہا جاتا ہے یہ "حل" سے ماخوذ ہے اور بیوی کو حلیلہ اسلئے کہا جاتا ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کیلئے حلال ہوتے ہیں۔ زنا تو مطلقاً گناہ کبیرہ ہے لیکن بطور خاص اپنے پڑوسی کی بیوی کے ساتھ زیادہ جرم ہے کیونکہ اس کی وجہ سے بے حیائی اور جدائی پیدا ہوتی ہے اس لئے کہ جب کوئی شخص سفر کیلئے جاتا ہے تو اپنے پڑوسی پر اعتماد کرتا ہے کہ اس کی وجہ سے میری آبرو اور عزت محفوظ رہے گی تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی تصدیق کیلئے یہ آیتیں نازل فرمادیں

"والذین لایدعون مع اللہ الہا آخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الخ"

وَعَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ الْكَبَائِرُ الْإِشْرَاكُ بِاللهِ وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ وَقَتْلُ النَّفْسِ وَالْيَمِينُ الْغَمُوسُ رواه البخاري وفي رواية انس وشهادة الزور بدل اليمين الغموس (متفق عليه)

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا، ماں باپ کی نافرمانی کرنا، ناحق کسی کو مار ڈالنا اور جھوٹی قسم کھانا بڑے گناہ ہیں (بخاری) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں "جھوٹی قسم کھانا" کے بجائے "جھوٹی گواہی دینا" کے الفاظ ہیں۔

تشریح الحدیث: قولہ "الاشراک باللہ" حافظ ابن قیم نے مدارج السالکین میں لکھا ہے کہ شرک کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) شرک اکبر یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا اور اس کی ایسی تعظیم کرنا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی جاتی ہے۔

(۲) شرک اصغر جیسے ریا، شہرت، تصنع، غیر اللہ کی قسم کھانا وغیرہ۔ یہاں یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے شرک اکبر یعنی کفر مراد ہو اور یہ

بعض احتمال ہے کہ اس سے شرک علی الخصوص مراد ہو لیکن اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ کفر کی بہت ساری انواع شرک سے اشد ہوتی ہیں اس لئے احتمال اول راجح ہے یا احتمال ثانی ہے۔

قوله : عقوق الوالدین: عقوق عق سے ماخوذ ہے لغوی معنیٰ ہے کسی چیز کو چیرنا یہاں اس سے مراد والدین یعنی دونوں یا دونوں میں سے ایک کی نافرمانی کرنا ہے ان امور میں جو فی نفسہ معصیت نہیں ہوتے لیکن والدین کی مخالفت کفر اور گناہ کے چھوڑنے کے متعلق ہو تو پھر یہ جائز ہے۔

مسئلہ اجداد اور جدات والدین کے حکم میں ہیں نیز والدین کو تکلیف نہ دینا واجب ہے اور اگر والدین خدمت کے محتاج ہوں اور ولد اس کی خدمت پر قادر ہو تو ان کی خدمت کرنا واجب ہے اگر والدین فرائض اور واجبات کے چھوڑنے کا حکم دیں تو ان کے حکم کا ماننا جائز نہیں اور اگر وہ مستحب چھوڑنے کا حکم دیں تو حکم ماننا جائز ہے اور اگر وہ سنت چھوڑنے کا حکم دیں مثلاً باجماعت نماز پڑھنے کی اجازت نہ دیں یا یوم عرفہ کے دن روزہ رکھنے کی اجازت نہ دیں تو کبھی کبھی ماننا جائز ہے اور کبھی چھوڑنا بھی جائز ہے۔

قوله والیمین الغموس: یمین غموس زمانہ ماضی میں کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے پر قصداً اور عمداً جھوٹی قسم کو کہا جاتا ہے جبکہ بعض نے کہا ہے کہ جھوٹ بول کر کسی کے مال لینے پر قسم کھانے کو غموس کہا جاتا ہے۔ اس قسم کو یمین غموس اس لئے کہتے ہیں کہ یہ قسم کھانے والے کو دنیا میں گناہ کے اندر اور آخرت میں جہنم میں غوطہ دیتی ہے۔

یمین غموس کا حکم یہ ہے کہ اس کو کرنے والا فاسق ہے اور اس کا کفارہ نہیں ہے بلکہ آخرت کا عذاب بھگتے گا جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس پر دنیا میں کفارہ لازم ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ اجْتَنِبُوا السَّبْعَ الْمُوبِقَاتِ قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَمَا هُنَّ قَالَ الشِّرْكُ بِاللهِ وَالسِّحْرُ وَقَتْلُ النَّفْسِ الَّتِي حَرَّمَ اللهُ إِلَّا بِالْحَقِّ وَأَكْلُ الرِّبَا وَأَكْلُ مَالِ الْيَتِيمِ وَالتَّوَلِّي يَوْمَ الزَّحْفِ وَقَذْفُ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ الْغَافِلَاتِ (متفق علیہ)

ترجمہ اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا (لوگو) سات ہلاک کر دینے والی باتوں سے بچو، پوچھا گیا یارسول اللہ! وہ سات ہلاک کرنے والی باتیں کون سی ہیں؟ فرمایا کسی کو اللہ کا شریک ٹھہرانا، جادو کرنا، جس جان کو مارنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل کرنا، یتیم کا مال کھانا، جہاد کے دن دشمن کو پیٹھ دکھانا یا پاکدامن ایمان والی اور بے خبر عورتوں پر زنا کی تہمت لگانا۔

تشریح حدیث: قوله السحر: سحر کے متعلق دو مذاہب ہیں کہ سحر کی کوئی حقیقت ہے یا نہیں چنانچہ معتزلہ، ابواسحاق استرآبادی (شافعی)، ابوبکر رازی (حنفی) اور ابن حزم ظاہری فرماتے ہیں کہ سحر کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ ایک خیالی چیز

ج ۸ مرقات ص ۴۴۲)

یہ حضرات استدلال میں یہ آیت کریمہ پیش کرتے ہیں "فاذا حبالهم وعصيهم يخيل اليه من سحرهم انها تسعى" اس آیت کے ذیل میں امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ ساحروں نے رسیوں اور لاٹھیوں کے ساتھ کوئی چیز باندھ رکھی تھی جو حرکت کر رہی تھی تو لوگوں کے خیال میں یہ آ رہا تھا کہ یہ رسیاں اور لاٹھیاں دوڑ رہی ہیں۔

جبکہ امام نوویؒ، علامہ قرطبیؒ اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ سحر کی حقیقت موجود ہے جو کہ مدلول علیہ الکتاب والسنۃ ہے کیونکہ اگر سحر کی حقیقت نہ ہوتی تو اس کی تعلیم اور تعلم نہ ہوتا کیونکہ جس چیز کی حقیقت نہیں ہوتی اس کی تعلیم اور تعلم نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "يعلمون الناس السحر" کہ لوگوں کو سحر سکھایا کرتے تھے لہٰذا یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سحر کی حقیقت ہے نیز سورۃ الفلق اور سورۃ الناس کے نزول کا سبب ولید بن الاعصم کا سحر ہے کہ اس نے آپ ﷺ پر جادو کیا تھا۔ (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۲ ص ۴۶)

اسی طرح ایک روایت میں ہے "السحر حق" اور قرآن پاک میں سحر کے متعلق جو تفصیل ذکر کی گئی ہے یہ سحر کی ایک خاص قسم کے متعلق ذکر کیا گیا ہے مطلق سحر کے بارے میں ذکر نہیں کیا گیا (شرح فقہ اکبر ص ۱۸۰)۔

سحر کی تعریف "السحر انه استحداث خوارق بمعاونة الشيطان بضرب من التقرب اليه وهو يفيد التصرف في الطبائع بحال الانسان" (کشاف اصطلاحات الفنون ص ۹۹۴)۔

سحر کی تعلیم اور تعلم کا حکم: اگر سحر آئندہ سات باتوں میں سے کسی ایک پر مشتمل ہو تو وہ کفر اور شرک ہے۔

(۱) سحر میں غیر اللہ کی عبادت ہو (۲) سحر میں غیر اللہ کی نذر ہو (۳) استمداد غیر اللہ (۴) یا اس میں شیاطین کی ایسی تعظیم ہو جیسے کہ اللہ پاک کی تعظیم کی جاتی ہے۔ (۵) یا اس میں کلمات کفریہ ہوں (۶) یا اس میں افعال شرکیہ ہوں (۷) یا جادو کو موثر بالذات سمجھتا ہو یہ سات صورتیں کفر اور شرک کی ہیں۔ البتہ سد ذرائع کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے آپ سے جادو دور کرنا جائز ہے

اگر سحر میں مباحات کا استعمال ہوتا ہو تو جائز ہے اور اگر اس کے ذریعہ ضرر پہنچانا مقصود ہو تو ناجائز اور حرام ہے مثلاً میاں بیوی کے درمیان تفریق اور جدائی ڈالنے کیلئے اور اگر ضرر دفع کرنے کیلئے ہو تو پھر جائز ہے۔

سحر اور کرامت اور معجزہ میں فرق سحر اکوان اور افعال کے ساتھ اسباب سے وجود میں آتا ہے برخلاف کرامت کے کیونکہ کرامت ان چیزوں کی محتاج نہیں ہوتی بلکہ کبھی کبھی اتفاقاً وجود میں آتی ہے۔

سحر ظاہری تعلیم اور تعلم کا محتاج ہوتا ہے جبکہ کرامت اور معجزہ ظاہری تعلیم اور تعلم کا محتاج نہیں ہوتا۔

سحر کیلئے مکان اور زمان کی تخصیص کی ضرورت ہوتی ہے جبکہ معجزہ اور کرامت کیلئے مکان اور زمان کی تخصیص کی کوئی ضرورت نہیں۔

ج۱ ص۳۳۶)

(۳) گناہ کے ارتکاب کے وقت ایمان نکل جاتا ہے سر کے اوپر سائبان کی طرح کھڑا ہوتا ہے اور جب وہ گناہ سے فارغ ہوجاتا ہے تو ایمان پھر لوٹ کر آتا ہے۔

(۴) یہاں پر ایمان کامل کی نفی مراد نہیں بلکہ ایمان کے ایک عظیم الشان شعبہ یعنی حیاء کی نفی مراد ہے یعنی جب انسان سے حیاء نکل جاتی ہے تو پھر یہ امور صادر ہوتے ہیں۔

(۵) یہ حدیث محمول ہے تشدید، تغلیظ اور وعید پر تاکہ لوگ اس فعل کی شناعت خوب ذہن میں رکھ دیں کہ اس کے ارتکاب سے تو آدمی ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے لہذا اس سے اجتناب کریں گے۔

(۶) یہ حدیث مستحل پر محمول ہے یعنی جب کوئی شخص ان کاموں کو حلال سمجھ کر کرے تو پھر ایمان باقی نہیں رہتا۔

(۷) حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ہے جب انسان کی قوت ملکوتی مغلوب ہوجاتی ہے اور قوت بہیمیہ غالب ہوجاتی ہے تو پھر یہ امور صادر ہوتے ہیں لہذا قوت ملکوتی کے زوال سے تعبیر کیا گیا ہے خروج عن الایمان کے ساتھ ورنہ نفس ایمان باقی رہتا ہے۔ (التعلیق الصبیح ج۱ ص۶۱)

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ زَادَ مُسْلِمٌ وَإِنْ صَامَ وَصَلّٰى وَزَعَمَ أَنَّهُ مُسْلِمٌ ثُمَّ اتَّفَقَا إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ (متفق علیہ)

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا منافق کی تین علامتیں ہیں، اس کے بعد مسلمؒ نے اپنی روایت میں اتنا اضافہ کیا "اگر چہ وہ نماز پڑھے اور روزہ رکھے اور مسلمان ہونے کا دعویٰ بھی کرے" اس کے بعد بخاریؒ و مسلمؒ دونوں متفق ہیں (وہ تین علامتیں یہ ہیں) جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

تفہیم الحدیث: قولہ "آیۃ المنافق ثلث" آیۃ سے جنس مراد ہے تاکہ شک کا حمل اس پر صحیح ہوجائے اس حدیث میں منافق کی تین علامات ذکر کی گئی ہیں جبکہ ایک دوسری حدیث میں چار ذکر کی گئی ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے آپ ﷺ کو تین کا علم دیا گیا تھا پھر چوتھی علامت کا علم بھی آپ ﷺ کو دیا گیا۔

اشکال: یہاں پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ جب کسی میں یہ علامات پائی جائیں تو وہ منافق ہے اور منافق تو مخلد فی النار ہوتا ہے حالانکہ یہ علامات بھی مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہیں لہذا مسلمان بھی مخلد فی النار ہوگا لہذا اس حدیث کے ظاہر سے معتزلہ کی تائید ہوتی ہے؟

فِي السَّبْتِ قَالَ فَقَبَّلَا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ وَقَالَا نَشْهَدُ أَنَّكَ نَبِيٌّ قَالَ فَمَا يَمْنَعُكُمْ أَنْ تَتَّبِعُونِي قَالَا إِنَّ دَاوُدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَعَا رَبَّهُ أَنْ لَا يَزَالَ مِنْ ذُرِّيَّتِهِ نَبِيٌّ وَإِنَّا نَخَافُ إِنْ تَبِعْنَاكَ أَنْ تَقْتُلَنَا الْيَهُودُ (رواه الترمذی وابو داؤد والنسائی)

ترجمہ : حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک یہودی نے اپنے ایک (یہودی) ساتھی سے کہا کہ آؤ اس نبی ﷺ کے پاس چلیں اس کے ساتھی نے کہا انہیں نبی نہ کہو، کیونکہ اگر انہوں نے سن لیا (کہ یہودی بھی مجھے نبی کہتے ہیں) تو ان کی چار آنکھیں ہو جائیں گی (یعنی خوشی سے پھولے نہیں سمائیں گے) بہر حال وہ دونوں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آئے اور آپ ﷺ سے نو واضح احکام کے بارے میں سوال کیا، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کسی کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، جس جان کو مارڈالنا اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کو ناحق قتل نہ کرو، کسی بے گناہ کو قتل کرانے کے لئے (اس پر غلط الزام عائد کرکے) حاکم کے پاس مت لے جاؤ، جادو نہ کرو، سود نہ کھاؤ، پاک دامن عورت پر (زنا کی) تہمت نہ لگاؤ، میدان جنگ میں دشمن کو پیٹھ نہ دکھاؤ، اور اے یہودیو! تمہارے لئے خاص طور پر واجب ہے کہ یوم شنبہ کے معاملہ میں (حکم الٰہی سے) تجاوز نہ کرو، راوی کہتے ہیں کہ (یہ سن کر) دونوں یہودیوں نے آنحضرت ﷺ کے ہاتھ پیر چوم لئے اور بولے ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ واقعی نبی ہیں۔ سرکار ﷺ نے فرمایا (جب تمہیں میری رسالت پر یقین ہے تو) میری اتباع سے تم کو کون سا امر مانع ہے؟ انہوں نے کہا: حقیقت یہ کہ داؤد علیہ السلام نے اپنے رب سے دعا کی تھی کہ ان کی اولاد میں ہمیشہ نبی ہوا کریں گے لہذا ہم ڈرتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ کی پیروی کریں تو یہودی ہمیں مار ڈالیں گے۔

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات۔ آپ قبیلہ بنی مراد میں سے ہیں کوفہ میں مقیم ہو گئے تھے احادیث اہل کوفہ نے حاصل کیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں وفات پائی۔

قوله لكان له اربع اعين: یہ سرور اور خوشی سے کنایہ ہے کیونکہ سرور اور خوشی کے وقت آدمی کی نظر تیز ہو جاتی ہے جیسا کہ غم کے وقت نظر میں کمی محسوس ہوتی ہے اس لئے غم زدہ شخص کے متعلق عرف کا مقولہ مشہور ہے "اظلم عليه الليل" نیز قرآن مجید میں بھی ہے "وابيضت عيناه من الحزن فهو كظيم" یعنی جس طرح غم کی وجہ سے نظر میں کمی محسوس ہوتی ہے اسی طرح خوشی اور سرور کی وجہ سے نظر میں تیزی محسوس ہوتی ہے اس کی تائید قرآن مجید کی اس آیت سے ہوتی ہے "فلما ان جاء البشير القاه على وجهه فارتد بصيرا" چنانچہ بعض مفسرین کا قول یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی بینائی لوٹ کر آئی تھی۔

قوله فسأله عن تسع آيات بينات: اس کی تفسیر میں دو قول ہیں (۱) ایک قول یہ ہے کہ یہود نے ان احکام متعلق سوال کیا تھا جو ہر شریعت اور دین میں مشروع ہیں تو آپ ﷺ نے نو احکام کا جواب دیا اور ایک کا اپنی طرف اضافہ کیا جس کا تعلق خاص یہود کے ساتھ تھا۔

(۲) دوسرا قول یہ ہے کہ آپ ﷺ نے علی اسلوب الحکیم جواب دیا ہے یعنی ان کے سوال سے ہٹ کر جواب دیا کہ آپ لوگوں کیلئے معجزات کے بارے میں سوال نہیں کرنا چاہیے بلکہ معجزات کے بجائے احکام کے متعلق سوال کرنا اولیٰ ہے لہٰذا آپ ﷺ نے ان کے سوال کے جواب میں یہ دس احکام ذکر فرما دیے۔

لیکن اس دوسرے قول پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ سوال اور جواب میں مطابقت نہیں کیونکہ سوال معجزات کے بارے میں تھا اور جواب احکام کے بارے میں دیا گیا حالانکہ سوال اور جواب میں مطابقت ہونا چاہیے؟

جواب: آپ ﷺ نے احکام بیان کرنے کے ساتھ ساتھ معجزات کا ذکر بھی کیا تھا جس کی تفصیل سورۃ اعراف میں تفصیل کے ساتھ جبکہ سورۃ بنی اسرائیل اور سورۃ نمل میں اجمال کے ساتھ آیا ہے۔

آیات بینات مندرجہ ذیل ہیں۔ (۱) عصا (۲) ید بیضاء (۳) نقص الثمرات (۴) الدم (۵) الجراد (۶) القمل (۷) الضفادع (۸) الطوفان (۹) قحط سالی۔

پھر آپ ﷺ نے نو احکام کو بیان فرمایا لیکن راوی نے آیات بینات کو ذکر نہیں کیا بلکہ قرآن پاک پر اکتفاء کیا ہے اور احکام کو ذکر کیا ہے۔

قولہ فقبلا یدیہ ورجلیہ: آپ ﷺ کے اس جواب نے ان پر اتنا اثر کیا کہ انہوں نے غیر اختیاری طور پر آپ ﷺ کی تصدیق کی اور اس کا اقرار کیا اور خوشی میں آپ ﷺ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے اس عمل پر نکیر نہیں فرمائی۔

اشکال: اب سوال یہ ہے کہ جب ان کی جانب سے تصدیق اور اقرار موجود ہے تو پھر آپ ﷺ نے ان کو کیوں فرمایا "فما یمنعکم ان تتبعونی"۔

جواب یہ ہے کہ اگرچہ ان کی جانب سے تصدیق اور اقرار تو موجود ہے لیکن ان کی جانب سے تسلیم یعنی ماننا موجود نہیں اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا ہے "فما یمنعکم ان تتبعونی"۔

قولہ ان داود علیہ السلام دعا ربہ ان لا یزال من ذریتہ نبی: یعنی ان دونوں یہودیوں نے ایمان نہ لانے کا یہ عذر پیش کیا کہ داود ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی ہے کہ میری اولاد میں ہمیشہ نبی آتے رہیں لہٰذا ہم اس انتظار میں ہیں کہ یعقوب ﷺ کی اولاد میں نبی آجائے اور ہم نے چونکہ آپ پر ایمان لایا ہو تو یہود ہمیں قتل کر دیں گے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ان کی طرف سے حضرت یعقوب ﷺ پر افتراء ہے اس لئے کہ تورات اور زبور میں آپ ﷺ کے خاتم النبیین کی تصریح موجود ہے اور حضرت یعقوب ﷺ کو جب یہ بات معلوم تھی تو پھر انہوں نے اپنے رب سے کیسے دعا مانگی کہ میری اولاد میں ہمیشہ کیلئے نبوت باقی رہے۔ اور اگر بالفرض ہم مان لیں کہ یعقوب ﷺ نے دعا مانگی ہے تو پھر یہ دعا ہمیشہ کیلئے

یا ایمان۔

حضرت حذیفہؓ کے مختصر حالات

حضرت حذیفہ ؓ کے والد کے نام حسیل ہے آپ کی کنیت ابوعبداللہ عبسی ہے حضور ﷺ کے راز دار صحابی ہیں زیادہ تر فتن اور حوادثات کی خبر آپ ﷺ ان کو دیا کرتے تھے آپ کی وفات شہر مدائن میں حضرت عثمان غنی ؓ کی شہادت سے چالیس راتوں کے بعد ۳۵ھ میں ہوئی اور مدائن میں مدفون ہوئے آپ سے حضرت عمر ؓ، حضرت علی ؓ، حضرت ابودرداء ؓ اور دیگر صحابہ کرام اور تابعین نے روایت کی ہے۔

تشریح الحدیث: نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں نفاق موجود تھا لیکن آپ ﷺ نے کسی مصلحت کی بناء پر اس کو ظاہر نہیں فرمایا اور منافقین کے ساتھ بھی مسلمانوں والا معاملہ کیا جاتا تھا۔ اور وہ مصلحت یہ تھی کہ اکثر لوگ منافقین کو بھی مسلمان سمجھتے تھے پس اگر ان کے ساتھ قتل وقتال روا رکھا جاتا تو لوگ یہ کہتے کہ مسلمان اپنے مسلمانوں کو بھی مار رہے ہیں، نیز اس زمانے میں مسلمانوں کی کثرت کی ضرورت تھی تاکہ کافروں پر رعب طاری ہو۔ اسی طرح جب کوئی منافق آپ ﷺ کے حسن اخلاق کا مشاہدہ دیکھ لیتا تو وہ بھی آپ ﷺ پر فریفتہ ہو جاتا اور پکا مسلمان بن جاتا۔

قوله فاما اليوم انما الكفر او الايمان: یعنی اگر آج کوئی شخص دل میں کفر چھپا کے رکھتا ہے اور اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتا ہے تو اس کے ساتھ کافروں والا معاملہ کیا جائے گا۔

باب الوسوسة

اس باب میں تین مباحث قابل ذکر ہیں۔

(۱) وسوسہ کی تعریف، اقسام اور حکم (۲) خواطر کی اقسام اور احکام (۳) وسوسہ کا علاج اور دفع کرنے کا طریقہ۔

(۱) **وسوسہ کی تعریف**: وسوسہ لغت میں نرم اور ہلکی آواز کو کہا جاتا ہے اسی طرح جو خواطر اور خیالات دل میں پیدا ہوتے ہیں، معصیت اور گناہ کی طرف داعی ہوتے ہیں اس کو وسوسہ کہا جاتا ہے۔

پس اگر کسی بات کا خیال بار بار آتا ہے تو اس کو وسوسہ نفسانی کہا جاتا ہے اور اس کا محل نفس امارہ ہے اور اگر مختلف خیالات آتے ہیں تو اس کو وسوسہ شیطانی کہا جاتا ہے۔ اور اگر یہ خواطر اور خیالات طاعت کی طرف داعی ہوں تو پھر اس کو الہام کہا جاتا ہے (الہام القاء الخیر فی القلب کو کہتے ہیں)

پس یہ الہام یا کسی پیغمبر کی طرف ہوگا یا غیر پیغمبر کی طرف پس اگر پیغمبر کی طرف ہو تو یہ وحی ہے اور حجت قطعی ہے اور اگر غیر پیغمبر کی طرف ہو پھر یہ حجت قطعی نہیں ہے۔

وسوسہ کی اقسام: وسوسہ کی دو قسمیں ہیں (۱) وسوسہ ضروریہ (۲) وسوسہ اختیاریہ۔

وسوسہ ضروریہ جو دل میں پیدا ہوتا ہے اور انسان اس کے دفع کرنے پر قادر نہیں ہوتا یہ وسوسہ تمام امتوں کو معاف ہے اس لئے کہ اس سے بچنا مشکل ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کو ایسی چیز کا مکلف نہیں بناتا جس کی طاقت اس میں نہ ہو (لا یکلف اللہ نفسا الا وسعها)۔

(۲) وسوسہ اختیاریہ جو خیال دل میں آتا ہے اور دوام پکڑتا ہے اور آدمی اس سے لذت بھی حاصل کرتا ہے اور اس تک رسائی کا ارادہ بھی دل میں ہوتا ہے جب تک اس خیال کے مطابق عمل نہیں کرتا صرف خیال ہی رہتا ہے تو یہ صورت بھی امت محمدیہ ﷺ کو معاف ہے نبی کریم ﷺ کی تکریم اور اس امت کے خیر الامم ہونے کی وجہ سے (حافظ تورپشتی اور علامہ طیبی نے اسی طرح بیان کیا ہے)

البتہ عقائد فاسدہ اور اخلاق ذمیمہ اس سے خارج ہیں و اما العقائد الفاسدة و مساوی الاخلاق و ما ينضم الى ذلك فانها بمعزل عن الدخول فی جملة ما وسوست به الصدور * (شرح طیبی ج ۱ ص ۱۶۹)

(۲) **خواطر اور خیالات قلبیہ کی اقسام اور حکم**: کسی شاعر نے خواطر اور خیالات قلبیہ کو اس شعر میں جمع کیا ہے۔

مراتب القصد خمس هاجس ذكروا * فخاطر فحديث النفس فاستمعا

يليه هم فعزم كلها رفعت * سوى الاخير ففيه الاخذ قد وقعا

هاجس: "هجس" سے ہے باب "نصر ینصر" سے معنی چونکہ کسی چیز کا خیال دل میں آنا اور فوراً ختم ہونا۔

خاطر: دل میں کسی چیز کا خیال پیدا ہو جائے اور پھر تھوڑا سا قرار پکڑے لیکن حد درجے تک نہ پہنچے اس کے شق پر عمل کرنے یا نہ کرنے کی طرف کوئی رجحان نہ ہو تو اس کو خاطر کہتے ہیں۔

حدیث النفس: دل میں کسی چیز کا خیال آئے اور پھر عمل کرنے یا نہ کرنے کی طرف رجحان بھی ہو لیکن کسی ایک جانب کو ترجیح نہ دی گئی ہو اس کو حدیث النفس کہتے ہیں۔

ان تینوں کا حکم یہ ہے کہ اگر اس کا تعلق شر اور برائی کے ساتھ ہو تو اس پر مواخذہ نہیں ہے اور اگر اس کا تعلق نیکی اور بھلائی کے ساتھ ہو تو اس پر ثواب نہیں ملتا اور اس کے مقتضیٰ پر عمل ہو جائے تو برائی پر عتاب ملے گا اور بھلائی پر ثواب۔

ھم: جب دل میں کسی چیز کا خیال آجائے اور اس کے فعل کی طرف کسی جانب کو ترجیح بھی دی جائے لیکن یہ ترجیح قوی نہ ہو تو یہ ہم اگر برائی کے ساتھ متعلق ہو تو اس پر مواخذہ نہیں ہے اور اگر یہ نیکی اور بھلائی کے ساتھ متعلق ہو تو اس پر ثواب ملتا ہے البتہ اگر شر کی صورت میں عمل بھی صادر ہو جائے تو پھر مواخذہ ہوگا۔

عزم: جب دل میں کسی چیز کا خیال آجائے اور کسی ایک جانب کو قوی ترجیح حاصل ہو جائے اور انسان اس کے کرنے پر قادر نہ ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اگر یہ شر کے ساتھ متعلق ہو تو اس پر مواخذہ ہوگا اور عتاب ملے گا اور اگر بھلائی کے ساتھ متعلق ہو تو اس پر ثواب ملے گا۔

پھر عزم کی دو قسمیں ہیں (۱) عزم کا تعلق یا تو باطنی اعمال کے ساتھ ہوگا (۲) یا اعمال جوارح کے ساتھ۔ پس اگر عزم کا تعلق باطنی اعمال کے ساتھ ہو تو یا مفضی الی الکفر ہوگا جیسے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت میں شک اور تردد کا ہونا تو یہ عزم کفر ہے اور اس پر مواخذہ ہوگا۔ اور یا مفضی الی الکفر نہ ہوگا جیسے تکبر، شہرت، حسد، بغض اور عجب وغیرہ یہ اعمال اگرچہ مفضی الی الکفر نہیں ہیں لیکن معصیت اور گناہ ضرور ہیں لہذا اس پر بھی مواخذہ ہوگا۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ دوسری صورت میں معفو ہے یعنی اس کی معافی ہو سکتی ہے کیونکہ انسان اس کے ترک کرنے پر قادر نہیں ہے لیکن جمہور علماء فرماتے ہیں کہ نفس کے مجاہدے کے ساتھ یہ چیزیں چھڑوائی جا سکتی ہیں لہذا اس پر بھی مواخذہ ہوگا۔

(۲) عزم کا تعلق اعمال جوارح کے ساتھ جیسے زنا، سرقہ وغیرہ جب اس کا قصد اور خیال دل میں پیدا ہو جائے۔

چنانچہ اعمال جوارح کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب دل میں زنا اور سرقہ وغیرہ کا خیال پیدا ہو جائے اور اس کے مقتضیٰ پر عمل نہ کیا جائے تو اس پر مواخذہ نہ ہوگا جیسے اس باب کی ایک روایت میں آتا ہے "قال رسول اللہ ﷺ ان اللہ تعالیٰ تجاوز عن امتی ما وسوست به صدورها ما لم تعمل به او تتکلم" لیکن اکثر علماء جیسے سفیان

ثوریؒ، عبداللہ بن مبارکؒ وغیرہ حضرات فرماتے ہیں کہ اعمال جوارح میں عزم پر مواخذہ ہوگا اور امام شافعیؒ نے استدلال میں جو حدیث پیش کی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کا تعلق عزم کے علاوہ خیال کی دیگر صورتوں کے ساتھ ہے۔

وسواس دفعہ کیلئے کا علاج اور طریقہ : صوفیاء کرام نے اس کے لئے دو صورتیں ذکر فرمائی ہیں (۱) یہ کہ دوسری طرف کوئی توجہ اور دھیان نہ دے (۲) یہ کہ ہر فرض نماز کے بعد گیارہ مرتبہ "اٰمنت باللہ و رسلہ" پڑھ کر اپنے داہنے ہاتھ پر دم کر لے اور سینے پر پھیر لے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَا مِنْكُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ وُكِّلَ بِهٖ قَرِيْنُهٗ مِنَ الْجِنِّ وَقَرِيْنُهٗ مِنَ الْمَلَائِكَةِ قَالُوْا وَاِيَّاكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاِيَّايَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ فَلَا يَأْمُرُنِيْ اِلَّا بِخَيْرٍ (رواہ مسلم)

ترجمہ : اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تم میں سے کوئی شخص ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ ایک ہمزاد جنوں (شیطان میں) سے اور ایک ہمزاد فرشتوں میں سے مقرر نہ کیا گیا ہو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں میرے ساتھ بھی لیکن خدا نے مجھ کو اس (جن موکل) سے مقابلہ کرنے میں مدد دے رکھی ہے اس لئے میں اس (کے مکر و فریب اور اس کی گمراہی) سے محفوظ رہتا ہوں، بلکہ یہاں تک کہ وہ بھی مجھے بھلائی کا مشورہ دیتا ہے۔

تشریح الحدیث : ہر ابن آدم کے ساتھ ایک ساتھی ہوتا ہے شیاطین میں سے جو اس کو برائی کا حکم کرتا ہے اور برائی کا وسوسہ ڈالتا ہے جس کا نام "قرین" ہے اور ایک فرشتہ ہوتا ہے جو اس کو بھلائی کا حکم کرتا ہے اور اس کا الہام کرتا ہے اس کا نام "تسلیم" ہے۔

فاسلم فلا یامرنی الا بخیر : اسلم کے صیغہ میں دو احتمال ہیں (۱) یہ کہ یہ واحد مذکر غائب ماضی کا صیغہ ہے (۲) یہ کہ یہ واحد متکلم کا صیغہ ہے پھر اس میں علماء کے چند اقوال ہیں۔

(۱) سفیان ابن عیینہؒ اور علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ متکلم کا صیغہ زیادہ راجح ہے کیونکہ شیطان سے اسلام کا تصور نہیں ہو سکتا اس لئے کہ شیطان مطبوع علی الکفر ہے۔

(۲) جبکہ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ غائب کا صیغہ ہے لیکن سلم اسلام سے ہے اور انہوں نے اس پر "فلا یامرنی الا بخیر" سے استدلال کیا ہے تو یہ معنی یہ ہوا کہ میرا وہ ساتھی اسلام لایا ہے اور وہ مجھے بھلائی کا مشورہ دیتا ہے۔ علامہ حافظ تورپشتیؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ کی شان اور فضل و کرم سے یہ بعید نہیں ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کی وجہ سے آپ کا قرین من الجن مشرف با اسلام کر دے اور جو چیز خالص شر ہی شر ہوتی ہے اس کو خیر اور بھلائی میں تبدیل کر دے۔

الشیطن" یا شیطان کی ناامیدی اس بناء پر ہے کہ ایمان وہ ختم ہونے والے نہیں ہے جب اہل ایمان ختم ہونے والے نہیں ہیں تو ایمان اور اسلام کیسے ختم ہو جائے گا؟

یا یہ ناامیدی کفر اہل ایمان کے بارے میں ہے لہذا بعض کا مرتد ہونا اس کے منافی نہیں ہے۔

المصلون : اس سے اہل ایمان ہی مراد ہیں تمام اعمال میں نماز اس لئے اختیار کی ہے کہ یہ افضل عبادت ہے اور دین کا ستون ہے اور ایمان علامات میں سے عظیم علامت ہے۔

قوله فی جزیرۃ العرب: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جزیرۃ العرب سے مراد مکہ، مدینہ اور یمن ہے ملا علی قاریؒ نے بھی یہی فرمایا ہے جبکہ قاموس میں ہے جزیرۃ العرب سے مراد عدن سے شام تک (طولاً) اور جدہ سے عراق تک (عرضاً)۔ یہ جزیرۃ العرب سے مراد اہل اسلام ہیں کیونکہ آپ ﷺ کے دور میں جزیرۃ العرب سے باہر اسلام نہیں پھیلا تھا۔

لکن فی التحریش: "تحریش" تحریض کے معنی میں ہے یعنی بعض کا بعض دوسروں کو ابھارنا، یہ کنایہ ہے قتل وقتال، جنگ وجدال پر۔ اس حدیث میں مشاجرات صحابہ کرام کی پیشگوئی ہے۔

قوله بالشیء: "شیء" یا نکرہ ہوگا یا معرفہ اور اگلا جملہ اس کیلئے صفت ہے اگر معرفہ ہو تو پھر اس میں الف لام زائدہ ہوگا تا کہ جملہ اس کیلئے صفت بن سکے۔

حممۃ : کوئلہ

ولمرہ : اس ضمیر میں دو احتمال ہیں (۱) یا یہ ضمیر راجع ہے شیطان کی طرف یہاں پر اگرچہ شیطان کا ذکر موجود نہیں ہے لیکن سیاق اور سباق سے مفہوم ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ شیطان کا معاملہ اللہ تعالیٰ نے وسوسہ کی طرف پھیر دیا ہے یعنی شیطان کسی کو صریح کفر میں تو مبتلا نہیں کر سکتا ہے لیکن دلوں میں وسوسہ ڈالتا ہے۔

(۲) یا ضمیر راجع ہے "رجل" کی طرف اور امر سے مراد شان ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس رجل کا معاملہ وسوسہ کی طرف پھیر دیتا ہے اور وسوسہ چونکہ معاف ہے لہذا مواخذہ نہیں ہے۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضي الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ إِنَّ لِلشَّيْطَانِ لَمَّةً بِابْنِ آدَمَ وَلِلْمَلَكِ لَمَّةً فَأَمَّا لَمَّةُ الشَّيْطَانِ فَإِيْعَادٌ بِالشَّرِّ وَتَكْذِيْبٌ بِالْحَقِّ وَأَمَّا لَمَّةُ الْمَلَكِ فَإِيْعَادٌ بِالْخَيْرِ وَتَصْدِيْقٌ بِالْحَقِّ فَمَنْ وَجَدَ ذٰلِكَ فَلْيَعْلَمْ أَنَّهُ مِنَ اللّٰهِ فَلْيَحْمَدِ اللّٰهَ وَمَنْ وَجَدَ الْأُخْرٰى فَلْيَتَعَوَّذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ثُمَّ قَرَأَ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ

(رواہ الترمذی وقال ہذا حدیث غریب)

ترجمہ : اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان پر ایک تصرف تو

باب الایمان بالقدر

ملا علی قاری نے فرمایا ہے کہ "ایمان بالقدر ایک مستقل عنوان ہے یہ ذکر تخصیص بعد التعمیم ہے یا ذکر الجزی بعد الکلی کے قبیل سے ہے اس کی تخصیص میں اہمیت کی بنا پر ہے کیونکہ تقدیر کا مسئلہ ایک مشکل ترین اور نازک مسئلہ ہے اس پر اجمالی ایمان لانا چاہئے اور اس میں بحث و مباحثہ سے گریز کرنا چاہئے۔ (مرقات ج ۱ ص ۲۳۹ ملخ)

پھر اس باب میں اجمالاً سات مباحث ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) قدر اور قضاء کے معنی ایمان بالقدر کی تشریح اور مثالیں (۲) شبہات کا ازالہ (۳) مسئلہ تقدیر کا ثبوت قرآن سے (۴) تقدیر کا انکار (۵) مسئلہ تقدیر کا حقیقہ اور اقوال عبارت سے متعلق مذاہب کا بیان دلائل کے ساتھ (۶) عقیدہ تقدیر کے فوائد (۷) تقدیر کی اقسام کا بیان۔

تفصیل (۱) قدر اور قضاء کے معنی قدر دال کے فتحہ کے ساتھ بھی استعمال ہوتا ہے اور دال کے سکون کے ساتھ بھی لغوی معنی اندازہ کرنا (اندازہ لگانا) اور قضاء کے لغوی معنی ہیں فیصلہ کرنا اور اصطلاح شریعت میں اللہ کے حکم کلی ازلی اجمالی کو قضاء کہا جاتا ہے اور حکم کلی ازلی اجمالی کی جزئیات کی تفصیل کو قدر کہا جاتا ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "انا کل شیء خلقناہ بقدر" بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قدر اور قضاء دونوں الفاظ مترادف ہیں۔

ایمان بالقدر کی تشریح ایمان بالقدر کے معنی یہ ہیں کہ انسان کا پکا عقیدہ ہو کہ دنیا میں آج تک جو کچھ ہوا ہے یا ہو رہا ہے یا ہوگا یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی ذاتی اور قدرت کاملہ کے تحت ہو رہا ہے یعنی عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے یہ سب اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں تھا پھر لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے پھر اس کے مطابق عالم مشاہدہ میں وقتاً فوقتاً واقع پذیر ہوتا ہے۔

مثالیں مسئلے کی وضاحت کیلئے دو مثالیں ذکر کی ہیں۔ (۱) ایک انجینئر یا معمار پہلے اپنے ذہن میں مکان کا نقشہ تیار کرتا ہے پھر کاغذ پر وہ نقشہ بناتا ہے پھر خارج میں اس نقشہ کے مطابق مکان بناتا ہے اسی طرح تمام ہستی کا نقشہ اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں تھا پھر لوح محفوظ پر اس کو لکھا پھر اس نقشہ کے مطابق عالم شہود میں اس کے مطابق واقعات وجود میں آتے ہیں۔ لہٰذا تقدیر کا مصداق ہے اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت پر اس لئے تقدیر کا انکار کرنا در حقیقت علم اور قدرت کا انکار کرنا ہے یعنی تقدیر کا انکار اللہ تعالیٰ کی طرف جہل اور عجز کی نسبت ثابت کرتا ہے جیسا کہ معتزلہ کا مذہب ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کسی چیز کے واقع ہونے سے پہلے اس کا علم نہیں تھا۔

(۲) دوسری مثال علم نجوم ہے جس طرح ایک نجومی کسی چیز کے واقع ہونے کی خبر دیتا ہے اور پھر وہ چیز واقع ہو جاتی ہے تو نجومی کا خبر دینا اس واقعہ کیلئے موجب اور سبب نہیں ہے بلکہ صرف خبر دینا ہے اسی طرح تقدیر علم ازلی بندگی کیلئے مظہر ہے مجبر نہیں لہٰذا جو چیز اللہ تعالیٰ کے علم ازلی میں ثابت ہوگی تو تقدیر اس کیلئے مظہر ہے مجبر نہیں۔

(۲) شبہات کا ازالہ ۔ مسئلہ تقدیر میں مو ما تین قسم کے شبہات مشہور ہیں (۱) تقدیر کی صورت میں انسان مجبور محض ہے اس لئے اس کو سزا دینا مناسب نہیں؟۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر قوت ارادیہ، کسب اور اختیار تین چیزیں پیدا فرمائی ہیں جس کے تحت بندوں سے افعال تکلیفیہ صادر ہوتے ہیں تکلیف، جزا اور سزا کی بنیاد قوت ارادیہ پر ہے لہذا جب انسان کے اندر قوت ارادیہ موجود ہے تو انسان مجبور محض نہ ہوا جیسا کہ حرکت ارادیہ اور حرکت رعشہ میں فرق نہ کرنا در حقیقت بداہت کا انکار ہے۔

شبہ (۲) تقدیر کی وجہ سے انسان میں سستی، کم ہمتی اور بدعملی پیدا ہوتی ہے؟۔

جواب: تقدیر کے ساتھ اسباب استعمال کرنے کی تاکید کی گئی ہے مثلاً مرض میں علاج کرنا، جنگ میں اسلحہ استعمال کرنا، رزق کیلئے محنت کرنا وغیرہ جب ایک طرف شریعت نے اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا ہے تو پھر یہ سب کچھ چھوڑنا اور صرف تقدیر پر بھروسہ کرنا اور بدعملی یا بے عملی سے سبق لینا انسان کی اپنی غلطی ہے کسب اور معاش کے سلسلہ میں کوئی بھی تقدیر پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ اس کیلئے شب و روز اسباب اختیار کرتا ہے اور اس میں کوئی کمی نہیں کرتا لیکن جب معاملہ شریعت کے اعمال کا آتا ہے تو پھر تقدیر کا سہارا لیکر اعتراض کرنا یہ صرف عناد ہے۔

(۳) تیسرا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ جب تمام معاصی تقدیر میں لکھی گئی ہیں تو ہر مسلمان پر رضا بالقضاء لازم ہے تو اس سے یہ لازم آتا ہے کہ مسلمان معاصی پر بھی راضی ہو حالانکہ یہ شریعت کے خلاف ہے؟

جواب: معاصی بذات خود قضا نہیں ہے بلکہ معاصی میں قضا اللہ تعالیٰ کے علم کا نام ہے معصیت کی تخلیق کا یعنی معاصی بذات خود قدر و قضا نہیں بلکہ معاصی قدر و قضا کا محل ہیں لہذا معاصی پر اللہ تعالیٰ کا علم اور معاصی کی تخلیق کی رضا یہ رضا بالمعاصی لازم نہیں آتی بلکہ اس پر راضی ہونا باعث کمال ہے کیونکہ کسی چیز کی تخلیق اور ایجاد قدرت کاملہ کا تقاضا کرتی ہے۔

(۳) تقدیر کا ثبوت قرآن سے: سورج اور چاند کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "والشمس تجری لمستقر لها" "والقمر قدرنه منازل" "لا الشمس ينبغي لها" ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سورج اور چاند کی رفتار ایک خاص مقدار میں چلنا اسی طرح ان کے راستوں کا متعین ہونا دن اور رات میں ان آنا جانا اللہ تعالیٰ کے علم ازلی کے مطابق ہیں۔

اسی طرح تمام غذاؤں کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وقدر فیها اقواتها"۔ اسی طرح موت کے بارے میں ارشاد ہے "نحن قدرنا بينكم الموت"۔ اسی طرح مصائب کے متعلق ارشاد ہے "ما اصاب من مصيبة في الارض ولا في انفسكم الا في كتاب من قبل ان نبراها"۔ اسی طرح تمام اشیاء کے متعلق ارشاد ہے "وخلق كل شيء فقدره تقديرا"۔ "وان من شيء

"الا عندنا خزائنه وما ننزله الا بقدر معلوم"۔

سابقہ کتب سماویہ انجیل، تورات، زبور میں بھی تقدیر کا ذکر موجود ہے۔

(۴) **سلف سے انکار کرنا۔** خلفاء راشدین کے آخری دور تک مسلمان مسئلہ تقدیر کے قائل تھے کسی نے اس میں کوئی جھگڑا اور نزاع نہیں کیا تھا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے آخری زمانہ میں بصرہ کے اندر "معبد جہنی" سب سے پہلے وہ شخص تھا جس نے تقدیر سے انکار کیا اور کہا کرتا تھا "الامر انف" یعنی جتنے امور واقع پذیر ہوتے ہیں ان کا پہلے تقدیر نہیں تھا یعنی ان کے واقع ہونے سے پہلے اس پر اللہ تعالیٰ کا علم نہیں تھا۔ علامہ ابن تیمیہؒ نے فرمایا ہے یا اس نے یہ عقیدہ ایک مجوسی سے لیا تھا جس کا نام سیسویہ یا سوسن تھا۔

صحیح مسلم میں کتاب الایمان کے اول میں یہ واقعہ ذکر ہے کہ "یحییٰ بن یعمر" اور "حمید بن عبدالرحمن" حج یا عمرہ کیلئے جا رہے تھے چنانچہ مکہ مکرمہ میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ان کی ملاقات ہوئی تو انہوں نے معبد جہنی کا عقیدہ ان کو بیان کیا چنانچہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اس شخص کو بتلا دو کہ اگر احد پہاڑ کے برابر سونا اور چاندی صدقہ کرے لیکن جب تک تقدیر کا اقرار نہ کرے تو اس کا کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے دربار میں قبول نہیں ہے (امرات)

(۵) مسئلہ تقدیر کا عقیدہ اور افعال عباد کے متعلق مذاہب کا بیان مع الدلائل:

افعال عباد کے مسئلہ میں تین مذاہب ہیں (۱) جبریہ جہمیہ مرجئہ (۲) معتزلہ قدریہ اور شیعہ کے بعض فرقے (۳) اہل سنت والجماعت۔

تفصیل (۱) جبریہ جہمیہ اور مرجئہ کہتے ہیں انسان اپنے افعال میں مجبور محض ہے جو کچھ ہو رہا ہے یہ اللہ کی جانب سے ہے انسان نہ اس کا خالق ہے اور نہ کاسب انہوں نے مسئلہ تقدیر میں بہت افراط سے کام لیا ہے اور انسان کو مجبور محض قرار دیا ہے۔

(۲) معتزلہ قدریہ اور بعض شیعہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ انسان کو اپنے افعال اختیاریہ میں کامل قدرت حاصل ہے لہذا انسان اپنے افعال اختیاریہ کا خالق بھی ہے اور کاسب بھی انہوں نے مسئلہ تقدیر میں انتہائی تفریط سے کام لیا ہے اور اس طریقے پر تقدیر کا بالکل ہی انکار کیا ہے اور انسان کو کامل مختار بلکہ افعال کا خالق بنا دیا ہے گویا کہ ان کے نزدیک بندوں کے افعال اختیاریہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

(۳) اہل سنت والجماعت فرماتے ہیں کہ انسان کیلئے اپنے افعال اختیاریہ میں اختیار ہے لیکن کامل اور مستقل اختیار نہیں ہے بلکہ اختیار ناقص اور اختیار غیر مستقل ہے لہذا اہل سنت کے نزدیک افعال عباد کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تقدیر پر ہے انسان اس کا خالق نہیں ہے کیونکہ خالقیت اللہ تعالیٰ کی صفت ہے ہاں انسان صرف کاسب ہے۔ لہذا بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کی قدرت اور تقدیر کے مطابق واقع ہوتے ہیں یہ مذہب معتدل ہے افراط اور تفریط دونوں سے خالی ہے۔

مسلک اول کی تردید: مذہب اول کی تردید کیلئے چار قسم کے دلائل ہیں۔

(۱) **قرآنی دلائل:** (الف) فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر (ب) ومن شاء اتخذ الی ربہ سبیلا (ج) ولو شاء ربک لآمن من فی الارض کلھم جمیعا۔ ان آخری آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کیا ہے بلکہ اختیار دیا ہے۔

(۲) **دلیل بداہت:** مثلاً ہاتھ کی حرکت دو قسم پر ہے ایک حرکت اختیاری ہے جو انسان اپنے اختیار سے حرکت دیتا ہے اور روکتا ہے دوسری رعشہ کی حرکت ہے جو انسان کے اختیار سے باہر ہے اور انسان اس کے روکنے پر قادر نہیں ہے۔

(۳) **دلیل وجدانی:** انسان کو اپنے دشمن پر غصہ آتا ہے لیکن اگر انسان پر کوئی پتھر یا لکڑی گر جائے تو اس کو پتھر یا لکڑی پر غصہ نہیں آتا ہے کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ پتھر اور لکڑی میں اختیار نہیں ہے اور انسان کو اختیار ہے۔

(۴) **دلیل فطرت:** مثلاً ایک شخص کسی جانور کو لاٹھی سے مارتا ہے تو وہ جانور اس انسان کی طرف متوجہ ہوتا ہے لاٹھی کی طرف متوجہ نہیں ہوتا کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ لاٹھی میں اختیار نہیں ہے بلکہ انسان میں ہے۔

مسلک دوم کی تردید اور اس کے دلائل: (الف) الا لہ الخلق والامر (ب) الا یعلم من خلق (ج) واللہ خلقکم وما تعملون (د) ذلکم اللہ ربکم خالق کل شیء لا الہ الا ھو (ر) وربک یخلق ما یشاء ویختار۔

ان تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے بندہ صرف کاسب اور نائب ہے۔

(۶) **عقیدہ تقدیر کے فوائد:** مسئلہ تقدیر کے بہت سارے فوائد اور حکمتیں ہیں ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) اعتقاد کا زیادہ ہونا (۲) مرتبے کی معرفت (۳) صبر (۴) شکر (۵) شجاعت (۶) تدبیر۔

تفصیل: (۱) اعتقاد کا زیادہ ہونا: یعنی جب لوح محفوظ کے نقش کے مطابق عالم مشاہدہ میں واقعات رونما ہوتے ہیں تو فرشتوں کے اعتقاد اور تصدیق میں اضافہ ہوتا ہے اس شخص کے متعلق جس کے بارے میں لوح محفوظ میں لکھا گیا ہوتا ہے لہذا اس شخص کے مرتبہ کے مطابق فرشتے اس کیلئے دعا یا بددعا دیتے ہیں۔

(۲) **صبر:** تقدیر پر یقین رکھنے والے کو جب کوئی پریشانی اور مصیبت پہنچتی ہے تو وہ واویلا نہیں کرتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تصور کرتا ہے اور صبر کرتا ہے ارشاد خداوندی ہے "لکیلا تأسوا علی ما فاتکم"۔

(۳) **شکر:** تقدیر پر ایمان رکھنے والا اپنے کمال اور کامیابی پر تکبر اور غرور نہیں کرتا بلکہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے سمجھتا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے "ولا تفرحوا بما آتاکم"۔

(۴) **شجاعت:** تقدیر پر ایمان رکھنے والا اپنی موت سے بے خوف ہوتا ہے تو اس میں جواں مردی، ہمت اور شجاعت پیدا ہوتی

ہے "وما كان لنفس ان تموت الا باذن الله"۔

(۶) تدبیر۔ تقدیر پر ایمان رکھنے والا ظاہری اسباب کی کمی یا نہ ہونے کی وجہ سے اپنی تدبیر نہیں چھوڑتا نہ حوصلہ ہارتا ہے بلکہ مسبب الاسباب پر بھروسہ اور اعتقاد رکھتا ہے اور اپنی تدبیر جاری رکھتا ہے "كم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله"۔

(۷) تقدیر کی اقسام کا بیان۔ تقدیر کی دو قسمیں ہیں (۱) تقدیر مبرم (۲) تقدیر معلق۔

(۱) تقدیر مبرم۔ تقدیر مبرم اس کو کہتے ہیں جو قطعی اور متعین ہو اس میں کوئی تغیر و تبدیل نہیں ہو سکتی اور نہ اس میں تغیر اور تبدیل کا احتمال ہو سکتا ہے۔

(۲) تقدیر معلق: تقدیر معلق وہ ہے کہ جس میں نیک اعمال کی برکت سے تغیر اور تبدیل ہو سکتی ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں لکھا ہے کہ اگر فلاں نے حج کیا تو اس کی عمر بیس سال ہوگی اور اگر حج نہ کیا تو عمر پندرہ سال ہوگی۔ لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ تقدیر معلق لوح محفوظ کے اعتبار سے ہے علم الٰہی کے اعتبار سے نہیں ہے کیونکہ علم الٰہی ازلی میں ہر تقدیر مبرم ہے۔ جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے "یمحو الله ما یشاء ویثبت"۔ یہ محو و اثبات لوح محفوظ کے اعتبار سے ہیں ورنہ علم ازلی میں نہ محو ہے یا اثبات۔

(مرقات ج ۱ ص ۱۴۳)۔

فائدہ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کسی نے تقدیر کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے فرمایا "طريق مظلم لا تسلكه" اس نے دوبارہ سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "بحر عميق لا تلجه" اس نے تیسری بار سوال کیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "سر الله قد خفي عليك فلا تفتشه"۔

الفصل الاول: عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ كتب الله مقادير الخلائق قبل أن يخلق السموات والأرض بخمسين ألف سنة قال وكان عرشه على الماء۔ (رواه مسلم)

اور حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار برس پہلے مخلوقات کی تقدیروں کو لکھا ہے۔ اور فرمایا (اس وقت) اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا۔

تفہیم حدیث كتب الله مقادير الخلائق: اللہ کے لکھنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ میں قلم جاری کیا ہے تاکہ وہ مقادیر لکھے یا بعض فرشتوں کو مقادیر لکھنے کا حکم دیا ہے۔ یا کتابت سے مراد مقادیر کو لوح محفوظ میں ثبت کرنا ہے۔

بخمسين ألف سنة: پانچ سو صدیاں مراد ہیں یا طویل زمانہ مراد ہے یا یہ حقیقت پر مبنی ہے۔ یعنی افلاک کے موجود ہونے سے پہلے عرش کی حرکت کے زمانے کے اعتبار سے۔

وكان عرشه على الماء: علامہ قاضی بیضاوی نے لکھا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ عرش اور پانی کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں

تھی جبکہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ عرش پانی پر تھا اور پانی ہوا پر اور ہوا اللہ تعالیٰ کی قدرت پر۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ كُلُّ شَيْءٍ بِقَدَرٍ حَتّٰى الْعَجْزُ وَالْكَيْسُ (رواہ مسلم)

ترجمہ . اور حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر چیز تقدیر سے ہوتی ہے یہاں تک کہ ناتوانی اور دانائی۔

مطلب الحدیث: عجز کے معنی ضعف ہے جس کے مقابلہ میں قوت ہے اور "کیس" کے معنی ہوشیاری اور دانائی ہے جس کے مقابلہ میں غباوت اور حماقت ہے یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے عجز اور کیس کو پیدا کیا ہے اسی طرح ہر چیز کو پیدا فرمایا ہے یا عجز سے مراد غباوت اور حماقت ہے اس لئے کہ غبی شخص بھی سوچ سمجھ انجام اور تفہیم سے عاجز ہوتا ہے اس میں حدیث سے معتزلہ کی تردید ہوتی ہے یعنی افعال عباد کا خلق اللہ کی تقدیر پر ہے تو افعال عباد بطریق اولیٰ اللہ کی تقدیر سے ہوں گے۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اِحْتَجَّ اٰدَمُ وَمُوْسٰى عِنْدَ رَبِّهِمَا فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰى قَالَ مُوْسٰى اَنْتَ اٰدَمُ الَّذِيْ خَلَقَكَ اللّٰهُ بِيَدِهٖ وَنَفَخَ فِيْكَ مِنْ رُّوْحِهٖ وَاَسْجَدَ لَكَ مَلٰٓئِكَتَهٗ وَاَسْكَنَكَ فِيْ جَنَّتِهٖ ثُمَّ اَهْبَطْتَ النَّاسَ بِخَطِيْئَتِكَ اِلَى الْاَرْضِ فَقَالَ اٰدَمُ اَنْتَ مُوْسَى الَّذِي اصْطَفَاكَ اللّٰهُ بِرِسَالَتِهٖ وَبِكَلَامِهٖ وَاَعْطَاكَ الْاَلْوَاحَ فِيْهَا تِبْيَانُ كُلِّ شَيْءٍ وَقَرَّبَكَ نَجِيًّا فَبِكَمْ وَجَدْتَ اللّٰهَ كَتَبَ التَّوْرَاةَ قَبْلَ اَنْ اُخْلَقَ قَالَ مُوْسٰى بِاَرْبَعِيْنَ عَامًا قَالَ اٰدَمُ فَهَلْ وَجَدْتَ فِيْهَا وَعَصٰى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى قَالَ نَعَمْ قَالَ اَفَتَلُوْمُنِيْ عَلٰى اَنْ عَمِلْتُ عَمَلًا كَتَبَهُ اللّٰهُ عَلَيَّ اَنْ اَعْمَلَهٗ قَبْلَ اَنْ يَّخْلُقَنِيْ بِاَرْبَعِيْنَ سَنَةً قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَجَّ اٰدَمُ مُوْسٰى (رواہ مسلم)

ترجمہ : اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا (عالم ارواح میں) آدم و موسیٰ علیہما السلام نے اپنے پروردگار کے سامنے مناظرہ کیا اور حضرت آدم علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا آپ وہی آدم ہیں جن کو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا تھا آپ میں اپنی روح پھونکی تھی فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا تھا، اور اپنی جنت میں آپ کو رکھا تھا اور پھر آپ نے اپنی خطاء سے لوگوں کو زمین پر اتروا دیا تھا (یعنی اگر آپ خطا نہ کرتے تو یہاں زمین پر نہ اتارے جاتے اور آپ کی اولاد اس دنیا میں نہ پہنچتی بلکہ جنت میں رہتی) آدم علیہ السلام نے کہا تم وہی موسیٰ ہو جن کو خدا نے اپنے منصب رسالت سے نوازا اور برگزیدہ کیا اور ہم کلامی کے شرف سے مشرف فرمایا تھا اور تم کو وہ تختیاں دی تھیں جن میں ہر چیز کا بیان تھا اور پھر تم کو سرگوشی کے لئے تقرب کی عزت بخشی تھی، اور کیا تم جانتے ہو کہ خدا نے میری پیدائش سے کتنے عرصہ پہلے تورات کو لکھ دیا تھا؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا چالیس سال پہلے! آدم علیہ السلام نے پوچھا! کیا تم نے تورات میں یہ لکھے ہوئے الفاظ نہیں پائے وعصی آدم ربہ

ـــــفـــوی ۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا ہاں ۔ آدم علیہ السلام نے کہا پھر تم مجھ کو میرے اس عمل پر کیوں ملامت کرتے ہو جس کو خدا نے میری پیدائش سے چالیس سال پہلے میرے لئے لکھ دیا تھا ۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا (اس دلیل سے) آدم علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام پر غالب آگئے ۔

تفہیم حدیث : اس حدیث کے سمجھنے کیلئے بطور تمہید یہ جان لینا ضروری ہے کہ عالم میں علماء کا اختلاف ہے بعض علماء کے نزدیک عالم کی تین قسمیں ہیں (۱) عالم ارواح (۲) عالم مثال (۳) عالم مشاہدہ اور فلاسفہ کے نزدیک عالم کی دو قسمیں ہیں (۱) عالم ارواح (۲) عالم اجسام اور صوفیاء کرام کے نزدیک عالم کی دو قسمیں ہیں (۱) عالم ارواح (۲) عالم مشاہدہ ۔

عالم ارواح میں نہ مادہ (عناصر اربعہ) اور مقدار (طول عرض عمق) دونوں نہیں ہوتے ۔ عالم مثال میں مادہ ہوتا ہے مقدار نہیں ہوتی جبکہ عالم مشاہدہ میں مادہ اور مقدار دونوں ہوتے ہیں ۔ اس تمہید کے بعد اب سمجھو کہ یہاں پر تین قسم کے شبہات وارد ہوتے ہیں ۔

(۱) آدم علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان یہ مناظرہ کیسے اور کہاں ہوا ہے حالانکہ دونوں کے درمیان چھ ہزار سال کا فاصلہ ہے؟

(۲) تقدیر کا سہارا لیکر یہ جواب دینا یہ معاصی کا دروازہ کھولنے کا بہانہ بنانا ہے پھر تو ہر گنہگار یہی کہے گا کہ یہ تقدیر میں لکھا تھا اس لئے مجھ سے گناہ سرزد ہوا نیز اس سے جبریہ کی تائید ہوتی ہے؟

(۳) جرم کے اعتراف کے باوجود تقدیر کا سہارا لینا کیسے جائز ہے؟

جواب پہلے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ یہ مناظرہ عالم ارواح میں ہوا تھا اور اس پر قرینہ "عند ربھما" ہے "ای عند تجلی ربھما" یا یہ مناظرہ شب معراج میں ہوا ہے (۳) یا یہ مناظرہ جسمانی ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ نے دونوں کو زندہ فرمایا اور یہ مناظرہ ہوا یا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں آدم علیہ السلام کو زندہ فرمایا تھا اور یہ مناظرہ ہوا ۔

دوسرے اعتراض کا جواب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا عالم اسباب سے نکل ہونے کے بعد عالم ارواح میں ایسی بات پر ملامت کرنا جو اللہ تعالیٰ نے معاف کی ہے اس کا حق حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حاصل نہیں تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کی جانب سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مذکورہ طریقہ یعنی تقدیر کا سہارا لیکر جواب دینا صرف ان کا جواب کرنے کیلئے تھا اور موسیٰ علیہ السلام کو ایسا سنا دیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا ذہن کسی اور طرف منتقل ہی نہ ہوا ورنہ حضرت آدم علیہ السلام فی نفسہ کسب اور افعال کے قائل تھے یہی وجہ ہے کہ وہ یہ دعا فرمایا کرتے تھے "ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفر لنا وترحمنا لنکونن من الخسرین" یہاں دوسرے جواب سے تیسرے اعتراض کا جواب بھی ہو گیا ۔

بخطیئتک الی الارض : یہاں پر یہ شبہ وارد ہوتا ہے کہ انبیاء کرام تو معصوم ہیں اور خطیئہ عصمت کے منافی ہے؟

جواب : یہ حقیقی خطیہ نہیں تھا بلکہ محض ایک لغزش تھی کیونکہ خطیہ اور ذنب کیلئے قصد اور ارادہ ہونا ضروری ہے اور یہاں پر حضرت

آدم علیہ السلام کی جانب سے قصد اور ارادہ نہیں تھا "فنسی ولم نجد له عزما" تیسرے یہ لغزش اجتہاد کی بنا پر ہوئی تھی انہوں نے یہ سمجھا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس مخصوص درخت سے تو نہیں روکا اور شاید اس کی نوع سے روکا ہے۔ یا یہ لغزش اس بنا پر ہوئی تھی کہ پہلے استعداد نہیں تھی پھر استعداد پیدا ہوگئی۔ یا یہ لغزش شیطان کی قسم کی بنا پر ہوئی تھی یعنی آدم علیہ السلام نے یہی سوچا کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کوئی جھوٹے سے نہیں کھا سکتا اس لئے یہ کام کیا ہے اور یہ نہی تکلیفی نہیں تھی اس لئے کہ جنت دار التکلیف نہیں ہے بلکہ یہ نہی شفقت کی بنا پر تھی جیسا کہ کوئی ڈاکٹر کسی مریض کو شفقت کی بنا پر کسی چیز سے روک دے اور اس کے باوجود وہ اس چیز کو کھالے تو گنہگار تو نہیں ہوگا لیکن نقصان تو ہوگا اسی طرح درخت کھانا اگرچہ گناہ تو نہیں تھا لیکن ضرر کا سبب بن گیا یا یوں کہ "حسنات الابرار سيات المقربين" کے قبیل سے تھا۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ حَدَّثَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَهُوَ الصَّادِقُ الْمَصْدُوْقُ اِنَّ خَلْقَ اَحَدِكُمْ يُجْمَعُ فِيْ بَطْنِ اُمِّهٖ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا نُطْفَةً ثُمَّ يَكُوْنُ عَلَقَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَكُوْنُ مُضْغَةً مِثْلَ ذٰلِكَ ثُمَّ يَبْعَثُ اللّٰهُ اِلَيْهِ مَلَكًا بِاَرْبَعِ كَلِمَاتٍ فَيَكْتُبُ عَمَلَهٗ وَاَجَلَهٗ وَرِزْقَهٗ وَشَقِيٌّ اَوْ سَعِيْدٌ ثُمَّ يُنْفَخُ فِيْهِ الرُّوْحُ فَوَالَّذِيْ لَا اِلٰهَ غَيْرُهٗ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ فَيَدْخُلُهَا وَاِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ النَّارِ حَتّٰى مَا يَكُوْنُ بَيْنَهٗ وَبَيْنَهَا اِلَّا ذِرَاعٌ فَيَسْبِقُ عَلَيْهِ الْكِتَابُ فَيَعْمَلُ بِعَمَلِ اَهْلِ الْجَنَّةِ فَيَدْخُلُهَا (متفق عليه)

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ صادق و مصدوق سرکار دو عالم ﷺ نے ہم سے فرمایا تم میں سے ہر شخص کی تخلیق اس طرح ہوتی ہے کہ (پہلے) اس کا نطفہ ماں کے پیٹ میں چالیس دن جمع رہتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں یعنی چالیس دن کے بعد وہ جما ہوا خون بنتا ہے، پھر اتنے ہی دنوں کے بعد وہ لوتھڑا ہو جاتا ہے۔ پھر خداوند تعالیٰ اس کے پاس ایک فرشتہ کو چار باتوں کے لکھنے کے لئے بھیجتا ہے، چنانچہ وہ فرشتہ اس کے عمل اس کی موت (کا وقت) اس کے رزق (کی مقدار) اور اس کا بدبخت و نیک بخت ہونا خدا کے حکم سے اس کی تقدیر میں لکھ دیتا ہے قسم ہے اس ذات کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے تم میں سے ایک آدمی جنتیوں کے عمل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا ہوا آگے آتا ہے اور وہ دوزخیوں کے کام کرنے لگتا ہے اور دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے اور تم میں ایک آدمی دوزخیوں کے اعمال کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان ایک ہاتھ کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا ہوا سامنے آتا ہے اور وہ جنتیوں کا کام کرنے لگتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔

تشریح حدیث: قوله ان خلق احدكم يجمع في بطن امه: یہاں پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو کسی انسان کو

ایک لمحہ میں پیدا کرنے پر قادر ہے تو پھر ان مختلف ادوار اور انقلابات میں کیا حکمت ہے؟

جواب: (۱) ایک آسان اور بے تکلف جواب یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے افعال کے اسرار اور حکمتوں کے جاننے کے مکلف نہیں کہ فلاں کام میں کیا حکمت ہے اور فلاں میں کیا حکمت ہے؟ بلکہ ہمیں تو بندہ ہو کر سر تسلیم خم کرنا چاہیے۔

(۲) مختلف ادوار سے اس لئے گزارا جاتا ہے تاکہ انسان اپنی حقیقت سے واقف ہو کر غرور اور تکبر میں مبتلا نہ ہو جائے۔

(۳) مختلف ادوار سے اسلئے گزارا جاتا ہے تاکہ بچے کی ماں کو یک دم زیادہ تکلیف حاصل نہ ہو بلکہ آہستہ آہستہ وہ تکلیف کی عادی ہوتی جائے گی۔

(۴) مختلف ادوار سے گزارنے میں اسباب اختیار کرنے کی تعلیم مقصود ہے۔

ثم یبعث اللہ الیہ ملکا باربع کلمات: یہاں یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ابتداء ہی سے بچے کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر کرتا ہے جو بچے کے ساتھ ہر وقت حاضر رہتا ہے تو پھر ثم یبعث اللہ ملکا کا کیا مطلب ہے کیونکہ فرشتہ تو پہلے سے موجود ہے؟

جواب: (۱) ان تین حالات کے گزر جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اسی فرشتہ کو چار باتوں کے لکھنے کا حکم دیتا ہے۔

(۲) ان چار باتوں کے لکھنے کیلئے اللہ تعالیٰ دوسرا فرشتہ بھیجتا ہے جس کا کام پہلے والے فرشتے کے کام کے علاوہ ہوتا ہے۔

فیکتب عملہ واجلہ: اشکال یہ وارد ہوتا ہے کہ جب سب کچھ لوح محفوظ میں پہلے سے لکھا ہوا ہے تو پھر دوبارہ لکھنے کا کیا مطلب ہے؟

جواب: (۱) مجاہدؒ نے فرمایا ہے کہ فرشتہ یہ چار باتیں (عمل، اجل، شقی، سعید) لکھ کر بچے کے گلے میں لٹکا تا ہے لیکن یہ کسی کو نظر نہیں آتا جس کی تائید میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ذکر کیا ہے "وکل انسان الزمنہ طائرہ فی عنقہ"۔

(۲) لوح محفوظ میں جو اجمالاً لکھا گیا تھا یہاں پر فرشتہ تفصیلاً لکھتا ہے۔ ملا علی قاریؒ نے فرمایا ہے یہ پہلے لوح محفوظ میں لکھا گیا ہے پھر بچے کی پیدائش کے وقت لکھا گیا ہے اور پھر ہر شب قدر کے موقع پر لکھا جاتا ہے۔ کقولہ تعالیٰ "انا انزلنہ فی لیلۃ مبرکۃ انا کنا منذرین فیہا یفرق کل امر حکیم"۔

ان احدکم لیعمل بعمل اہل الجنۃ: یعنی صرف تقدیر پر اکتفاء نہیں کرنا چاہیے بلکہ اس کے ساتھ اسباب بھی اختیار کرنے چاہئیں۔

وعن سهل بن سعد قال قال رسول الله ﷺ ان العبد ليعمل عمل اهل النار وانه من اهل الجنة ويعمل عمل

فِي الْجَنَّةِ وَإِنَّهُ مِنْ أَهْلِ النَّارِ وَإِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ (متفق علیه)

ترجمہ: اور حضرت سہل بن سعد ساعدی کہتے ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا بندہ دوزخیوں کے کام کرتا رہتا ہے جبکہ وہ جنتی ہوتا ہے اور جنتیوں کے کام کرتا ہے لیکن وہ دوزخی ہوتا ہے کیونکہ (نجات و عذاب کا) دارومدار خاتمے کے عمل پر ہے۔

حضرت سہل بن سعد ساعدی انصاری رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات: آپ کا نام حزن (غم) تھا تو آپ ﷺ نے آپ کا نام سہل (آسان) رکھا حضور ﷺ کی وفات کے وقت آپ کی عمر پندرہ سال تھی آپ کی وفات مدینہ میں ۹۱ھ میں ہوئی آپ سے آپ کے بیٹے عباس و زہری ابو حازم نے روایت کی ہے۔

تعلق الحدیث: اس حدیث شریف کا تعلق ماقبل والی حدیث کے ساتھ ہے۔

وانما الاعمال بالخواتیم: حدیث کا مقصد یہ ہے کہ انسان اپنے اعمال کی وجہ سے غرور اور تکبر میں مبتلا نہ ہونا چاہئے اور اپنی بدعملی کی وجہ سے ناامید بھی نہ ہونا چاہئے نہ کسی کے بارے میں قطعی اور یقینی طور پر جنتی ہونے کا حکم لگانے اور نہ کسی وجہ سے کسی کی تذلیل اور تحقیر کرے کیونکہ معلوم نہیں کس کے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا ہے اس لئے کہ مدار خاتمے پر ہے۔ اس حدیث میں ترغیب ہے طاعات کی طرف اور اپنے آپ کو معاصی سے بچانے کی طرف اس بات کے خوف کی وجہ سے کہ عمر کے آخری حصہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ اسی طرح اس حدیث میں ترہیب ہے عجب اور شہرت پر کیونکہ معلوم نہیں کہ انجام کا کوئی پتہ نہیں اسی طرح کسی کے متعلق قطعی طور پر کہنا بھی جائز نہیں کہ یہ قطعی طور پر جنتی ہے یا قطعی طور پر جہنمی ہے۔

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دُعِيَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِلَى جَنَازَةِ صَبِيٍّ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ طُوبَى لِهٰذَا عُصْفُورٌ مِنْ عَصَافِيرِ الْجَنَّةِ لَمْ يَعْمَلِ السُّوءَ وَلَمْ يُدْرِكْهُ فَقَالَ أَوْ غَيْرَ ذٰلِكَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ أَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ أَهْلًا خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ (رواه مسلم)

ترجمہ: اور حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ایک انصاری بچے کے جنازہ پر سرکار دو عالم ﷺ کو بلایا گیا، میں نے کہا یا رسول اللہ اس بچہ کیلئے خوشخبری ہو، یہ تو جنت کی چڑیوں میں سے ایک چڑیا ہے، جس نے کوئی برا کام نہیں کیا اور نہ برائی کی حد تک پہنچا۔" آنحضرت ﷺ نے فرمایا اے عائشہ! کیا اس کے سوا کچھ اور ہوگا؟ یعنی اس کے جنتی ہونے کا جزم و یقین نہ کرو کیونکہ خدا نے جنت کے لئے مستحق لوگوں کو پیدا کیا ہے جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں تھے اور دوزخ کے لئے بھی مستحق لوگوں کو پیدا کیا ہے جب کہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں تھے۔

حضرت عائشہ کے مختصر حالات: آپ ام المومنین عائشہ بنت ابی بکر صدیق ہیں۔ آپ کی والدہ ام رومان بنت عامر بن عویمر ہیں حضور ﷺ کے ساتھ آپ نو سال رہیں آپ ﷺ کی وفات کے وقت آپ کی عمر ۱۸ سال تھی آپ فقیہ، عالمہ، فصیحہ، فاضلہ اور

کثیر الروایہ تھیں آپ سے صحابہ اور تابعین کی ایک بڑی جماعت نے روایت حدیث کی ہے آپ کی وفات مدینہ میں ۵۸ھ میں ہوئی اور جنت البقیع میں مدفون ہوئیں آپ کی مرویات ۲۲۱۰ ہیں (مرقات ج ۱ ص ۲۵۰)

تشریح الحدیث: قولہ عصفور من عصافیر الجنة: یعنی چھوٹے بچے جنت کی چڑیا ہیں جن پر کوئی گناہ نہیں جہاں ان کا دل کرتا ہے اڑتے ہیں۔

قال او غیر ذلک یا عائشة: ای المعتقد ما ذھبت والحق غیر ذلک" یعنی یہ ہے کہ کسی کے جنتی ہونے پر یقین کے ساتھ جزم نہیں کیا جاتا۔

اب سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ جنت میں پرندے ہیں یا نہیں؟

جواب: بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں پرندے ہیں "ان فی الجنة طیرا کامثال البخت" ایک روایت میں مومنین کی ارواح سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹوں میں ہوں گی "فی اجواف طیر خضر" نیز قرآن مجید سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے "ولحم طیر مما یشتھون"۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اگر جنت میں پرندے نہ بھی ہوں تب بھی اس حدیث میں تاویل کی گئی ہے یعنی یہ حدیث مجاز پر محمول ہے یعنی پرندے کے دو فرد ہیں ایک متعارف اور ایک غیر متعارف یہاں پر فرد غیر متعارف مراد ہے یعنی جنت کا ایک چھوٹا سا انسان مراد ہے لیکن اس حدیث سے جنت میں پرندوں کے نہ ہونے پر دلیل بھی نہیں ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "القلم احد اللسانین" یہاں پر قلم کو زبان سے تعبیر کیا گیا ہے گویا کہ زبان کے دو فرد ہیں ایک متعارف زبان اور ایک غیر متعارف۔

جواب: (۲) مومنین کے بچے والدین کے تابع ہو کر جنت میں جائیں گے اور حضرت عائشہؓ کے قول سے والدین کے قطعی طور پر جنتی ہونا معلوم ہوتا ہے تو آپ ﷺ نے کلام کے ادب سکھانے کیلئے انکار کیا۔

امام نووی اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا ہے کہ مومنین کے بچے والدین کے تابع ہو کر قطعی طور پر جنتی ہیں لیکن بعض علماء نے توقف اور سکوت کیا ہے کہ بچوں پر بھی قطعی اور یقینی طور پر جنتی ہونے کا حکم نہیں لگانا چاہیے، انہوں نے حدیث باب سے استدلال کیا ہے۔

حافظ ابن حجر اور علامہ نووی اس حدیث کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ابتداء اسلام پر محمول ہے پھر آپ ﷺ کو خبر دی گئی کہ مسلمانوں کے بچے والدین کے تابع ہو کر قطعی جنتی ہیں۔ اسی طرح ایک روایت میں ہے "المومنون فی الجنة ان المومنین واولادھم فی الجنة" (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۳)

وعن علی قال قال رسول اللہ ﷺ ما منکم من احد الا وقد کتب مقعدہ من النار ومقعدہ من الجنة قالوا

يَارَسُوْلَ اللهِ اَفَلَا نَتَّكِلُ عَلٰى كِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ قَالَ اِعْمَلُوْا فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ اَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ السَّعَادَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ السَّعَادَةِ وَاَمَّا مَنْ كَانَ مِنْ اَهْلِ الشَّقَاوَةِ فَسَيُيَسَّرُ لِعَمَلِ الشَّقَاوَةِ ثُمَّ قَرَاَ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى الاية (متفق عليه)

ترجمہ: اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا تم میں سے ہر شخص کی جگہ اللہ تعالیٰ نے جنت اور دوزخ میں لکھ دی ہے۔ (یعنی یہ متعین ہو گیا ہے کہ کون لوگ جنتی ہیں اور کون لوگ دوزخی ہیں) صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا ہم اپنے نوشتہ تقدیر پر بھروسہ کر کے بیٹھیں اور عمل کرنا چھوڑ دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا تم عمل کرو اسلئے کہ جو شخص جس چیز کے لئے پیدا کیا گیا ہے اس کو اسے آسانی اور توفیق دی جاتی ہے لہذا جو شخص نیک بختی کا اہل ہوتا ہے خدا اس کو نیک بختی کے عمل کی توفیق دیتا ہے اور جو شخص بد بختی کا اہل ہوتا ہے اس کو بد بختی کے اعمال کا موقع دیا جاتا ہے اس کے بعد آنحضور ﷺ نے یہ آیت پڑھی (ترجمہ) جس نے خدا کی راہ میں دیا اور پرہیزگاری کی اور اچھی بات (دین اسلام) کو سچا مانا اس کے لئے ہم آسانی کی جگہ (جنت) آسان کر دیں گے لیکن جس نے بخل کیا اور (خواہشات نفسانی و دنیاوی چمک دمک میں پھنس کر) آخرت کی نعمتوں سے بے پرواہی کی، نیز عمدہ بات (دین اسلام) کو جھٹلایا تو اس کے لئے ہم مشکل جگہ (دوزخ کی راہ) آسان کر دیں گے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مختصر حالات: آپ امیر المومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ ہیں آپ کی کنیت ابو الحسن اور ابو تراب ہے اور لقب اسد اللہ، حیدر اور مرتضیٰ ہے بچوں میں سب سے پہلے شرف باسلام ہوئے آپ کے والد ابو طالب تھے ان کا نام عبد مناف تھا ۳۵ھ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مسند خلافت کو آپ نے زینت دی اور چار سال نو مہینے اور کچھ دن تخت خلافت پر متمکن رہ کر ۱۷ رمضان ۴۰ھ کو عبدالرحمن بن ملجم خارجی کے ہاتھ سے بمقام کوفہ شہادت ہوئی اس وقت آپ کی عمر ۶۳ سال تھی آپ کی مرویات ۵۸۶ ہیں۔

تشریح حدیث: افلا نتکل علی کتابنا: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عمل کی مشقت کا سہارا لے کر آپ ﷺ سے عمل چھوڑنے کی درخواست کی اور تقدیر پر بھروسہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "اعملوا" تم اللہ تعالیٰ کے وضع کردہ قانون میں دخل اندازی نہ کرو بلکہ خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے جو قانون اور طریقہ وضع کیا ہے عمل کرنے کا اس پر عمل کرو اور اپنا فریضہ ادا کیا کرو۔

قال اعملوا فکل: حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس سوال کا خلاصہ یہ ذکر کیا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تقدیر پر بھروسہ کر کے آپ ﷺ سے عمل چھوڑنے کی درخواست کی کہ تقدیر میں جو جنتی ہے وہ تو جنت میں جائے گا اور جو جہنمی ہے وہ جہنم میں جائے گا تو پھر عمل کرنے کی کیا ضرورت ہے؟۔

تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ عمل شروع کرو شروع کرنے کے بعد عمل آسان ہوتا ہے لہذا چھوڑنے کی ضرورت نہیں۔

مراد ہے۔

(۲) حدیث شریف کی تفسیر میں آیت کریمہ "لا تبدیل لخلق اللہ" ذکر ہے پس اگر فطرت سے اسلام مراد ہو تو معنی اس لئے صحیح نہیں بنتا کہ اسلام میں کبھی کبھی تبدیلی ہو سکتی ہے لیکن فطرت میں تبدیلی نہیں ہو سکتی، اور اگر فطرت سے استعداد مراد ہو تو اس لئے صحیح ہے کہ استعداد میں تبدیلی نہیں ہوتی۔

(۳) کافروں کے نابالغ بچے والدین کے تابع ہوتے ہیں پس اگر فطرت سے اسلام مراد ہوں تو پھر تابع ہونے کے معنی صحیح نہیں بنتے۔

سوال۔ سوال یہ وارد ہوتا ہے حضرت خضر علیہ السلام نے جس نابالغ بچے کو قتل کیا تھا اس کے بارے میں فرمایا "عن ابی بن کعب ان الغلام الذی قتله الخضر طبع کافرا ولو عاش لارهق ابویه طغیانا وکفرا" (مشکوٰۃ ج ۱ ص ۲۵)۔ لہٰذا اگر فطرت سے حق قبول کرنے کی صلاحیت مراد ہو تو پھر اس بچے کا طبعاً کافر ہونا استعداد کے منافی ہے؟

جواب: طبع بمعنی تقدیر کے معنی میں ہے یعنی اس بچے کی تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے یہ لکھا تھا کہ اگر زندہ رہا تو کافر ہوگا اور والدین کو بھی کافر بنائے گا۔

وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ بِخَمْسِ کَلِمَاتٍ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَنَامُ وَلَا یَنْبَغِیْ لَہٗ اَنْ یَّنَامَ یَخْفِضُ الْقِسْطَ وَیَرْفَعُہٗ یُرْفَعُ اِلَیْہِ عَمَلُ اللَّیْلِ قَبْلَ عَمَلِ النَّہَارِ وَعَمَلُ النَّہَارِ قَبْلَ عَمَلِ اللَّیْلِ حِجَابُہُ النُّوْرُ لَوْ کَشَفَہٗ لَاَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْہِہٖ مَا انْتَہٰی اِلَیْہِ بَصَرُہٗ مِنْ خَلْقِہٖ (رواہ مسلم)

ترجمہ: اور حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک مرتبہ) سرکار دو عالم ﷺ نے خطبہ دیا اور پانچ باتیں ارشاد فرمائیں خدا تعالیٰ سوتا نہیں ہے اور سونا اس کی شان کے مناسب نہیں ہے وہ ترازو کو بلند و پست کرتا ہے، دن کے عمل سے پہلے رات کے عمل اور رات کے عمل سے پہلے دن کے عمل اس کے پاس پہنچا دیے جاتے ہیں اور اس کا حجاب نور ہے اگر وہ اٹھا دے تو اس ذات پاک کا نور مخلوقات کی حد نگاہ تمام چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دے۔

مفہوم حدیث۔ نوم کہتے ہیں ثقل القلب کو "سِنَة" کہتے ہیں ثقل الراس کو اور "نعاس" کہتے ہیں ثقل العین کو۔ اللہ تعالیٰ ان تینوں سے منزہ ہے۔

یخفض القسط: قسط کے معنی حصہ اور رزق کی چونکہ انسان کا حصہ ہوتا ہے تو معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس کے رزق کا حصہ کم کرتا ہے، یا قسط کے معنی ہیں میزان تو یہ معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کے رزق کی ترازو اٹھائے گا اور جھکائے گا۔

حجابه النور: حجاب سے مراد اللہ تعالیٰ کی عظمت، کبریائی اور جلال ہے اس لئے کہ یہ فانی آنکھیں اللہ تعالیٰ کی جلال اور کبریائی کو

نہیں دیکھ سکتیں اس نے اللہ تعالیٰ کی عظمت جلال اور کبریائی مخلوق سے محجوب ہے اور یہ محجوبیت مخلوق کے اعتبار سے ہے نہ کہ خالق کے اعتبار سے اس لئے کہ محجوب مغلوب ہوتا ہے اور حاجب غالب جبکہ اللہ تعالیٰ مغلوب نہیں ہے جیسا کہ چمگادڑ سے روشنی محجوب ہوتی ہے لیکن یہ محجوبیت چمگادڑ کے اعتبار سے ہے نہ کہ فی نفسہ روشنی کے اعتبار سے

سبحات وجہہ : سبحات 'سبحۃ' کی جمع ہے معنی انوار یعنی اگر اللہ تعالیٰ اپنے انوار کو ظاہر کردے تو ہر چیز جل جائے گی۔

وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ عَنْ ذَرَارِيِّ الْمُشْرِكِيْنَ قَالَ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا عَامِلِيْنَ (متفق علیہ)

ترجمہ : اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ سے مشرکوں کی اولاد کے بارہ میں پوچھا گیا (کہ مرنے کے بعد دوزخ میں جائیں گے یا جنت میں) آپ ﷺ نے فرمایا خدا یہ بہتر جانتا ہے (اگر زندہ رہتے تو) وہ کیا عمل کرتے۔

تشریح الحدیث : مشرکین کی نابالغ اولاد کے بارے میں علماء کے چند اقوال ہیں (۱) بعض علماء کے نزدیک مشرکین کے نابالغ بچے جنت میں ہوں گے کیونکہ جب شب معراج میں
آپ ﷺ کی ملاقات حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ مشرکین کے نابالغ بچے ان کے ساتھ جنت میں ہیں۔
(۲) بعض علماء کے نزدیک مشرکین کے نابالغ بچے جہنم میں ہوں گے کیونکہ روایت میں آتا ہے [illegible] واولادهم في النار (مشکوۃ ج ۲)۔

جواب: جمہور نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ ابتداء پر محمول ہے۔ (۳) بعض علماء جیسے امام صاحب وغیرہ نے اس میں توقف کیا ہے تعارض ادلہ کی وجہ سے۔ (۴) جس کی تقدیر میں اللہ تعالیٰ نے یہ بات لکھی ہے کہ اگر وہ زندہ رہ کر اطاعت کرتا یا زندہ رہ کر نافرمانی کرتا تو اس کے حال کے مطابق اس کے ساتھ معاملہ ہوگا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا ہے کہ یہ قول راجح ہے یہ چار مشہور اقوال ہیں ان کے علاوہ اور بھی اقوال ہیں مثلاً یہ کہ یہ جنت میں جائیں گے اور بطور غلمان جنتیوں کی خدمت کریں گے یا یہ اعراف میں ہوں گے نہ ان کو ثواب ملے گا نہ عذاب۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ جانوروں کی طرح پیدا ہو کر پھر مر جائیں گے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ ان کا امتحان ہوگا اور نتیجے کے متعلق ان کے ساتھ معاملہ کیا جائے گا۔

الفصل الثانی: عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِنَّ اَوَّلَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ الْقَلَمَ فَقَالَ لَهٗ اُكْتُبْ قَالَ مَا اَكْتُبُ قَالَ اُكْتُبِ الْقَدَرَ فَكَتَبَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ اِلَى الْاَبَدِ (رواہ الترمذی وقال هذا حدیث غریب اسنادا)

ترجمہ : حضرت عبادہ بن صامتؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا خدا تعالیٰ نے سب سے پہلے جس چیز کو پیدا کیا وہ قلم تھا، پھر اس (قلم) کو لکھنے کا حکم دیا قلم نے کہا "الٰہ العالمین! کیا لکھوں؟ بارگاہ الوہیت سے جواب ملا" تقدیر لکھو" لہٰذا اس قلم نے ان چیزوں کو لکھا جو (اب تک) ہو چکی ہیں اور ان چیزوں کو لکھا جو آئندہ ہونے والی ہیں۔ امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو

روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث سند کے اعتبار سے قریب ہے۔

مفہوم حدیث: علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق میں سب سے پہلے پانی پیدا فرمایا ہے، جبکہ ایک روایت میں ہے کہ سب سے پہلے عرش اور کرسی پیدا فرمائی ہے۔ لیکن یہاں اس روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا فرمایا ہے اور ایک اور روایت میں ہے "اول ما خلق الله تعالى نوري" ان روایات میں تطبیق یہ ہے کہ آپ ﷺ کی روح کی اولیت محمول ہے اولیت حقیقی پر جبکہ بقیہ اشیاء میں اولیت اضافی ہے لہٰذا ترتیب یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی روح پیدا فرمائی پھر پانی، پھر عرش و کرسی، پھر قلم، پھر دوات، اس کے بعد باقی تمام کائنات کو پیدا فرمایا (فتح الباری ج۶ ص۲۸۹)

اشکال: اشکال یہ ہے کہ جب سب سے پہلے قلم پیدا ہوا تو اس نے "ما کان" یعنی گزشتہ زمانے کے بارے میں کیا لکھا؟

جواب: قلم سے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، نبی کریم ﷺ کی روح مبارک اور عرش پیدا ہو چکے تھے لہٰذا قلم نے اس کے بارے میں لکھا۔ یا ما کان، نبی کریم ﷺ کے زمانے کے اعتبار سے ہے۔

وھو کائن الی الابد: ابد زمانہ استقبال غیر متناہی کا نام ہے۔

سوال: جب ابد زمانہ مستقبل غیر متناہی کا نام ہوا تو زمانہ استقبال غیر متناہی ضبط میں کیسے آئے گا؟

جواب: ابد سے مراد طول مدت ہے یعنی اس عالم کے اختتام تک۔ یا اس سے مراد فریقین کے استقرار تک یعنی جنت اور جہنم۔ یا ابد سے مراد قیامت قائم ہونے تک جیسا کہ درمنثور میں حاکم اور بیہقی کی روایت میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ "وما هو كائن الى ان تقوم الساعة" اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "الی یوم القیامۃ"۔

فائدہ: ماضی، حال اور استقبال مخلوق کے اعتبار سے ہیں نہ کہ خالق کے اعتبار سے اس کیلئے علماء نے ایک مثال ذکر کی ہے کہ ایک آدمی ایک کمرہ میں بیٹھا ہوتا ہے اور کھڑکی کے اوپر سے ایک رسی لٹکی ہوئی ہے رسی کا ایک حصہ کمرہ کے اندر ہے یہ گویا ماضی ہے اور ایک حصہ کھڑکی میں ہے یہ گویا حال ہے اور ایک حصہ کھڑکی کے اوپر ہے یہ گویا استقبال ہے اور ایک آدمی اوپر بیٹھا ہوا ہے اس کو پوری رسی نظر آرہی ہے کوئی بھی حصہ اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

اکتب مقادیر: یعنی میرے علم میں جو تقدیریں ہیں عالم کے وجود سے پہلے وہ لکھو۔

وعن مسلم بن يسار قال سئل عمر بن الخطاب عن هذه الآية واذ اخذ ربك من بني آدم من ظهورهم ذريتهم

الآية قال عمر سمعت رسول الله ﷺ يسأل عنها فقال ان الله خلق آدم ثم مسح ظهره بيمينه فاستخرج منه ذرية

فقال خلقت هؤلاء للجنة وبعمل اهل الجنة يعملون ثم مسح ظهره بيده فاستخرج منه ذرية فقال خلقت هؤلاء

اخراج ذریت میں مختلف اقوال ہیں بعض نے کہا کہ آدم علیہ السلام کی پشت سے ذریت کو نکال دیا بعض نے کہا ہے کہ سر کے بالوں کے مسامات سے نکال دیا جبکہ بعض نے کہا کہ آدم علیہ السلام کی پشت کے بالوں کے مسامات سے نکال دیا اور یہ قول راجح ہے ہر تقدیر کی بناء پر ذریت کا اخراج پیدا کرنے کے طریقے کے موافق تھا۔

عن عبداللہ بن عمرو قال خرج رسول اللہ ﷺ فی یدیہ کتابان فقال اتدرون ماھذان الکتابان قلنا لا یارسول اللہ الا ان تخبرنا.

تشریح الحدیث وفی یدیہ کتابان: یہ دونوں کتابیں حسی تھیں اس لئے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھی تھیں لیکن اس کا مضمون معلوم نہیں تھا۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ تمثیل ہے کہ آپ ﷺ کو جو کچھ منکشف ہوا تھا اور آپ ﷺ نے سمجھانے کیلئے دو کتابوں کی صورت میں بیان فرمایا جیسا کہ ایک متکلم کسی خفیف اور دقیق مضمون سمجھانے کیلئے ایک مخصوص مثال پیش کرتا ہے۔

قولہ ثم اجمل علی آخرہ: یہ اجمال سے ماخوذ ہے مجموعہ میزان اور ٹوٹل کے معنی میں ہے جیسا کہ حساب کرنے والا پہلے تفصیل کے ساتھ لکھے جائے پھر مجموعہ میزان نکالا جائے۔

فقال سددوا وقاربوا: یعنی راہ حق کے مطابق چلو اور اعمال کو مضبوطی سے پکڑو اور اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرو اپنے اصلی مقصد یعنی عبادت میں مشغول رہو جبر اور قدر کی بحثوں میں مشغول نہ ہوں یہ جواب آپ ﷺ کی طرف علی سبیل اسلوب الحکیم ہے۔

فنبذھما: یعنی یہ دونوں کتابیں عالم الغیب کے سپرد کردیں۔

وَعَنْ اَبِی خِزَامَۃَ عَنْ اَبِیْہِ قَالَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ رُقًی نَسْتَرْقِیْھَا وَدَوَاءً نَتَدَاوٰی بِہٖ وَتُقَاۃً نَتَّقِیْھَا ھَلْ تَرُدُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ شَیْئًا قَالَ ھِیَ مِنْ قَدَرِ اللّٰہِ (رواہ احمد والترمذی وابن ماجہ)

ترجمہ اور ابی خزامہ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ سے عرض کیا یارسول اللہ! وہ عملیات جن کو ہم شفاء کے لئے پڑھواتے ہیں اور وہ دوائیں جن کو ہم (حصول صحت کے لئے) استعمال کرتے ہیں اور وہ پرہیز ہیں جن سے ہم حفاظت حاصل کرتے ہیں ان کے بارے میں مجھے بتائیے کہ کیا یہ سب چیزیں نوشتہ تقدیر میں کچھ اثر انداز ہو جاتی ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ چیزیں بھی نوشتہ تقدیر ہی کے مطابق ہیں

تشریح حدیث: رقی۔ رقیۃ کی جمع ہے رقی سے وہ تعویذ اور منتر مراد ہے جس کے ساتھ کسی کو دم کیا جاتا ہے۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ جب تعویذ اور دم میں اسماء مبارکہ، مثلاً اللہ تعالیٰ کے نام اور اس کی صفات یا وہ اسماء جو دوسری آسمانی کتب میں موجود ہیں۔

(۲) تعویذ اور دم وغیرہ کو مؤثر حقیقی نہ سمجھا جائے (۳) یہ تعویذ جائز غرض کیلئے ہو۔ ان شرطوں کے ساتھ تعویذ اور دم جائز ہے اس تفصیل کی بناء پر ان مختلف روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے جن میں بعض کے اندر جواز اور بعض کے اندر ممانعت کی ہے۔

تقاة نتقيها: یعنی ہر وہ چیز جس کے ذریعہ انسان اپنے آپ کو بچاتا ہے جیسے اعمال اذکار وغیرہ تو آپ ﷺ نے فرمایا "هي من قدر الله" جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے مرض کو مقدر کیا ہے اسی طرح مرض کے زوال کیلئے بھی دوا کی تقدیر لکھی ہے لیکن جب وہ نفع نہ دے تو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تقدیر میں اس کے اندر نفع نہیں رکھا تھا۔

وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ رضي الله عنه قَالَ خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ وَنَحْنُ نَتَنَازَعُ فِي الْقَدَرِ فَغَضِبَ حَتَّى احْمَرَّ وَجْهُهُ كَاَنَّمَا فُقِئَ فِيْ وَجْنَتَيْهِ حَبُّ الرُّمَّانِ فَقَالَ اَبِهٰذَا اُمِرْتُمْ اَمْ بِهٰذَا اُرْسِلْتُ اِلَيْكُمْ اِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حِيْنَ تَنَازَعُوْا فِيْ هٰذَا الْاَمْرِ عَزَمْتُ عَلَيْكُمْ اَنْ لَا تَتَنَازَعُوْا فِيْهِ (رواه الترمذي وروى ابن ماجة نحوه عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده)

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ (ایک دن) ہم لوگ تقدیر کے مسئلہ پر بحث کر رہے تھے کہ سرکار دو عالم ﷺ تشریف لے آئے (ہمیں اس مسئلہ میں الجھا ہوا دیکھ کر) آپ ﷺ کا چہرہ انور غصہ کی وجہ سے سرخ ہو گیا اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ گویا انار کے دانے آپ ﷺ کے رخسار مبارک پر نچوڑ دیئے گئے ہیں (اسی حالت میں) آپ ﷺ نے فرمایا کیا تمہیں اسی چیز کا حکم دیا گیا ہے اور کیا میں اسی لئے تمہارے پاس (رسول بنا کر) بھیجا گیا ہوں؟ جان لو! تم سے پہلے کے لوگ اسی لئے ہلاکت کی وادی میں پھینک دیئے گئے کہ انہوں نے اس سلسلہ میں الجھنا اپنا مشغلہ بنا لیا تھا لہذا میں تمہیں اس بات کی قسم دیتا ہوں (اور پھر دوبارہ) قسم دیتا ہوں کہ تم اس مسئلہ پر بحث نہ کیا کرو۔

تفہیم الحدیث: فغضب حتى احمر وجهه: آپ ﷺ کے غصہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ تقدیر اللہ تعالیٰ کا ایک راز ہے تو تم اللہ تعالیٰ کے راز میں کیوں بحث کرتے ہو۔ یا غصہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ تقدیر میں بحث مباحثہ کرنے کی وجہ سے جبریہ اور قدریہ کے مذہب تک نہ پہنچ جائیں۔

روى ابن ماجة نحوه عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده:

فائدہ: عمرو بن شعیب کا مکمل نسب یہ ہے "عمرو بن شعيب بن محمد بن عبدالله بن عمرو بن العاص ابن وائل" امام احمد بن حنبلؒ اور جمہور محدثینؒ نے اس سند کے ساتھ حدیث نقل کی ہے البتہ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اس سند کے ساتھ حدیث نہیں لائی۔ صاحب مشکوۃ نے اپنے رسالہ "الاكمال في اسماء الرجال" میں یہ ذکر کیا ہے کہ "جده" کی ضمیر میں

دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ ضمیر عمرو کی طرف راجع ہے تو معنی یہ ہوا کہ عمرو بن شعیب نے اپنے باپ شعیب سے روایت کی ہے اور شعیب نے عمرو کے دادا یعنی محمد سے جو کہ شعیب کا والد ہے اس تقدیر کی بناء پر یہ حدیث صحابی کی مرسل ہوگی اس لئے کہ محمد کی ملاقات آپ ﷺ کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔

دوسرا احتمال یہ ہے کہ "جدہ" میں ضمیر شعیب کی طرف راجع ہے تو معنی یہ ہوا کہ عمرو نے اپنے باپ شعیب سے روایت کی ہے اور شعیب نے اپنے دادا عبداللہ سے روایت کی ہے (عبداللہ اور محمد دونوں صحابی ہیں) اس تقدیر کی بناء پر یہ حدیث منقطع ہوگی کیونکہ شعیب کا سماع اور لقاء اپنے دادا عبداللہ سے ثابت نہیں، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ شعیب کا سماع اپنے دادا (عبداللہ) سے ثابت ہے، امام ابوداؤدؒ اور امام نسائیؒ نے بہت سے مقامات میں یہ سند ذکر کی ہے "عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده عن عبد الله بن العاص"۔

انقطاع کا جواب علامہ نوویؒ اور علامہ ذہبیؒ نے میزان الاعتدال میں یہ دیا ہے کہ شعیب کا لقاء اپنے دادا سے ثابت ہے اس لئے کہ شعیب کا والد (محمد) عبداللہ کی حیات میں انتقال کر گئے تھے اور شعیب کی تعلیم و تربیت ان کے دادا عبداللہ نے کی تھی اس لئے امام نوویؒ نے فرمایا ہے "لكن الصحيح ان شعيبا سمع من جده عبد الله فحديثه بهذا الطريق متصل" (مرقات ج ۱ ص ۳۰۰) علامہ ذہبیؒ نے فرمایا ہے "قد ثبت سماعه اي شعيب من عبد الله وهو الذي رباه" (بحوالہ مرقات ج ۱ ص ۲۲۸)

-

لہٰذا امام بخاری اور امام مسلمؒ کے اس طریقہ پر حدیث نہ لانے کی وجہ یہ نہیں بلکہ وجہ یہ تھی کہ عمرو بن شعیب کی اس حدیث کی اس سند کے علاوہ شعیب "وجادۃ" کے طریقے سے نقل کیا کرتے تھے، ان کے پاس اپنے والد کا صحیفہ تھا اور اس سے حدیث نقل کرتے تھے، وجادہ اس کو کہتے ہیں کہ کوئی شخص کوئی صحیفہ یا کتاب حاصل کرے اور اس سے حدیث نقل کرے کہ فلاں نے یہ کہا ہے یا فلاں نے یہ لکھا ہے یہ امام ترمذیؒ نے ذکر کیا ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے ذکر کیا ہے کہ جب عمرو بن شعیب کی حدیث صحیح ہوئی تو وجادہ بھی صحیح میں داخل ہوئی لہٰذا حدیث ذکر نہ کرنے کی وجہ یہی ہے۔ (مرقات ج ۱ ص ۲۲۸)

تیسرا احتمال یہ ہے کہ ضمیر راجع ہے عمرو کی طرف لیکن جد سے مراد محمد نہیں بلکہ عبداللہ ہے تا کہ حدیث کا اتصال لازم آئے (بذل المجہود)۔

وَعَنْ أَبِي مُوسَى قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ مِنْ قَبْضَةٍ قَبَضَهَا مِنْ جَمِيعِ الْأَرْضِ فَجَاءَ بَنُو آدَمَ عَلَى قَدْرِ الْأَرْضِ مِنْهُمُ الْأَحْمَرُ وَالْأَبْيَضُ وَالْأَسْوَدُ وَبَيْنَ ذَلِكَ وَالسَّهْلُ وَالْحَزْنُ وَالْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ (رواه احمد والترمذي وابو داود)

ترجمہ اور حضرت ابو موسیٰ ؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ایک مٹھی (مٹی) سے کی جو ہر جگہ کی زمین سے لی گئی تھی لہٰذا آدم کی اولاد (انسان) زمین کے موافق پیدا ہوئی چنانچہ (انسانوں میں) بعض سرخ بعض سفید بعض کالے بعض درمیانہ رنگ کے بعض نرم مزاج بعض تند مزاج بعض پاک اور بعض ناپاک ہیں۔

تفہیم حدیث: اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ بنی آدم کی مختلف صفات ہیں نرم طبیعت، سخت طبیعت، خباثت، اچھی خصلتیں اور بری خصلتیں یہ سب تقدیر کے مطابق ہیں اگرچہ بنی آدم کو اس کے کسب کا اختیار دیا گیا ہے جیسے قوت غضبیہ اور شہوانیہ۔

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ خَلْقَهُ فِیْ ظُلْمَةٍ فَاَلْقٰی عَلَیْهِمْ مِنْ نُوْرِهٖ فَمَنْ اَصَابَهٗ مِنْ ذٰلِكَ النُّوْرِ اهْتَدٰی وَمَنْ اَخْطَاَهٗ ضَلَّ فَلِذٰلِكَ اَقُوْلُ جَفَّ الْقَلَمُ عَلٰی عِلْمِ اللّٰهِ ۔

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق (جن و انس) کو اندھیرے میں پیدا کیا اور پھر ان پر اپنے نور کا پرتو ڈالا لہٰذا جس کو اس نور کی روشنی میسر آ گئی وہ راہ راست پر لگ گیا اور جو اس کی مقدس شعاعوں سے محروم رہا وہ گمراہی میں پڑا رہا اسی لئے میں کہتا ہوں کہ تقدیر الٰہی پر قلم خشک ہو چکا ہے (کہ اب تقدیر میں تغیر و تبدل ممکن نہیں)۔

تفہیم الحدیث: ان اللہ خلق خلقہ فی ظلمۃ: شبہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ حدیث، حدیث فطرت کے ساتھ معارض ہے کیونکہ حدیث فطرت میں ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے اور پھر والدین یا اس کو نصرانی بناتے ہیں یا مجوسی۔

جواب: دونوں میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ حدیث باب تمثیل اور تشبیہ پر مبنی ہے ظلمت سے مراد نفس امارہ، خواہشات نفسانیہ اور قوت بہیمیہ ہیں، نفس امارہ میں بھی اسلام قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے لہٰذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

نور سے مراد دلائل، عقل اور قوت عقلیہ ہیں یعنی جس نے دلائل میں سوچ اور فکر سے کام لیا تو وہ نور ہدایت پر چلے گا اور جس نے دلائل میں سوچ اور فکر سے کام نہ لیا تو وہ گمراہ ہو جائے گا۔

جف القلم علی علم اللہ: یعنی قلم نے اللہ تعالیٰ کے علم سے لکھ دیا ہے اور وہ لکھا ہوا بھی علم ازلی میں محفوظ ہے لہٰذا اس میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہو سکتا۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ یُكْثِرُ اَنْ یَّقُوْلَ یَا مُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِكَ فَقُلْتُ یَا نَبِیَّ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِكَ وَبِمَا جِئْتَ بِهٖ فَهَلْ تَخَافُ عَلَیْنَا قَالَ نَعَمْ اِنَّ الْقُلُوْبَ بَیْنَ اِصْبَعَیْنِ مِنْ اَصَابِعِ اللّٰهِ یُقَلِّبُهَا كَیْفَ یَشَآءُ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

اسلام کا کچھ بھی حصہ نصیب نہیں ہے اور وہ مرجیہ وقدریہ ہیں۔

تشریح حدیث: لیس لھما فی الاسلام نصیب: یہاں کمال کی نفی ہے یا یہ قول بطور تغلیظ اور تہدید ہے، مرجئہ سے مراد جبریہ ہے جو کہ انسان کو مجبور محض مانتے ہیں اور قدریہ تقدیر کے منکر ہیں۔

فائدہ: بعض علماء نے اس حدیث کی بناء پر جبریہ اور قدریہ کی تکفیر کی ہے لیکن علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرمایا ہے کہ جمہور علماء کے نزدیک یہ لوگ کافر نہیں کیونکہ تاویل فاسد کی وجہ سے کوئی کافر نہیں ہوتا بلکہ مبتدع اور مفسد ہوتا ہے۔ (مرقات ج ۱ ص ۲۸۲)

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ يَكُوْنُ فِي اُمَّتِيْ خَسْفٌ وَمَسْخٌ وَذٰلِكَ فِي الْمُكَذِّبِيْنَ بِالْقَدَرِ (رواه ابو داود وروى الترمذي نحوه)

ترجمہ: اور حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے سرور کائنات ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں (خدا کے درد ناک عذاب) زمین میں دھنس جانا اور صورتوں کا مسخ ہو جانا بھی ہوگا اور یہ عذاب ان لوگوں پر ہوگا جو تقدیر کے منکر ہیں

تشریح حدیث: الخسف: "ھو الغیبوبة فی الارض" کو کہتے ہیں مسخ "تحویل الصورة الی اقبح منھا" کو کہتے ہیں یعنی صورت کی تبدیلی قبیح صورت کی طرف۔

سوال: یہ وارد ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی دعا کی وجہ سے اس امت سے خسف اور مسخ دور کیا گیا ہے کیونکہ آپ ﷺ نے دعا فرمائی تھی کہ میری امت پر وہ عذاب نازل نہ ہو جو پہلی امتوں پر نازل ہوا تھا اور آپ ﷺ کی دعا قبول ہوئی تھی لہٰذا خسف اور مسخ اس امت میں نہیں آئے گا۔

جواب: آپ ﷺ کی دعا کی برکت سے اس امت سے من حیث المجموع خسف اور مسخ دور کیا گیا ہے یعنی امت کا استیصال خسف اور مسخ سے نہ ہوگا۔

یا یہ حدیث محمول ہے شرط کے معنی پر یعنی اگر میری امت میں خسف اور مسخ ہوتا تو تقدیر کے مکذبین اس کے بہت لائق ہوتے۔ یا یہ حدیث محمول ہے زجر اور تشدید پر لہٰذا اشکال کی کوئی حاجت نہیں۔

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ اَلْقَدَرِيَّةُ مَجُوْسُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِنْ مَرِضُوْا فَلَا تَعُوْدُوْهُمْ وَاِنْ مَاتُوْا فَلَا تَشْهَدُوْهُمْ (رواه احمد وابو داود)

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: فرقہ قدریہ اس امت کے مجوس ہیں اگر وہ بیمار ہوں تو ان کی عیادت کے لئے نہ جاؤ اور اگر وہ مر جائیں تو ان کے جنازہ میں شریک مت ہو۔

تشریح حدیث: القدرية مجوس هذه الامة : قدریہ کو اس امت کا مجوس اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ جس طرح مجوس دوخداؤں کے قائل ہیں ایک کو یزدان اور دوسرے کو اہرمن کہتے ہیں یزدان خالق الخیر اور اہرمن خالق الشر (یعنی شیطان) کو کہتے ہیں اسی طرح قدریہ بھی دوخداؤں کے قائل ہیں کہ خیر اللہ کی جانب سے ہے اور شر شیطان اور نفس کی طرف سے یعنی اللہ تعالی نے شر کی تقدیر نہیں کی ہے۔ (مرقات ج ۱ ص ۲۸۵)

وعن ابن عمر رضی اللہ عنہما قال رسول الله ﷺ لا تجالسوا اهل القدر ولا تفاتحوهم (رواه ابو داود)

ترجمہ: آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ قدریہ کی ہم نشینی اختیار نہ کرو اور نہ ان کو حاکم بناؤ۔

تشریح حدیث: ولا تفاتحوا ۔ اس کے تین مطلب ہیں (۱) یہ کہ تم ان سے فیصلہ نہ کرواؤ (۲) تم ان کو ابتداء سلام نہ کرو۔ (۳) تم ان کے ساتھ ابتداء بحث مباحثہ نہ کرو۔ مقصد یہ ہے کہ تم ان سے اپنے آپ کو کامل طور پر بچاؤ۔

تشریح حدیث۔ عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ ستة لعنتهم ولعنهم الله وكل نبي يجاب الزائد في كتاب الله : حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ سرور کائنات صلعم فرماتے ہیں چھ شخص ایسے ہیں جن پر میں لعنت بھیجتا ہوں اور اللہ تعالی بھی ان کو ملعون قرار دیا ہے اور ہر نبی کی دعا قبول ہوتی ہے (۱) کتاب اللہ میں زیادت کرنے والا (۲) تقدیر الٰہی کو جھٹلانے والا (۳) وہ شخص جو زبردستی پانے کی بنا پر ایسے شخص کو معزز بنائے جس کو اللہ تعالی نے ذلیل کر رکھا ہو اور اس شخص کو ذلیل کرے جس کو اللہ تعالی نے عزت نوازا ہو (۴) وہ شخص جو اس چیز کو حلال جانے جسے اللہ تعالی نے حرام کیا ہو (۵) وہ شخص جو میری اولاد کی حق میں اور ان امور کو حلال جانے جنہیں اللہ تعالی نے حرام قرار دیا ہے (۶) وہ شخص جو میری سنت کو چھوڑ دے۔

کتاب اللہ میں زیادت کی تین صورتیں ہیں (۱) غیر متواتر لفظ قرآن میں داخل کرنا یہ کفر ہے (۲) کسی لفظ کی ایسی تفسیر اور تعبیر کرنا کہ لفظ اس سے انکار کر رہا ہو یہ بدعت ہے۔ شاذ قراءتوں کو ظاہر کرے یہ حرام ہے مثلاً کالعهن کی جگہ کالصوف اور الصراط المستقيم کی جگہ صراطا مستقیما وغیرہ

المستحل من عترتی : عترت سے مراد قریبی رشتہ دار یعنی اولاد و فاطمہ اور ان کی اولاد ہے اور اس جملہ کے دو مطلب ہیں (۱) سادات کی حقوق واجبہ یعنی تعظیم اور ترک ایذاء وغیرہ کا قائل نہ ہوں (۲) یہ بیان ہے یعنی میری اولاد میں سے اگر کوئی شریعت کی خلاف ورزی کرے گا تو وہ دوگنا مجرم ہوگا اس پر میری اور خدا کی لعنت ہے

قولہ والتارك لسنتي : سنت مؤکدہ کا ترک بالکلیہ یا بطور تحقیر کے ہو تو یہ کفر ہے اور اگر بطور تکاسل ہو تو صرف معصیت ہے

ترجمہ: اور حضرت نافع کی روایت ہے کہ ایک شخص حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے معلوم ہے کہ اس شخص نے دین میں (کوئی) نئی بات نکالی ہے اگر واقعی اس نے دین میں (کوئی) نئی بات پیدا کی ہے تو میری طرف سے (جواب میں) اسے سلام نہ پہنچاؤ اس لئے کہ میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ میری امت میں سے یا یہ فرمایا کہ اس امت میں سے (خدا کے عذاب کی صورت میں) زمین میں دھنس جانا اور صورت کا مسخ ہو جانا یعنی زندیق اہل قدر (یعنی تقدیر کا انکار کرنے والوں) پر ہوگا۔

حضرت نافعؒ کے مختصر حالات: حضرت نافع بن سرجس آپ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے اور جلیل تابعین میں سے ہیں آپ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سماعت کی ہے اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایات کا دارومدار آپ پر ہے حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جب میں سنتا ہوں "حدیث نافع عن ابن عمر" تو میں پرواہ نہیں کرتا کہ میں نے یہ حدیث کسی اور سے نہیں سنی آپ کی وفات ۱۱۷ھ میں ہوئی ہے۔

تفہیم حدیث: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری طرف سے ان کو جواب نہ دینا اور جواب نہ دینے کی وجہ یا تو ان کا سلام قبول نہ کرنا ہے یا مراد یہ ہے کہ میری طرف سے ان کو جواب نہ دینا۔ وقال الترمذی هذا حديث حسن صحيح غريب: **فائدہ**: امام ترمذی کے قول پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ غریب اقصر ہے حسن سے اور حسن اقصر ہے صحیح سے تو یہ سب ایک حدیث میں کیسے جمع ہو سکتے ہیں؟ "لان الجمع بينهما في حديث واحد جمع بين نفي ذلك القصور واثباته"۔

جواب: اس اعتراض کے جواب میں علماء نے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں

(۱) دونوں حکموں کا تعلق دو سندوں کے ساتھ ہے یعنی ایک سند کے اعتبار سے حسن ہے اور ایک سند کے اعتبار سے صحیح ہے۔

(۲) حسن معنی لغوی کے اعتبار سے ہے یعنی "ما تميل اليه النفس ولا يأباه العقل" اور صحیح معنی اصطلاحی کے اعتبار سے ہے صحیح کے معنی اصطلاحی یہ ہے "الصحيح هو الذي يكون متصل الاسناد من اوله الى منتهاه بنقل العدل الضابط عن مثله ولا يكون شاذا ولا معللا"

(۳) یا راوی میں صفات مختلف ہوتے ہیں "بعضها فوق بعض" یعنی جب راوی میں صدق کے ادنی درجے کی صفات موجود ہوتی ہیں تو وہ حسن ہوتی ہے اور جب اعلیٰ درجے کی صفات موجود ہوتی ہیں کمال ضبط اور اتقان کے ساتھ اس اعتبار سے اس کو صحیح کہتے ہیں۔

(۴) علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ بعض احادیث اعلیٰ ہوتی ہیں ان کو صحیح کہتے ہیں اور بعض احادیث ادنیٰ ہوتی ہیں ان کو حسن کہتے ہیں اور بعض احادیث میں حسن اور صحت دونوں کا اعتبار ہوتا ہے تو اس کو "حسن صحیح" کہتے ہیں۔

(۵) یہ الفاظ مترادف ہیں دوسرا لفظ پہلے کیلئے تاکید ہے یعنی "صحیح ثابت"۔

(۶) یہ راوی کے حالات کے اعتبار سے ہے پہلے راوی کا حال کمزور تھا تو روایت کو حسن کہا گیا اور جب راوی کا حال قوی ہو گیا ضبط اتقان اور عدل اس میں کامل طور پر پائے گئے تو اب روایت کو صحیح کہا گیا۔

پھر غریب کی دو قسمیں ہیں (۱) غریب المتن (۲) غریب الاسناد۔

(۱) غریب المتن کو حسن یا صحیح کہتے ہیں اور غریب لا شاذ کو غریب کہتے ہیں یہاں پر غریب سے دوسرا مراد ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ لما خلق اللہ ادم مسح ظھرہ فسقط عن ظھرہ کل نسمۃ ھو خالقھا من ذریتہ الخ :

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت داود علیہ السلام کی عمر ساٹھ سال تھی چالیس سال ان کو حضرت آدم علیہ السلام نے دی تھی۔ مشکوۃ شریف جلد ثانی میں ہے کہ حضرت داود علیہ السلام کی عمر چالیس سال تھی ساٹھ ان کو آدم علیہ السلام نے دی تھی دونوں میں ظاہری تعارض معلوم ہوتا ہے۔

جواب: اس کا یہ ہے کہ آدم علیہ السلام نے سب سے پہلے ان کو بیس سال عمر دی تھی اور پھر دوبارہ چالیس سال عمر دی تو مجموعی طور پر ساٹھ سال عمر ہوگی لہذا تعارض ختم۔ اللہ تعالیٰ نے داود علیہ السلام کی تقدیر میں سو سال عمر لکھ دی تھی لیکن یہ تقدیر معلق کے اعتبار سے ہے۔ آدم علیہ السلام کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ داود علیہ السلام کی مشابہت آدم علیہ السلام کے ساتھ بہت زیادہ تھی کیونکہ آدم علیہ السلام میں اللہ تعالیٰ نے خلافت اور نبوت دونوں کو جمع فرمایا تھا اور ان کے بعد حضرت داود علیہ السلام میں بھی اللہ تعالیٰ نے دونوں کو جمع فرمایا۔

وَعَنْ اَبِیْ نَضْرَۃَ اَنَّ رَجُلًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ ﷺ یُقَالُ لَہٗ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ دَخَلَ عَلَیْہِ اَصْحَابُہٗ یَعُوْدُوْنَہٗ وَھُوَ یَبْکِیْ فَقَالُوْا لَہٗ مَا یُبْکِیْکَ اَلَمْ یَقُلْ لَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ خُذْ مِنْ شَارِبِکَ ثُمَّ اَقِرَّہٗ حَتّٰی تَلْقَانِیْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ قَبَضَ بِیَمِیْنِہٖ قَبْضَۃً وَاُخْرٰی بِالْیَدِ الْاُخْرٰی وَقَالَ ھٰذِہٖ لِھٰذِہٖ وَھٰذِہٖ لِھٰذِہٖ وَلَا اُبَالِیْ وَلَا اَدْرِیْ فِیْ اَیِّ الْقَبْضَتَیْنِ اَنَا (رواہ احمد)

ترجمہ: اور حضرت ابونضرہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ کے صحابہ میں سے ایک شخص جن کا نام عبداللہ تھا کے پاس ان کے دوست ان کی عیادت کے لئے گئے (تو انہوں نے دیکھا) کہ وہ رو رہے تھے انہوں نے کہا کہ آپ کو کس چیز نے رونے پر مجبور کیا (کیونکہ) آپ سے سرکار دو عالم ﷺ نے یہ ارشاد نہیں فرمایا تھا کہ تم اپنے لب (مونچھوں) کے بال پست کرو اور اسی پر قائم رہو یہاں تک کہ تم مجھ سے (جنت میں) ملاقات کرو۔ ابوعبداللہ نے کہا ہاں! لیکن میں نے سرکار دو عالم ﷺ کو یہ (بھی) فرماتے سنا ہے کہ اللہ بزرگ و برتر نے اپنے داہنے ہاتھ کی مٹھی میں ایک جماعت لی اور فرمایا کہ یہ (داہنے ہاتھ کی جماعت) جنت کے لئے

غافلین او تقولوا انما اشرک آباؤنا من قبل وکنا ذریۃ من بعدہم افتہلکنا بما فعل المبطلون (رواہ احمد)

ترجمہ : اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے میدان عرفہ کے قریب مقام نعمان میں آدم علیہ السلام کی اس اولاد سے جو ان کی پشت سے نکلنی تھی عہد لیا چنانچہ آدم علیہ السلام کی پشت سے ان کی ساری اولاد کو نکالا جن کو (ازل سے ابد تک) پیدا کرنا تھا اور ان سب کو چیونٹیوں کی طرح آدم علیہ السلام کے سامنے پھیلا دیا پھر خدا نے ان سے روبرو گفتگو کی فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ آدم کی اولاد نے کہا، بے شک آپ ہمارے رب ہیں، پھر خدا نے فرمایا، یہ شہادت میں نے تم سے اس لئے لی ہے کہ کہیں تم قیامت کے دن یہ نہ کہنے لگو کہ ہم اس سے غافل و ناواقف تھے یا تم یہ نہ کہو کہ ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے شرک کیا تھا اور ہم ان کی اولاد تھے ہم نے ان کی اطاعت کی تھی کیا تو باطل پرستوں کے افعال کے سبب ہمیں ہلاک کرتا ہے؟

تشریح حدیث : بعض علماء نے فرمایا ہے کہ آدم علیہ السلام کی تمام اولاد سے وعدہ لینا اس وقت تھا جبکہ اولاد آدم علیہ السلام کی پشت سے پیدا ہونی تھی اور یہ حدیث دلیل میں پیش کرتے ہیں جبکہ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اولاد کا اخراج تناسل کے طریقے سے ہے۔

فائدہ یعنی : پہلا وجود فنا ہونے اور طول زمانہ کی وجہ سے ہے اور عہد بھولنے کی وجہ سے تعجب نہیں ہے البتہ بعض اہل حق کو اب بھی وہ عہد یاد ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے اب بھی وہ عہد میثاق یاد ہے مجھے یہ بھی یاد ہے کہ میرے دائیں بائیں جانب کون تھے سہل بن عبداللہ تستری فرماتے ہیں کہ مجھے بھی عہد میثاق یاد ہے۔ ذوالنون مصری نے ایک شخص کے جواب "الست بربکم" کے جواب میں فرمایا ہے کہ وہ عہد کی آواز میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔

کا ذکر موجود ہے اس سے جسم مثالی مراد ہے یہ مذہب بعض صوفیائے کرام کا ہے لیکن روح اور جسم مثالی کے ساتھ تو جسم عنصری برابر شریک ہوتا ہے۔

(۵) قبر میں منکر نکیر کے سوال جواب کیلئے جسم میں روح کامل طور پر لوٹائی جاتی ہے پھر سوال وجواب ہو جانے کے بعد روح کامل طور پر اس سے نکالی جاتی ہے علیین یا سجین میں چلی جاتی ہے اور بدن کے ساتھ اس کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا سوائے انبیاء علیہم السلام کی ارواح کے، صاحب الفتح والعدہ نے بعض حضرات کا یہ نظریہ ذکر کیا ہے لیکن یہ مذہب جمہور اہل سنت والجماعت کے خلاف ہے۔

اس لئے کہ روح کا بدن کے ساتھ تعلق نہ ہونے پر کوئی دلیل موجود نہیں۔

(۶) قبر میں راحت اور تکلیف روح اور جسم دونوں کو لاحق ہوتی ہیں جسم میں روح کو لوٹایا جاتا ہے لیکن روح کا جسم میں لوٹانا دنیا کے تعلق کی طرح نہیں ہوتا بلکہ روح کا جسم کے ساتھ ایک گونہ تعلق ہوتا ہے، بعض کے نزدیک جسم پر روح کی تجلی ہوتی ہے جس سے اشراق اور اشراف کے ساتھ تعبیر کی جاتی ہے اس اتصال اور تعلق کی وجہ سے ایک قسم کی حیات حاصل ہوتی ہے جس سے منکر نکیر کا سوال وجواب راحت اور تکلیف محسوس کرتا ہے۔ علامہ شمس الدین القہستانی الحنفی نے فرمایا ہے "وفيعذب في القبر كمعنى بقدر ما يتألم به وهو قريب الى الحق" (جامع الرموز ج ۴ ص ۲۹۲ کتاب الکراہیات)۔ یہ اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے جو کہ راجح اور برحق ہے۔

(۳) **عذاب قبر کے متعلق شبہات کا ازالہ**: عذاب قبر کے متعلق عام طور پر تین قسم کے شبہات وارد ہوتے ہیں (۱) جب کوئی انسان جل کر راکھ ہو جائے یا مکمل طور پر اس میں تبدیلی واقع ہو جائے یا زمین کے اجزاء میں منتشر ہو جائے یا پانی میں ڈوب جائے یا درندہ اور حیوانات وغیرہ اس کو کھا جائیں تو پھر جسم کو کیسے عذاب یا ثواب دیا جائے گا؟

جواب: علامہ نووی، حافظ ابن حجر عسقلانی اور علامہ ابن ہمام نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ کوئی بعید نہیں کہ اس کے باوجود روح کا تعلق جسم کے اجزاء کے ساتھ پیدا کرے اور اس تعلق کی وجہ سے جسم بھی عذاب یا ثواب کا ادراک کر سکے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید نہیں کہ جو اجزاء درندوں اور حیوانات کے ابدان میں ہیں ان کو تکلیف پہنچا دے جبکہ درندوں وغیرہ کو احساس تک نہ ہو جیسا کہ کوئی انسان پیٹ کے کیڑوں کی دوائی کھا کر اس سے کیڑے تو متاثر ہوتے ہیں لیکن خود انسان کو احساس نہیں ہوتا۔

(۲) دوسرا شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ عذاب قبر ہمارے مشاہدے میں نہیں؟ مثلاً اگر کوئی قبر کھول دے تو اس کو قبر کے اندر آگ نظر آتی ہے نہ سانپ اور بچھو وغیرہ لہٰذا جو چیز مشاہدے میں نہیں آتی اس کو کیسے تسلیم کیا جائے؟

جواب: عالم کی تین قسمیں ہیں (۱) عالم آخرت (۲) عالم برزخ (۳) عالم مشاہدہ۔ ہر عالم کے احکام الگ الگ ہوتے ہیں ایک عالم کے احکام دوسرے عالم کے احکام پر قیاس نہیں کیا جاتا جیسے ایک ملک کا قانون اور دستور دوسرے ملک سے الگ ہوتا ہے۔ عالم برزخ کے حالات کو عالم مشاہدہ پر قیاس کرنا یہ قیاس مع الفارق ہے عالم مشاہدہ کی آنکھیں عالم برزخ کے حالات کا ادراک نہیں کر سکتیں عالم برزخ کے حالات کیلئے اس جیسی قوت چاہئے۔ نیز جنات اور فرشتے موجود ہیں لیکن ہمیں نظر نہیں آتے لہذا کسی چیز کا نظر نہ آنا دلیل اس کے نہ ہونے کی نہیں ہے۔

عالم برزخ کے حالات کی مثال نیند کی ہے جیسے کہ سویا ہوا شخص کبھی نیند میں تکلیف محسوس کرتا ہے اور کبھی راحت کی کوئی چیز کھاتا ہے اور اس کا اثر بیدار ہونے کے بعد بھی محسوس کرتا ہے لیکن اس کے قریب بیٹھے ہوئے انسان کو کوئی پتہ نہیں چلتا کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔

(۴) پھر شبہ یہ کیا جاتا ہے کہ قبر کے حالات ہم سے مخفی کیوں ہیں؟

جواب: قبر کے حالات مخفی ہونے کی یہ حکمت ہے کہ انسان کا ایمان بالغیب معتبر ہے اگر قبر کے حالات ظاہر ہوتے تو ایمان بالغیب نہ ہوتا۔ نیز اگر قبر کے حالات ظاہر کئے جائیں تو لوگ اپنے مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دیں گے۔ نیز اگر قبر کے حالات ظاہر کئے جاتے تو سب معاش میں خلل اور انقطاع آجاتا۔ انسان اور جنات کے علاوہ تمام حیوانات قبر کے حالات کا شعور رکھتے ہیں لیکن وہ کسی کو خبر نہیں دے سکتے اور بعض اولیاء کرام کو بھی قبر کے حالات کا کشف ہوتا ہے۔ (بحوالہ مرقات)۔

(۵) **مسئلہ سماع موتی:** اس کے متعلق یہ بات ذہن نشین ہونی چاہئے کہ موتی دو قسم پر ہیں (۱) انبیاء علیہم السلام (۲) غیر انبیاء۔ انبیاء کے بارے میں اہل سنت والجماعت کا متفقہ مذہب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں حیات ہیں کسی بھی معتبر عالم نے اس کی مخالفت نہیں کی ہے البتہ غیر انبیاء کے سماع کے بارے میں اختلاف صحابہ کرام کے دور سے آج تک چلا آرہا ہے کوئی شخص کسی ایک جانب میں قطعی اور جزمی فیصلہ نہیں کر سکتا البتہ کسی ایک جانب کو ترجیح دے سکتا ہے لہذا اس مسئلہ میں تین مذاہب ہیں۔

(۱) حضرت عائشہؓ، حضرت قتادہ اور علامہ ابن ہمامؒ نے فرمایا ہے کہ اصل میں نفی سماع کی ہے البتہ جن مواضع میں نصوص سے سماع ثابت ہے وہاں پر بغیر کسی تاویل کے تسلیم کیا جائے گا۔

(۲) حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور اکثر علماء دیوبند سماع موتی کے قائل ہیں اور [illegible] نے فرمایا ہے کہ [illegible] (فیض الباری ج ۲ ص ۴۲۸)۔

(۳) علامہ آلوسیؒ بغدادی صاحب روح المعانی، علامہ انور شاہ کشمیریؒ و علامہ شبیر احمد عثمانیؒ ان تینوں حضرات کا مذہب یہ ہے کہ سماع موتیٰ جزئی اتفاقی بمشیت الٰہی ثابت ہے کسی تفصیلی کے طور پر ثابت نہیں یعنی یہ ثابت نہیں کہ ہر مردہ ہر وقت میں ہر بات سنتا ہے۔ علامہ آلوسیؒ نے فرمایا ہے کہ "والحق ان الموتی یسمعون فی الجملۃ" (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۰۹)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا ہے کہ "والاحادیث فی سماع الموتی قد بلغت مبلغ التواتر والانکار فی غیر محلہ" (فیض الباری ج ۲ ص ۱۸)۔

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا ہے کہ "والذی تحصل لنا من مجموع الاحادیث والنصوص والله اعلم ان سماع الموتی ثابت فی الجملۃ بالاحادیث الکثیرۃ الصحیحۃ" (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۷۹)۔

سماعِ موتی کے منکرین کے دلائل:

(۱) "انک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین"۔

(۲) "فانک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین"۔

(۳) "وما انت بمسمع من فی القبور"۔

طریقۂ استدلال: ان آیات کے ظاہر سے سماع کی نفی معلوم ہوتی ہے۔

(۴) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جو روایت ابن عمرؓ نے بیان کی ہے اس میں "یسمعون" نہیں ہے بلکہ "انہم الآن لیعلمون" ہے۔

(۵) ایک جزئیہ اپنی دلیل میں پیش کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میں زید کے ساتھ بات نہیں کروں گا اور پھر اس کی موت کے بعد اس کے ساتھ بات کرے تو وہ حانث نہیں ہے اگر سماع موتی ثابت ہوتا تو حالف حانث ہوتا حالانکہ حالف حانث نہیں ہے تو معلوم ہو کہ سماع ثابت نہیں ہے۔

جواب: اہل سنت والجماعت نے "لا تسمع الموتی" کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں پر میت سے حقیقی میت مراد نہیں بلکہ یہاں تو تشبیہ پر مبنی کفار کی تشبیہ دی گئی ہے اموات کے ساتھ دونوں کے درمیان وجہ شبہ عدم سماع نہیں کیونکہ کفار کو سماع حسی حاصل تھا بلکہ وجہ شبہ "سماع نافع" کی نفی ہے تمام مفسرین نے فرمایا ہے یہاں پر نفس سماع منفی نہیں بلکہ سماع نافع منفی ہے امام ابن کثیرؒ نے فرمایا ہے کہ "لا تسمعهم شيئا ينفعهم" (ابن کثیر ج ۳ ص ۳۷۱)

علامہ سیوطیؒ نے بھی یہی جواب نظم کی صورت میں دیا ہے۔

سماع موتی کلام

الخلق قاطبة ... قد صح لنا فيها الآثار بالكتب

انک لاتسمع معناہ سماع صدق　　　لا یسمعون ولا یسمعون الاذی

جواب (۲) حضرت انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا ہے کہ آیات مبارکہ اسماع کی نفی کرتی ہیں سماع کی نفی نہیں کرتی اختلاف سماع میں ہے اسماع میں نہیں لہذا آیات مبارکہ سے سماع کی نفی پر استدلال کرنا ناتمام ہے (فیض الباری ج ۲ ص ۴۶۸ کتاب الجنائز)۔

جواب (۳) حضرت عائشہؓ نے ابتداءً سماع موتیٰ سے انکار کیا تھا اور حضرت ابن عمرؓ کی حدیث کو وہم پر محمول کیا تھا جو ابن حجر عسقلانیؒ نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کی ہیں "ومن الغریب ان فی المغازی لابن اسحٰق روایۃ یونس بن بکیر باسناد جید عن عائشۃ مثل حدیث ابی طلحۃ وفیہ ما انتم باسمع لما اقول منھم" اخرجہ احمد باسناد حسن (فتح الباری ج ۷ ص ۳۰۲)۔

جواب (۴) الایمان (قسم) کا مدار حقیقت پر نہیں ہوتا بلکہ عرف پر ہوتا ہے اور عرف میں مردوں کے ساتھ بات کرنے کو کلام نہیں کہا جاتا۔

سماع موتیٰ کے قائلین کے دلائل: یہاں پر تمام دلائل کا احاطہ مقصود نہیں بلکہ چند دلائل کا تذکرہ مقصود ہے۔

(۱) عن انس رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ ان العبد اذا وضع فی قبرہ وذھب عنہ اصحابہ حتی یسمع قرع نعالھم" (بخاری ج ۱ ص ۱۷۸)۔

صاحب شرح السنۃ نے اس حدیث شریف کی تشریح میں نقل کیا ہے "ان المیت یسمع حس النعال اذا ولوا عنہ [illegible] (شرح السنۃ ج ۵ ص ۴۱۳)

جبکہ سورہ لقمان میں ہے "المیت یسمع خفق نعالھم اذا ولوا مدبرین" (ص ۴۹۶)۔

(۲) عن ابی ھریرۃ رضی اللہ عنہ ان النبی ﷺ اتی المقبرۃ فقال السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مردوں میں خطاب سننے کی اہلیت موجود ہے سلام کرنے والوں کا سلام سنتے ہیں ایک روایت میں اس کی تصریح ابو عمر نے کی ہے "ان احدنا اذا سلم علی المیت فانہ یردہ ویعرفہ ان کان یعرفہ فی الدنیا" قال [illegible] نسبۃ سماع المیت للاصوات من السلام والقراءۃ حق" حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اسلاف کا مذہب اجماعی مذہب ہے جس کے بارے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے "وہذا خطاب لمن یسمع ویعقل ولولا ہذا الخطاب لکان بمنزلۃ خطاب المعدوم والجماد والسلف مجمعون علی ہذا وقد تواترت الآثار عنہم بان المیت یعرف زیارۃ الحی لہ ویستبشر بہ" (ابن کثیر ج ۳ ص ۴۳۸)

(۳) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک مرفوع روایت منقول ہے "ما من رجل يمر على قبر أخيه المؤمن كان يعرفه فيسلم عليه إلا عرفه ورد عليه السلام" وأخرجه علامة علاء الدين في كنز العمال ج ۱۵ ص ٦٥٦ رقم الحديث ٤٢٦٠٢)

اس حدیث کی تخریج اور تصحیح حافظ المغرب ابو عمرو ابن عبد البر و ابو محمد امام عبد الحق اشبیلی اور امام محمد بن احمد حنبلی نے کی ہے۔ بہرحال جمہور اہل سنت و الجماعت کا رجحان سماع موتی کی جانب ہے

تمام مذاہب کا خلاصہ اور حاصل دو قاعدوں پر مشتمل ہے۔

فائدہ (۱) اگر عوام الناس مردوں کو حاضر و ناظر متصرف فی الامور سمجھ کر ان سے اپنی حاجات مانگتے ہیں تو یہ چونکہ اعمال شرکیہ ہیں لہذا اس کی اصلاح سماع کی نفی کئے بغیر ممکن نہ ہو تو پھر مطلقاً سماع کی نفی کی جائے گی ان امور کی قباحت سماع سے زیادہ سخت ہے۔

فائدہ (۲) فقیہ النفس حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی نے فتاوی رشیدیہ میں فرمایا ہے کہ سماع کی نفی یا اثبات کا مدار ایمان یا گمراہی، فرق ناجیہ اور ضالہ پر نہیں ہے اور نہ یہ مسئلہ اعتقادیات ضروریہ کا ہے کہ جس پر ایمان اور گمراہی کا مدار ہو بلکہ فقط ایک تحقیقی اور علمی مسئلہ ہے اس میں صرف بحث و مباحثہ کی گنجائش ہے لڑائی جھگڑے کا مسئلہ نہیں ہے (واللہ اعلم بالصواب)

قبر کی تعریف قبر کا لغوی اور عرفی معنی حقیقت ہے جس میں جسد عنصری دفن کیا جاتا ہے اسی معنی کیلئے قرآن مجید میں مستعمل ہوا ہے "ولا تقم على قبره" لیکن مجازاً اس کا اطلاق عالم برزخ پر ہوتا ہے لہذا اگر کسی میت کو قبر میں دفن نہ بھی کیا جائے تو اس کو عذاب قبر اور ثواب ملتا ہے لہذا قبر کی تخصیص حسی گڑھے کے ساتھ ٹھیک نہیں ہے

علیین اس مقام کا نام ہے جہاں نیک لوگوں کی ارواح جاتی ہیں اور سجین اس مقام کا نام جہاں گنہگاروں کی ارواح جاتی ہیں۔

الفصل الأول: عن البراء بن عازب عن النبي ﷺ قال: المسلم إذا سئل في القبر يشهد أن لا إله إلا الله وأن محمدا رسول الله فذلك قوله تعالى يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت في الحياة الدنيا وفي الآخرة وفي رواية عن النبي ﷺ قال يثبت الله الذين آمنوا بالقول الثابت نزلت في عذاب القبر يقال له من ربك فيقول ربي الله ونبيي محمد (متفق عليه)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب سے روایت ہے کہ سرکار کائنات ﷺ نے ارشاد فرمایا جس وقت قبر میں مسلمان سے سوال کیا جاتا ہے تو وہ گواہی دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور یہی مطلب اس ارشاد ربانی (یثبت اللہ) کا بھی ہے۔

حضرت براء بن عازب ؓ کے مختصر حالات- یہ باپ اور بیٹا دونوں صحابی ہیں آپ کی کنیت ابو عمارہ انصاری حارثی ہے آپ نے ۲۴ھ میں رَی کو فتح کیا آپ کی وفات کوفہ میں ہوئی آپ سے خلق کثیر نے روایت کی ہے آپ کی مرویات ۳۰۵ ہیں

اذا سئل فی القبر: شیخ عبدالحق محدث دہلوی ؒ نے فرمایا ہے کہ قبر سے مراد عالم برزخ ہے "وفی الآخرۃ" سے مراد قبر ہے درمنثور میں حضرت ابو سعید خدری ؓ کی روایت میں اس کی تصریح موجود ہے "وفی الآخرۃ ای فی القبر" ۔(التعلیق الصبیح ج۱ ص۱۷۳)

یقال له من ربك: سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ سوال میں "من ربك" ذکر ہے "من نبیك" ذکر نہیں لیکن جواب میں "ربی الله ونبی محمد (ﷺ)" دونوں ذکر ہیں یہ جواب میں سوال پر زیادتی ہے؟

جواب(۱) سوال میں ایک پر اختصار کیا گیا ہے لیکن مقصود دونوں ہیں اصل میں "من ربك ومن نبیك"

جواب(۲) سرور اور خوشی کے وقت جواب میں اضافہ کیا جاتا ہے۔

تعدد المیت اتاہ ملکان: سوال یہ ہے کہ بسا اوقات ایک ہی وقت میں بہت سارے لوگوں کو دفن کیا جاتا ہے تو دو فرشتے ایک وقت میں تمام مردوں سے کیسے سوال کریں گے؟

جواب: ان دونوں فرشتوں کے ماتحت بہت سارے دوسرے فرشتے ہیں جو مردوں کے پاس جاتے ہیں۔

سوال(۲) پھر دو فرشتوں کی تخصیص کیوں کی گئی؟

جواب: دو فرشتے دو گواہوں کے قائم مقام ہیں یا دونوں فرشتے کراماً کاتبین کے قائم مقام ہیں۔

فیقولان ما کنت تقول فی هذا الرجل: محمد راوی کی زیادت ہے اور هذا الرجل کا بیان ہے۔ یہاں پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ فرشتوں نے آپ ﷺ کا اسم گرامی تعظیم کے بغیر رجل کے ساتھ تعبیر کے ساتھ کیوں کیا؟

جواب: اس میں مسئول کا امتحان ہے اگر فرشتے تعظیم کے ساتھ ذکر کرتے تو مسئول اس سے فائدہ حاصل کرتا۔

فی الرجل: سوال یہ ہے کہ هذا اسم اشارہ قریب کیلئے استعمال ہوتا ہے اور دنیا میں ایک وقت کے کئی لوگ مر جاتے ہیں لہذا سب سے یہ سوال کرنا "ما تقول فی هذا الرجل" اس بات کی دلیل ہے کہ آپ ﷺ ہر قبر میں حاضر و ناظر ہے۔

جواب(۱) بعض محدثین نے فرمایا ہے کہ میت کو آپ ﷺ کی صورت مثالی حاضر کی جاتی ہے۔

(۲) بعض محدثین نے فرمایا ہے کہ میت اور آپ ﷺ کے درمیان پردے ہٹائے جاتے ہیں اور آپ ﷺ کا جسم مبارک براہ راست میت کو دکھایا جاتا ہے لہذا ہر میت کے قریب ہیں۔ مرقات ج۱ ص۳۱۴)

وعن عائشة ان يهودية دخلت عليها فذكرت عذاب القبر فقالت لها اعاذك الله من عذاب القبر فسألت عائشة رسول الله ﷺ عن عذاب القبر فقال نعم عذاب القبر حق قالت عائشة فما رأيت رسول الله ﷺ بعد صلى صلوة الا تعوذ بالله من عذاب القبر (متفق عليه)

ترجمہ : اور حضرت عائشہؓ راوی ہیں کہ ایک یہودی عورت ان کے پاس آئی اور اس نے قبر کے عذاب کا ذکر کیا اور پھر اس نے حضرت عائشہؓ سے کہا عائشہ! اللہ تمہیں عذاب قبر سے محفوظ رکھے، حضرت عائشہؓ نے سرکار دو عالم ﷺ سے عذاب قبر کا حال پوچھا آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں قبر کا عذاب حق ہے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس واقعہ کے بعد میں نے کبھی رسول اللہ ﷺ کو نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے کوئی نماز پڑھی ہو اور قبر کے عذاب سے پناہ نہ مانگی ہو۔

تشریح حدیث : سوال یہ ہے کہ مسلم شریف اور مسند احمد میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے یہودیہ کی تکذیب کی اور فرمایا ہے "كذبت اليهود لا عذاب دون عذاب يوم القيامة" اور اس حدیث میں عذاب قبر کا ذکر موجود ہے تو دونوں میں تعارض ہے؟

جواب: علامہ نووی نے فرمایا ہے کہ یہ دونوں واقعے الگ الگ ہیں پہلے آپ ﷺ کو عذاب قبر کا علم نہیں تھا پھر آپ ﷺ کو عذاب قبر کا علم ہو گیا تو آپ ﷺ نے اس کا ذکر فرمایا ہے لیکن عائشہؓ کو اس کی خبر نہیں پہنچی تھی دوسرے واقعے میں آپ ﷺ نے وحی کے ذریعہ عذاب قبر سے پناہ مانگنے کا حکم فرمایا صرف یہودی عورت کے کہنے سے نہیں۔

الفصل الثانی: عن ابي هريرة قال قال رسول الله ﷺ اذا قبر الميت اتاه ملكان اسودان ازرقان يقال لاحدهما المنكر وللآخر النكير فيقولان ما كنت تقول في هذا الرجل فيقول ما كان يقول هو عبد الله ورسوله اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله فيقولان قد كنا نعلم انك تقول هذا ثم يفسح له في قبره سبعون ذراعا في سبعين ثم ينور له فيه ثم يقال له نم فيقول ارجع الى اهلي فاخبرهم فيقولان نم كنومة العروس الذي لا يوقظه الا احب اهله اليه حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك وان كان منافقا قال سمعت الناس يقولون قولا فقلت مثله لا ادري فيقولان قد كنا نعلم انك تقول ذلك فيقال للارض التئمي عليه فتلتئم عليه فتختلف فيها اضلاعه فلا يزال فيها معذبا حتى يبعثه الله من مضجعه ذلك (رواه الترمذی)

ترجمہ : اور حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب مردہ کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو اس کے پاس کالی کیری آنکھوں والے دو فرشتے آتے ہیں جن میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں وہ دونوں اس مردے سے پوچھتے ہیں کہ تم اس شخص یعنی محمد ﷺ کی نسبت کیا کہتے تھے؟ اگر وہ شخص مومن ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں اور اس کے بھیجے ہوئے (رسول) ہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور بلا شبہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں

(یہ جواب سن کر) وہ دونوں فرشتے کہتے ہیں ہم جانتے تھے کہ تو یقیناً یہی کہے گا۔ اس کے بعد اس کی قبر کی لمبائی اور چوڑائی میں ستر ستر گز کشادگی کر دی جاتی ہے اور اس مردہ سے کہا جاتا ہے کہ سو جاؤ مردہ کہتا ہے میں چاہتا ہوں (کہ اپنے اہل وعیال میں واپس جاؤں تاکہ ان کو (اپنے اس حال سے) باخبر کروں، فرشتے اس سے کہتے ہیں تو اس دولہا کی طرح سو جا جس کو صرف وہی شخص جگاتا ہے جو اس کے نزدیک سب سے محبوب ہو یعنی کسی اور کا جگانا اچھا نہیں لگتا کیونکہ اس سے وحشت ہوتی ہے البتہ جب محبوب جگاتا ہے تو اچھا لگتا۔ یہ وہیں یہاں تک کہ خدا تعالیٰ اس کو اس جگہ سے اٹھائے۔ اور اگر وہ مردہ منافق ہوتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے لوگوں کو جو کچھ کہتے سنا تھا وہی میں کہتا تھا لیکن میں (اس کی حقیقت کو) نہیں جانتا (منافق کا یہ جواب سن کر) فرشتے کہتے ہیں ہم جانتے تھے کہ یقیناً تو یہی کہے گا (اس کے بعد) زمین کو مل جانے کا حکم دیا جاتا ہے، چنانچہ وہ اس مردہ کو اس طرح دباتی ہے کہ اس کی دائیں جانب کی پسلیاں بائیں اور بائیں پسلیاں دائیں میں داخل ہو جاتی ہیں اور اسی طرح ہمیشہ عذاب میں مبتلا رہتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس جگہ سے اٹھائے۔

تشریح الحدیث : اس حدیث میں قبر کی قید غالب عادت کے طور پر ذکر کیا گیا ہے کیونکہ عرب کی عادت یہی تھی کہ میت کو قبر میں دفن کرتے تھے ورنہ ہر میت سے سوال کیا جاتا ہے چاہے قبر میں دفن ہو یا درندوں نے کھایا ہو یا پانی میں غرق ہوا ہو یا آگ میں جلا دیا گیا ہو۔

اتاہ ملکان اسودان ازرقان: اسودان ان کے جسم کی صفت ہے اور ازرقان ان کی آنکھوں کی کیفیت ہے اس میں کافروں کیلئے وحشت گھبراہٹ اور خوف ہے اور مؤمن کیلئے امتحان ہے۔

یقال لاحدھما المنکر: منکر اسم مفعول کا صیغہ ہے جس کی معنی ہے نہ پہچانا گیا اور "نکیر" "منکر" سے ہے جس کی معنی نہ پہچانا گیا کیونکہ یہ دونوں فرشتے میت سے اجنبی اور غیر مانوس ہوتے ہیں اس لئے ان کو منکر ونکیر کہا جاتا ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ کافر سے سوال کرنے والے فرشتوں کو منکر ونکیر کہا جاتا ہے جبکہ مسلمان سے سوال کرنے والے فرشتوں کو مبشر وبشیر کہا جاتا ہے۔

فیقولان قد کنا نعلم انک: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پہلے سے اس کا علم عطا کیا ہوتا ہے اور یا فرشتے میت کے چہرے کے آثار سے معلوم کرتے ہیں کہ یہ آدمی کیا جواب دے گا۔

سبعون ذراعا فی سبعین: عدد بیان کرنے سے تحدید مراد نہیں بلکہ کثرت مراد ہے کیونکہ دوسری روایت میں "مد بصرہ" کے الفاظ آئے ہیں یہ لوگوں کے درجات کے تفاوت کی بناء پر وسعت میں تفاوت ہوتا ہے۔

عن البراء بن عازب رضی اللہ عنہ عن رسول اللہ ﷺ باب ملکان الی قولہ قد قرأت کتاب اللہ فامنت به

تشریح الحدیث۔ فقد قرأت کتاب الله فآمنت به: یعنی میں نے اللہ کی کتاب پڑھی تھی اس میں وحدانیت اور آپ ﷺ کی رسالت کا ذکر موجود تھا اور میں نے اس پر ایمان لایا تھا۔

اصمی واصم: یہ وہ فرشتے ہیں جو حقیقۃً بہرے اور گونگے ہیں یہ کنایہ ہے کہ ان میں کوئی شفقت نہیں ہے۔ اور نہ کسی کی بات سنتے ہیں یعنی ان پر رحم نہیں کرتے۔

وَعَنْ عُثْمَانَ أَنَّهُ إِذَا وَقَفَ عَلَى قَبْرٍ بَكَى حَتَّى يَبُلَّ لِحْيَتَهُ فَقِيلَ لَهُ تُذْكَرُ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ فَلَا تَبْكِي وَتَبْكِي مِنْ هٰذَا فَقَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ إِنَّ الْقَبْرَ أَوَّلُ مَنْزِلٍ مِنْ مَنَازِلِ الْآخِرَةِ فَإِنْ نَجَا مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَيْسَرُ مِنْهُ وَإِنْ لَمْ يَنْجُ مِنْهُ فَمَا بَعْدَهُ أَشَدُّ مِنْهُ قَالَ وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ مَا رَأَيْتُ مَنْظَرًا قَطُّ إِلَّا وَالْقَبْرُ أَفْظَعُ مِنْهُ (رواه الترمذی وابن ماجه وقال الترمذی هذا حدیث غریب)۔

ترجمہ: اور حضرت عثمان ؓ کے بارے میں منقول ہے کہ جب وہ کسی قبر کے پاس کھڑے ہوتے تو (خوفِ خدا سے) اس قدر روتے کہ ان کی داڑھی (آنسوؤں) سے تر ہو جاتی، ان سے کہا گیا کہ آپ جب جنت اور دوزخ کا ذکر کرتے ہیں تو نہیں روتے اور اس جگہ کھڑے ہو کر روتے ہیں (اس کے جواب میں) انہوں نے کہا کہ سرکارِ دو عالم ﷺ نے فرمایا ہے آخرت کی منزلوں میں سے قبر پہلی منزل ہے لہذا جس نے اس منزل سے نجات پائی اس کو اس کے بعد آسانی ہے اور جس نے اس منزل سے نجات نہیں پائی اس کو اس کے بعد سخت دشواری ہے" حضرت عثمان ؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا" کہ میں نے کبھی کوئی منظر قبر سے زیادہ سخت نہیں دیکھا۔

تشریح الحدیث: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ کے خوف کے غلبہ کی وجہ سے جنت کی بشارت بھول گئے تھے یا بشارت کے باوجود جب وہ عذابِ قبر سے اتنے خائف تھے تو عام لوگوں کیلئے بطریقِ اولیٰ اور ان سے زیادہ خائف ہونا چاہئے۔ یا اس وجہ سے روتے تھے کہ قبر دبوچا ہر انسان کو لگے گا سوائے انبیاء کرام علیہم السلام کے اس وجہ سے وہ روتے تھے۔

من منازل الآخرۃ: قبر آخرت کی سب سے پہلی منزل اس لئے ہے کہ میدانِ حشر میں جمع ہونے کے لئے لوگ قبروں سے اٹھیں گے اور باقی تمام مراحل اس کے بعد آئیں گے۔

وَعَنْ أَبِي سَعِيدٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ لَيُسَلَّطُ عَلَى الْكَافِرِ فِي قَبْرِهِ تِسْعَةٌ وَتِسْعُونَ تِنِّينًا تَنْهَسُهُ وَتَلْدَغُهُ حَتَّى تَقُومَ السَّاعَةُ لَوْ أَنَّ تِنِّينًا مِنْهَا نَفَخَ فِي الْأَرْضِ مَا أَنْبَتَتْ خَضِرًا (رواه الترمذی وروی الترمذی نحوه وقال سبعون بدل تسعة وتسعین)۔

ترجمہ: اور حضرت ابو سعید ؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کافر کے اوپر اس کی قبر میں ننانوے اژدہا مسلط کئے

جاتے ہیں جو اس کو قیامت تک کاٹتے اور ڈستے رہتے ہیں اور وہ اتنے زہریلے ہیں کہ اگر ان میں سے ایک اژدہا زمین پر پھونک مارے تو زمین سبزہ اگانے سے محروم ہو جائے۔ دارمی اور ترمذی سے بھی اسی قسم کی روایت منقول ہے لیکن اس میں بجائے ننانوے کے ستر کا عدد ہے۔

تشریح الحدیث: تسع وتسعين تنينا: تنین بڑے سانپ کو کہا جاتا ہے۔ ملا علی قاریؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مشہور اسماء حسنیٰ سو (۱۰۰) ہیں ایک نام سے انکار کرنے کی وجہ سے ایک اژدہا بنے گا۔

امام غزالیؒ نے فرمایا ہے کہ سانپوں کی تعداد اخلاق ذمیمہ کی تعداد کے بقدر ہے یعنی ایک بد خلقی کی بناء پر ایک اژدہا بن جاتا ہے۔

تنهسه: نهس زبان سے کسی چیز کے کاٹنے کو کہتے ہیں اور "لدغ" ڈسنے کو کہتے ہیں یا الفاظ مترادف ہیں اس سے تاکید مقصود ہے جبکہ بعض حضرات نے اس میں فرق کیا ہے کہ "نهس" کہتے ہیں کسی چیز کو دانت سے کاٹنا زہر پہنچائے بغیر۔ اور "لدغ" کہتے ہیں کسی چیز کو کاٹے بغیر صرف دانت لگا کر زہر پہنچانا۔

[illegible]: علامہ مجھیؒ نے فرمایا ہے کہ دوسری روایت ضعیف ہے جبکہ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا ہے کہ پہلی روایت محمول ہے کافر متبوع پر اور دوسری روایت محمول ہے کافر تابع پر۔ یا اس سے تکثیر مراد ہے تحدید مراد نہیں۔

عن جابر قال خرجنا مع رسول الله ﷺ إلى سعد بن معاذ حين توفي فلما صلى ﷺ ووضع في قبره وسوي عليه سبح رسول الله ﷺ فسبحنا طويلا ثم كبر فكبرنا فقيل يا رسول الله لم سبحت ثم كبرت فقال لقد تضايق على هذا العبد الصالح قبره حتى فرجه الله عنه۔

ترجمہ: حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضرت سعد بن معاذؓ کی وفات کے بعد ہم آنحضرت ﷺ کے ہمراہ ان کے جنازہ پر گئے جب آنحضرت ﷺ جنازہ کی نماز پڑھ چکے اور حضرت سعدؓ کو قبر میں اتار کر قبر کی مٹی برابر کر دی گئی تو سرکار دو عالم ﷺ تسبیح (یعنی سبحان اللہ) پڑھتے رہے پھر آپ ﷺ نے تکبیر (یعنی اللہ اکبر) کہی ہم نے بھی تکبیر کہی۔ پھر آنحضرت ﷺ سے پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ (ﷺ) نے تسبیح کیوں پڑھی اور پھر تکبیر کیوں کہی؟ فرمایا: اس بندہ صالح پر اس کی قبر تنگ ہو گئی تھی پھر خدا نے ہماری تسبیح و تکبیر کی وجہ سے اسے کشادہ کر دیا۔

تشریح الحدیث: علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا ہے کہ قبر کے تنگ ہونے پر اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال جب سامنے آ جائے تو وہ تسبیح کا مقام ہے کیونکہ تسبیح جلال کا مظہر ہے اور خوشی کے وقت تکبیر کہی جاتی ہے۔

لقد تضايق على هذا العبد الصالح قبره: اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب نیک آدمی پر قبر کا بھینچنا آتا ہے

تو دوسروں کا کیا حال ہوگا؟

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ھٰذَا الَّذِیْ تَحَرَّکَ لَہُ الْعَرْشُ وَفُتِحَتْ لَہٗ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَشَھِدَہٗ سَبْعُوْنَ اَلْفًا مِنَ الْمَلٰئِکَۃِ لَقَدْ ضُمَّ ضَمَّۃً ثُمَّ فُرِّجَ عَنْہُ ۔

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا یہ (یعنی سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ) وہ شخص ہیں جن کے لئے عرش نے حرکت کی، اور ان کے لئے آسمان کے دروازے کھولے گئے اور ان کے جنازے پر ستر ہزار فرشتے حاضر ہوئے اور ان کی قبر تنگ کی گئی پھر یہ تنگی دور ہو گئی اور آنحضرت ﷺ کی برکت سے ان کی قبر کشادہ ہو گئی۔

تشریح الحدیث: یحرک له العرش: اس کے متعلق تین باتیں ہیں (۱) عرش خوشی کی وجہ سے ہلا کیونکہ نیک بندوں کی ارواح عرش کے نیچے ہوتی ہیں (۲) یا اس کی وفات کی وجہ سے عرش غم کی وجہ سے ہلا (۳) ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا ہے کہ عرش کو جماد ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی قدرت کا احساس ہوا تو وہ ہلنے لگا لہٰذا حدیث اپنے ظاہر پر محمول ہے یہاں پر مضاف محذوف ہے یعنی "تحرك له حملة العرش"

باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ

اس باب کا عذاب قبر کے ساتھ رابطہ یہ ہے کہ تقدیر اور عذاب قبر کیلئے دلائل عقلیہ کافی نہیں بلکہ اس کیلئے دلائل نقلیہ بھی ضروری ہیں اس لئے مصنف نے اس باب میں دلائل نقلیہ کی بحث ذکر کی ہے جو کہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ہیں۔

اعتصام "عصمت" سے ماخوذ ہے منع کرنے کی معنی ہے یہاں اس کے معنی ہیں کسی چیز کو مضبوطی سے تھامنا "الکتاب" میں الف لام عہدی ہے اس سے قرآن مجید مراد ہے۔

سنت کے معنی ہیں طریقہ شرعی معنی ہیں "الطریقة المسلوكة في الدين" (حسامی)۔

یہاں پر سنت سے مراد آپ ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال ہیں جس سے تعبیر کی جاتی ہے شریعت، طریقت اور حقیقت کے ساتھ (مرقات ج ۱ ص ۲۲۵)

سنت کے مقابلہ میں بدعت آتی ہے بدعت کے لغوی معنی ہے کوئی نئی چیز چاہے اچھی ہو یا بری اور اصطلاح شریعت میں بدعت ہر اس نئی چیز کو کہا جاتا ہے جس کو دین اور ثواب سمجھ کر کیا جائے اور اس کیلئے کوئی اصل اور نظیر قرون مشهود لها بالخير میں نہ ہو اور اجماع امت میں بھی اس کی کوئی نظیر نہ ہو ہر بدعت اصطلاحی بری چیز ہے اس میں کوئی حسن نہیں ہے۔

بدعت اصطلاحی کی مذمت کی وجوہات (۱) عن انس ﷺ حجب التوبة عن صاحب كل بدعة" کیونکہ بدعتی بدعت کو گناہ نہیں سمجھتا تو توبہ کیسے کرے گا۔

(۲) مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے "ہیچ بدعت از بدعت حسنہ نیست (مکتوبات امام ربانی ج ۲ ص ۳۸)

(۳) بدعت میں ایک قسم نبوت کا دعویٰ کرنا ہے کیونکہ بدعتی اس چیز کو دین سمجھ کر کرتا ہے اور دین تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بواسطہ پیغمبر آتا ہے۔ (۴) بدعتی سنت کے اتباع سے محروم ہوتا ہے۔

بدعت لغوی کی اقسام بدعت لغوی کی پانچ قسمیں ہیں (۱) واجب مثلاً علم نحو سیکھنا کیونکہ اس کے ذریعہ شریعت کی حفاظت ہوتی ہے اور شریعت کی حفاظت واجب ہے اور واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے "مقدمة الواجب مطلق واجب مدد اذ" (مسلم الثبوت ص ۳۸) اور فرق باطلہ کی تردید کرنے سے بھی شریعت کی حفاظت ہوتی ہے۔ (۲) حرام جیسے معتزلہ، خوارج اور روافض وغیرہ کا عقیدہ اختیار کرنا یہ حرام ہے۔ (۳) مستحب جیسے مدارس، خانقاہیں، مسافر خانہ وغیرہ بنانا (۴) مباح جیسے رہائش، مکان، کھانے، پینے میں وسعت کرنا جبکہ مال حرام نہ ہو اور تبذیر نہ ہو۔ اسی طرح مساجد اور مصحف میں نقش و نگار اور تزئین احناف کے نزدیک مباح ہے اور شوافع کے نزدیک مکروہ ہے (۵) مکروہ جیسے فجر اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا احناف کے نزدیک مکروہ ہے اور شوافع کے نزدیک مباح ہے اسی طرح میت کے پیچھے تیجہ، دسواں اور چالیسواں مکروہ ہے "وبہ كره انخاذ

یہ حدیث آیت وصیت کیلئے ناسخ ہے

نسخ الحدیث بالقرآن اور نسخ القرآن بالحدیث کے بارے میں احناف کے دلائل۔ ہجرت سے پہلے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم حدیث سے ثابت ہے پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اس آیت سے "فول وجهك شطر المسجد الحرام" (بقرہ ۱۴۴)

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "کلام الله ینسخ کلامی"

نسخ القرآن بالحدیث کیلئے دلیل یہ روایت ہے "لا وصیة لوارث" یہ روایت ناسخ ہے اس آیت کیلئے "كتب عليكم اذا حضر احدكم الموت ان ترك خيرا الوصية للوالدين والاقربين"

سوال: وصیت کی آیت حدیث کے ذریعہ منسوخ نہیں ہوئی بلکہ آیت میراث سے منسوخ ہوئی ہے؟

جواب: آیت میراث میں صرف حقوق اور حصوں کو متعین کیا گیا ہے اس سے وصیت کی آیت منسوخ نہیں ہوئی بلکہ وصیت کی آیت "لا وصیة لوارث" حدیث کے ذریعے منسوخ ہوئی۔

دوسری دلیل یہ حدیث ہے "نحن معشر الانبياء لا نورث ما تركناه صدقة" (رواہ نسائی) (بخاری حدیث نمبر ۳۰۹۳) اس حدیث نے انبیاء کرام کے بارے میں میراث کی آیت کو منسوخ قرار دیا ہے۔

تیسری دلیل یہ ہے کہ قرآن پاک میں سجدہ تحیہ کا ذکر موجود ہے جیسا کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو کیا تھا اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو کیا تھا لیکن شریعت محمدی نے اس کو منسوخ قرار دیا ہے اس حدیث میں اس کا ذکر موجود ہے "لو كنت آمر احدا ان يسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها" (مشکوۃ ج ۲)۔

(۵) شوافع کی دلیل اور اس کا جواب: نسخ کی تیسری صورت پر انہوں نے کوئی دلیل پیش نہیں کی ہے البتہ نسخ کی چوتھی صورت پر انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل پیش کی ہے "کلامی لا ینسخ کلام الله" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کتاب اللہ کیلئے ناسخ نہیں ہو سکتی۔

احناف کی طرف سے جواب: احناف نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ "کلامی" سے مراد کلام اجتہادی ہے یعنی میرا اجتہادی کلام کلام اللہ کیلئے ناسخ نہیں ہو سکتا اور اس کے ہم بھی قائل ہیں

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ "کلامی" سے مراد یہ ہے کہ میرے کلام کے الفاظ کتاب اللہ کے الفاظ کو منسوخ نہیں کر سکتے اور اس کے ہم بھی قائل ہیں یعنی "کلامی لا ینسخ الفاظ کلام الله"

(۳) اس حدیث کی سند میں ایک راوی ہے جبرون بن واقد افریقی اور وہ ضعیف ہے لہذا اس سے استدلال تام نہیں علامہ ذہبی نے

اس کے بارے میں فرمایا ہے "......" لہذا یہ ضعیف ہے اور ان پر وضع کا الزام بھی لگایا ہے۔

(۴) یہ حدیث منسوخ ہے سابقہ دلائل سے (مرقاۃ)

کتاب العلم

یہاں پر چند مباحث کو ذکر کرنا ضروری ہے۔

(۱) ترکیب (۲) ماقبل کے ساتھ ربط (۳) علم کے حقیقی معنی کا بیان (۴) علم کی اقسام (۵) علم حاصل کرنے کا مقصد (۶) علم حاصل کرنے کے طریقے کا بیان۔

تفصیل: (۱) ترکیب "کتاب العلم" مبتدا محذوف کی خبر ہے "ای هذا کتاب العلم"

(۲) ماقبل کے ساتھ ربط یہ ہے کہ اس کتاب میں تعلیم و تعلم کی فضیلت کا ذکر ہے، ماقبل کے ساتھ ربط یہ ہے کہ "الاعتصام بکتاب الله" یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ ظاہر ہیں اور علم لازم ہے لہذا "باب الاعتصام بکتاب الله" کے بعد علم کا ذکر کرنا العام بعد الخاص کے قبیل سے ہے۔

(۳) **علم کے حقیقی معنی:** علم کے لغوی معنی ہیں دانستن (جاننا) جبکہ معنی اصطلاحی میں بہت اختلاف ہوا ہے چنانچہ بعض حضرات کہتے ہیں "لا یحد" کہ علم کی تعریف نہیں کی جا سکتی اور بعض فرماتے ہیں "یحد" کہ تعریف کی جا سکتی ہے۔

جو حضرات فرماتے ہیں کہ علم کی تعریف نہیں کی جا سکتی ان کی دلیل یہ ہے کہ ہر چیز کی معرفت علم پر موقوف ہوتی ہے لہذا اگر علم کی تعریف کسی چیز کے ذریعہ کریں گے جس کی معرفت خود علم پر موقوف ہو تو علم کی معرفت علم پر موقوف ہو جائے گی اور "توقف الشی علی نفسه" کے قبیل سے ہو جائے گا جو کہ دور ہے اور دور باطل ہے لہذا علم کی تعریف نہیں کی جا سکتی۔

اور جن حضرات نے علم کی تعریف کی ہے انہوں نے بھی مختلف تعریفیں کی ہیں چنانچہ حکماء کہتے ہیں کہ علم کی تعریف "حصول صورة الشيء في العقل" ہے۔

فلاسفہ کہتے ہیں کہ علم "الصورة الحاصلة من الشيء عند العقل" کو کہتے ہیں۔

متکلمین نے علم کی یہ تعریف کی ہے "العلم صفة للنفس توجب التمييز لا يحتمل النقيض في الأمور المعنوية" یعنی علم وہ ملکہ ہے جو انکشاف کا منشاء ہے اور یہ منشاء انکشاف تمیز لاتا ہے یعنی ایسی تمیز کہ عقل کو انکشاف تام ہو جاتا ہے "لا یحتمل النقیض" کے ذریعہ احتراز ہے شک اور تردد سے یعنی ایسا انکشاف تام جس میں شک اور تردد کا احتمال نہ ہو اسی طرح اس کے ذریعہ احتراز ہے حواس باطنہ سے اور امور معنویہ کے ذریعہ احتراز ہے حواس ظاہرہ سے کیونکہ حواس ظاہرہ کو علم نہیں کہا جاتا۔

(ب) پھر اس کی بھی تین صورتیں ہیں (۱) وحی کے ذریعہ یہ تعلق و تحقق ہوتا ہے۔

(۲) الہام اور فراست کے ذریعہ اس طریقہ پر جو علم حاصل ہوتا ہے وہ تحقق ہوتا ہے اسے علم "لدنی" بھی کہا جاتا ہے جیسے حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے "وعلمناه من لدنا علما" (سورۃ کہف آیت ۶۵)

علم وہبی حاصل ہوتا ہے علم اکتسابی پر عمل کرنے کے بعد کیونکہ ایک حدیث شریف میں ارشاد ہے "من عمل بما علم ورثه الله علم ما لم يعلم"۔

یہاں پر علم سے علم شرعی مراد ہے اور علم شرعی کی تعریف یہ ہے "العلم هو علم النصوص المقتبس من مشكوة النبوة من اقوال الصحابة والاعمال المستحبة ليهتدي به الي الله وصفاته وافعاله واحكامه فان حصل بواسطة البشر فهو كسبي والا فهو اللدني المنقسم الي الوحي والالهام والفراسة" (مرقات)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ليس العلم بكثرة الحديث انما العلم بكثرة الخشية" (مرقات ج۱ ص ۲۵۰)

امام مالک فرماتے ہیں "العلم ليس بكثرة الرواية انما العلم نور في القلب"۔

الفصل الاول : عن عبد الله بن عمرو رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ بلغوا عني ولو آية وحدثوا عن بني اسرائيل ولا حرج ومن كذب علي متعمدا فليتبوأ مقعده من النار (رواه البخاري)

ترجمہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا میری طرف سے پہنچاؤ اگرچہ ایک ہی آیت ہو اور بنی اسرائیل سے جو قصے سنو لوگوں کے سامنے بیان کرو کوئی گناہ نہیں ہے اور جو شخص قصداً میری طرف جھوٹی بات منسوب کرے اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنا لے۔

تشریح الحدیث اس حدیث شریف میں آپ ﷺ نے تین باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔

(۱) بلغوا عني: سوال پیدا ہوتا ہے کہ حدیث میں لفظ "آیت" مذکور ہے اس سے آیت کی تبلیغ کا حکم تو معلوم ہوتا ہے لیکن حدیث کی تبلیغ کا حکم معلوم نہیں ہوتا؟

جواب: یہاں پر آیت اپنے لغوی معنی میں ہے یعنی علامت اور نشانی یعنی جو کلام میری طرف سے پہنچے تو چاہے وہ ایک بات کیوں نہ ہو آگے پہنچاؤ چاہے آیت ہو یا حدیث یا فقہی مسئلہ۔

کسی بات کو دوسرے تک پہنچانے کیلئے یہ ضروری ہے کہ پہلے صحیح طور پر دین کا مسئلہ سیکھا جائے لفظاً بھی اور معنیً بھی پھر اس پر عمل کیا جائے پھر دوسروں تک پہنچایا جائے اور دوسروں تک پہنچانا بھی آپ ﷺ کی نیابت کے طور پر ہوگا اس لئے کہ دین کیلئے دو باتیں

ضروری ہیں

(۱) حفاظت (۲) اشاعت۔ بعد اگر حفاظت ہو لیکن اشاعت نہ ہو تب بھی دین کی ترقی نہیں ہوگی اور اگر اشاعت ہو لیکن حفاظت نہ ہو تب بھی دین ترقی نہیں کرے گا بلکہ گمراہی پھیلے گی۔

(۲) دوسری بات "وحدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج" ۔ سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ پہلے حضرت عمرؓ کی روایت گزر چکی ہے جس میں حضور ﷺ حضرت عمرؓ سے اس لئے ناراض ہوئے تھے کہ حضرت عمرؓ تورات پڑھ رہے تھے تو آپ ﷺ نے تورات پڑھنے سے منع فرمایا اور یہاں پر ان کے پڑھنے کی اجازت دی جارہی ہے بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے؟

جواب: قصص، حکایات اور نصائح عبرت کیلئے بیان کی جاسکتی ہیں لیکن ان کے احکام عمل کرنے کیلئے بیان کرنا جائز نہیں ہے کیونکہ ان کے احکام منسوخ ہو چکے ہیں لہذا دونوں میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

(۳) تیسری بات "من کذب علیّ متعمدا فلیتبوأ" ۔ خبر کے معنی میں ہے تو معنی یہ ہوا کہ جس نے مجھ پر عمداً قصداً جھوٹ بولا تو وہ اپنے لئے جہنم میں ٹھکانہ بنائے گا لہذا جو بھی ایسی بات بیان کرے کہ آپ ﷺ کی طرف نسبت کرتا ہے جو آپ ﷺ سے منقول نہ ہو یا اپنی طرف سے حدیث بیان کرتا ہے اس میں تمام امور کی رعایت نہ کرتا ہو تو وہ اس حدیث شریف کے زمرہ میں آجاتا ہے۔

وعن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ لا حسد إلا في اثنين رجل آتاه الله مالا فسلطه على هلكته في الحق ورجل آتاه الله الحكمة فهو يقضي بها ويعلمها (متفق عليه).

ترجمہ: حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا دو شخصوں کے بارے میں حسد کرنا ٹھیک ہے ایک تو وہ شخص جسے خدا نے مال دیا اور پھر اسے راہ حق میں خرچ کرنے کی توفیق عنایت فرمائی دوسرا وہ شخص جسے خدا نے علم دیا پھر وہ اس علم کے مطابق حکم کرتا اور دوسروں کو سکھاتا ہے۔

تشریح الحدیث: اس حدیث شریف کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں (۱) یہ کہ اگر حسد جائز ہوتا تو ان دونوں چیزوں میں جائز ہوتا لیکن ان دونوں میں بھی حسد جائز نہیں لہذا ان کے علاوہ دوسری اشیاء میں بطریق اولیٰ ناجائز ہے۔

(۲) دوسرا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ یہاں پر حسد اپنے معنی میں نہیں ہے بلکہ (کیونکہ حسد کا معنی ہے کسی کی نعمت کے زائل ہونے کی تمنا کرنا چاہے یہ نعمت خود تمنا کرنے والے کو حاصل ہو یا نہ ہو لیکن دوسرے سے زائل ہو) غبطہ (رشک کرنے) کے معنی میں ہے اسی وجہ سے امام بخاری نے باب قائم کیا ہے "باب الاغتباط" اس میں یہ حدیث لائی ہے، غبطہ کہتے ہیں کہ کسی کی نعمت کے

اور تیسرے مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑنا اس لئے کہ جماعت کی دعا ان کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے۔

تشریح الحدیث: علامہ خطابی نے فرمایا ہے کہ "نضر" حسن اور رونق کو کہا جاتا ہے (شرح السنۃ ج ۱ ص ۲۱۲)

سفیان ابن عیینہؒ نے فرمایا ہے "مامن احد یطلب الحدیث الا فی وجہہ نضرۃ" یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کو تروتازہ رکھے جو میری بات سن لے پھر اس کو یاد کرے چاہے سن کر یا لکھ کر۔ بعض حضرات نے فرمایا ہے "نضارت صرف ظاہری حسن کو نہیں کہا جاتا ہے بلکہ اس کے ساتھ لوگوں میں اس کی قدر و منزلت اور ہیبت علمی بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

نضر اللہ : اس جملے کے بارے میں دو قول نقل کئے گئے ہیں۔

(۱) یہ جملہ استقبالیہ ہے اس سے تعبیر کی گئی ہے صیغہ ماضی کے ساتھ کیونکہ یہ محقق الوقوع ہے عرب کا دستور ہے کہ جو چیز محقق الوقوع ہوتی ہے اس سے تعبیر کرتے ہیں صیغہ ماضی کے ساتھ۔

(۲) یہ کہ جملہ دعائیہ ہے مقصود اس سے حدیث شریف کی حفاظت کی اہمیت بیان کرنا اور حدیث شریف کو یاد کرنے کی ترغیب دینا ہے۔

فرب حامل فقہ غیر فقیہ: فقہ سے مراد علم حدیث اور سمجھ داری ہے بسا اوقات علم حدیث کا حاصل کرنے والا فقیہ نہیں ہوتا یعنی صرف حدیث کے الفاظ یاد کرتا ہے یعنی سرد الحدیث جیسا کہ علماء حدیث کا طریقہ ہے۔

ورب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ : یعنی علم حدیث کے یاد کرنے والے بعض لوگ عالم بھی ہوتے ہیں لیکن اس سے مسائل اور احکام کا استخراج نہیں کر سکتے دونوں صورتوں میں چاہے غیر فقیہ ہو یا فقیہ ہو لیکن مسائل کا استخراج نہیں کر سکتے دونوں اپنے شخص کو پہنچاتے ہیں جو خود بھی سمجھتا ہے اور دوسروں کو بھی سمجھاتا ہے۔

دوسری صورت کہ حدیث کو نقل کرنے والا خود بھی عالم ہوتا ہے یعنی استاذ شاگرد کو سمجھاتا ہے اور شاگرد میں استخراج کی صلاحیت استاذ سے زیادہ ہوتی ہے۔

ثلث لا یغل : امام بغویؒ نے فرمایا ہے کہ "یغل" یا کے فتحہ اور غین کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس میں دوسری قراءت یا کے ضمہ اور غین کے کسرہ کے ساتھ ہے پہلی قراءت کی بناء پر معنی یہ ہوا کہ کینہ نہیں رکھتا دوسری قراءت کی بنا پر معنی یہ ہوا کہ خیانت نہیں کرتا یعنی مسلمان کا دل ان تینوں باتوں کے بارے میں خیانت نہیں کرتا۔

یعنی جب بھی کوئی مومن ان تینوں باتوں کے ساتھ متصف ہوتا ہے تو اس کے دل سے کینہ اور خیانت نکل جاتی ہیں۔

فان دعوتھم من ورائھم : یعنی مسلمانوں کو دعا نے چاروں طرف سے گھیرا ہوتا ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ یہ "من"

ہے معنی یہ ہے کہ مسلمانوں کی دعاؤں نے مسلمانوں کا احاطہ کیا ہوا ہوتا ہے اور شیطان کے مکر سے مسلمانوں کی حفاظت کرتا ہے تاکہ مسلمانوں کو گمراہ نہ کرے۔ اس جملے کا ماقبل سے مناسبت یہ ہے کہ حدیث کے پہلے حصے میں حدیث کی ترغیب اور تبلیغ ہے لہذا اخلاص "النصيحة للمسلمين" کیلئے تائید اور تتمہ ہے حدیث کی تبلیغ صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہوگی اور اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی مقصود ہوگی اور اس میں جماعت کے ساتھ لزوم ہوگا۔

دوسرا ربط یہ ہے کہ اس حدیث میں آپ ﷺ نے جامعیت کی طرف اشارہ کیا ہے ملا علی قاریؒ نے مصابیح کی عبارت اس طرح نقل کی ہے "واداها كما سمع" اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کی نقل وہ الفاظ ہوں گے جو آپ ﷺ نے فرمائے ہیں لہذا اس حدیث کی بناء پر روایت بالمعنی جائز نہیں ہے لیکن علماء نے ذکر کیا ہے کہ روایت بالمعنی جائز ہے۔

روایت بالمعنی کے بارے میں چار اقوال ہیں۔

(۱) جمہور علماء کے نزدیک روایت بالمعنی مطلقاً جائز ہے۔

(۲) بعض نے فرمایا ہے کہ روایت بالمعنی مفردات میں جائز ہے اور مرکبات میں جائز نہیں۔

(۳) بعض نے فرمایا ہے کہ روایت بالمعنی اس شخص کیلئے جائز ہے جس کو الفاظ حدیث کا استحضار ہو اور وہ صحیح تصرف کرنے پر قادر ہو۔

(۴) روایت بالمعنی اس شخص کیلئے جائز ہے جس کو الفاظ و معانی دونوں یاد ہوں لیکن وہ الفاظ بھول گیا ہو اور معانی اس کے ذہن میں موجود اور قائم ہوں لہذا یہ شخص معانی سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ سَمِعَ النَّبِيُّ ﷺ قَوْمًا يَتَدَارَؤُونَ فِي الْقُرْآنِ فَقَالَ إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِهَذَا ضَرَبُوا كِتَابَ اللَّهِ بَعْضَهُ بِبَعْضٍ وَإِنَّمَا نَزَلَ كِتَابُ اللَّهِ يُصَدِّقُ بَعْضُهُ بَعْضًا فَلَا تُكَذِّبُوا بَعْضَهُ بِبَعْضٍ فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْهُ فَقُولُوا وَمَا جَهِلْتُمْ فَكِلُوهُ إِلَى عَالِمِهِ (رواه احمد وابن ماجه)۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک جماعت کے بارے میں سنا کہ وہ آپس میں قرآن کے بارے میں بحث کر رہے ہیں اور جھگڑ رہے ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک تم سے پہلے کے لوگ اسی سبب سے ہلاک ہوئے انہوں نے کتاب اللہ کے بعض حصہ کو بعض پر مارا حالانکہ بے شک کتاب اللہ کا بعض حصہ بعض کی تصدیق کرتا ہے لہذا تم قرآن کے بعض حصہ کو بعض سے نہ جھٹلاؤ اور اس کے بارے میں جتنا تم جانتے ہو اس کو بیان کرو اور جو نہیں جانتے ہو اسے جاننے والوں کی طرف منسوب کرو۔

تشریح الحدیث: اس حدیث کی تشریح میں دو قول ہیں (۱) قاضی بیضاویؒ نے فرمایا ہے کہ قرآن پاک میں ایسی بحث و مباحثہ

کرنا کہ قرآن مجید کی آیتوں کو ایک دوسرے سے ٹکرایا جائے تکذیب کے ارادے سے اس کا ارادہ تحقیق کا نہ ہو اور نہ سمجھنے کا ارادہ ہو تو اس طرح کی بحث ومباحثہ کرنا حرام ہے البتہ متعارض آیتوں کو تطبیق کے واسطے ٹکرانا جائز ہے جیسے کہ عبداللہ بن عباسؓ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا کہ "والله ربنا ما كنا مشركين" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بات کو چھپائیں گے اور دوسری آیت میں ہے "ولا يكتمون الله حديثا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بات نہیں چھپا سکتے بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ تو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ پہلی آیت میں جو کتمان ہے یہ محمول ہے کتمان لسانی پر اور دوسری آیت میں جو اظہار ہے یہ محمول ہے اظہار اعضاء پر یعنی جب وہ زبان سے انکار کریں گے تو اللہ تعالیٰ دوسرے اعضاء سے بلوائے گا جیسا کہ اس آیت "اليوم نختم على افواههم وتكلمنا ايديهم الخ" (سورہ یٰس آیت ۶۵)

(۲) دوسرا قول حضرت شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں ذکر کیا ہے کہ "ضربوا كتاب الله بعضهم ببعض" سے مراد یہ ہے کہ ہر ایک فرقہ اور جماعت اپنے مدعا کیلئے قرآن پاک سے استدلال کرے گا اور قرآن مجید کی آیتوں کو توڑ موڑ کر اپنی غرض کی طرف کھینچا جائے گا اس سے مقصود تحقیق اور اصلاح نہ ہوگی بلکہ اپنے من چاہے مدعا کو ثابت کرنا ہوگا۔

وَعَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ أُنْزِلَ الْقُرْآنُ عَلَى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ لِكُلِّ آيَةٍ مِنْهَا ظَهْرٌ وَبَطْنٌ وَلِكُلِّ حَدٍّ مُطَّلَعٌ (رواه في شرح السنة)

ترجمہ: اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا قرآن کریم سات طرح پر نازل کیا گیا ہے ان میں سے ہر آیت کے لئے ظاہر ہے اور باطن ہے اور ہر حد کے واسطے ایک جگہ خبردار ہونے کی ہے۔

تشریح الحدیث: اس حدیث کی تشریح میں دو بحثیں کی جاتی ہیں (۱) سبعہ احرف کی تشریح (۲) سبعہ احرف کی حکمت۔

(۱) **سبعۃ احرف کی تشریح**: علامہ سیوطیؒ نے الاتقان فی علوم القرآن میں چالیس اقوال ذکر کئے ہیں جبکہ علامہ آلوسیؒ نے تفسیر روح المعانی میں سات اقوال ذکر کئے ہیں جن میں سے پانچ مشہور اقوال یہاں ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) یہ کہ حدیث مشکلات (متشابہات) میں سے ہے اس کی مراد واضح نہیں کیونکہ حرف کے کئی معانی ہو سکتے ہیں۔

(۲) سبعۃ احرف سے مراد سات مضامین ہیں۔ اعتقادیات، احکام، قصص، وعید، وعد اور امثال۔

(۳) سبعۃ احرف سے مراد سات معانی ہیں امر، نہی، حلال، حرام، محکم، متشابہ اور امثال۔

(۴) سبعۃ احرف سے سات اقالیم مراد ہیں یعنی قرآن پوری دنیا کیلئے عام اور ہر قسم کی ہدایت ہے۔

(۵) علامہ توربشتیؒ نے فرمایا ہے کہ اس سے عرب کی سات لغات مراد ہیں، کیونکہ حرف لغت کی طرف بولا جاتا ہے لہٰذا سبعۃ الاحرف سے اطراف عرب کی سات لغات مراد ہیں اس لئے کہ فصاحت اور بلاغت میں مشہور سات قبائل ہیں (۱) لغت قریش (۲)

لغت بنی تمیم (۳) ہوازن (۴) اہل یمن (۵) ثقیف (۶) ہذیل (۷) بنو تمیم۔ اور یہی قول راجح ہے ملا علی قاری نے فرمایا ہے "وعليه ائمة المعتبرين وصححه البيهقي وابن عطية بمعنى التصريح به عن ابن عباس رضي الله عنه" (مرقات ج ص۲۵۰)۔

(۲) **سبعة احرف کی حکمت**: سات لغات پر قرآن مجید پڑھنے کی حکمت یہ ہے کہ قرآن پڑھنے میں آسانی ہو اولاً قرآن مجید قریش ہی کی لغت میں نازل ہوا تھا کیونکہ قریش کی لغت افصح اللغات تھی لیکن قرآن مجید کے سب پہلے مخاطبین عرب تھے اور عرب میں مختلف قبائل اور مختلف لغات جاری تھیں ایک قبیلہ کیلئے دوسرے قبیلے کی لغت میں مشکلات تھیں تو آپ ﷺ نے دعا کی کہ قرآن مجید کو مختلف لغات میں پڑھنے کی اجازت دی جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اجازت دیدی کہ ہر قبیلہ والے اپنی لغت میں قرآن مجید پڑھ سکتے ہیں اور یہ سلسلہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور حکومت تک جاری تھا پھر جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دور حکومت میں فتوحات کا دائرہ وسیع ہو گیا اور عجم بھی اسلام میں داخل ہو گئے تو لوگوں کے درمیان قرآن مجید کی لغات میں اختلاف واقع ہو گیا اور جنگ وجدل تک نوبت پہنچ گئی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے پچاس ہزار صحابہ کرامؓ کے مجمع میں وہ عارضی اجازت ختم کر کے قرآن مجید کو ایک لغت یعنی لغت قریش پر لکھنے کا حکم دیا پھر لغت قریش کے مطابق نسخے تیار کروا کر مختلف ممالک میں بھیج دیے گئے اور دوسرے قبائل کی لغات جو قریش کے نزدیک معتبر نہ تھے ان کو ختم کر دیا۔ مثلاً قبیلہ ہذیل کی لغت میں "حتیٰ" کے بجائے "عتیٰ" پڑھا جاتا تھا اور قبیلہ بنو اسد حرف مضارع کو مکسور پڑھتے تھے لہذا موجودہ مصحف صرف قریش کی لغت میں تیار کروایا گیا ہے۔

لكل اية منها ظهر وبطن: ظہر اور بطن کے بارے میں تین قول ذکر کئے گئے ہیں۔

(۱) ظہر سے الفاظ مراد ہے بطن سے معنی۔

(۲) ظہر سے تفسیر مراد ہے اور بطن سے احکام مستنبط۔

(۳) ظہر سے مراد تفسیر اور احکام مستنبط ہیں جبکہ بطن سے مراد دقائق اور اسرار ہیں علامہ ابن الخطیبؒ نے اسی قول کو راجح قرار دیا ہے۔

ولكل حد انتهاء مطلع: یعنی ہر ظاہری اور باطنی حد کیلئے اطلاع کا راستہ ہے لہذا حدیث کا معنی یہ ہوا کہ "سبعة احرف" کی ہر آیت کیلئے ظاہر اور باطن ہوگا اور ہر حد ظاہر و باطن کیلئے مطلع ہونے کا راستہ اور جگہ ہوگی۔ ظاہر کے لئے ذریعہ اطلاع اور اطلاع کی جگہ عربیت اور آداب ہیں جبکہ باطن کیلئے ذریعہ اور اطلاع ریاضت اور تزکیہ ہیں۔

وعن عبد الله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ العلم ثلاثة آية محكمة أو سنة قائمة أو فريضة عادلة وما كان سوى

ذلک فہو فضل (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

ترجمہ : حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا علم تین ہیں (۱) آیت محکم (یعنی غیر منسوخ) (۲) سنت قائمہ (۳) فریضہ عادلہ۔ اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زائد ہے۔

تشریح الحدیث : العلم میں الف لام عہد خارجی ہے۔

آیۃ محکمۃ : آیت محکم وہ ہوتی ہے جو منسوخ نہ ہو اور ایک ہی معنی کا احتمال رکھتی ہو۔

سنۃ قائمۃ : سنت قائمہ وہ ہے جو ثابت ہو۔

اوفریضۃ : فریضہ سے وہ احکام مراد ہیں جو کتاب و سنت سے مستنبط ہوں۔

او عادلۃ : ایسا فریضہ جو عمل کے اعتبار سے قرآن اور حدیث کے مساوی ہو لیکن اس پر دین اور اسلام کا مدار نہ ہو بس خلاصہ یہ ہوا کہ دین و اسلام کا مدار تین علموں پر ہے اس کے علاوہ دوسرے علوم پر دین کا مدار نہیں۔

وَعَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا يَقُصُّ إِلَّا أَمِيْرٌ أَوْ مَأْمُوْرٌ أَوْ مُخْتَالٌ (رواه ابو داود ورواه الدارمي عن عمرو بن شعيب عن أبيه عن جده وفي روايته أو مراء بدل أو مختال)

ترجمہ حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا تین آدمی قصہ بیان کریں گے حاکم یا محکوم یا تکبر والا۔

تشریح الحدیث : وعظ اور نصیحت امیر کا کام ہے اور اس کی ذمہ داری میں داخل ہے کہ وہ علماء اور قوم کو تو کوئی وعظ اور نصیحت کرے۔ یا امیر کا مامور اور نائب وعظ کرے یا وعظ کرنے والا مامور من اللہ ہو۔ ان تینوں کیلئے وعظ اور نصیحت کرنا جائز ہے۔ اور ان تینوں کے علاوہ جو وعظ اور نصیحت کرے گا وہ متکبر یعنی تکبر کرنے والا ہوگا کیونکہ اس کا وعظ کرنا بڑا رتبہ حاصل کرنے اور تکبر کی وجہ سے ہوگا ایک دوسری روایت میں "مختال" کے بجائے "مراء" آیا ہے یعنی ریاکار۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ مَنْ أُفْتِيَ بِغَيْرِ عِلْمٍ كَانَ إِثْمُهُ عَلٰى مَنْ أَفْتَاهُ وَمَنْ أَشَارَ عَلٰى أَخِيْهِ بِأَمْرٍ يَعْلَمُ أَنَّ الرُّشْدَ فِيْ غَيْرِهِ فَقَدْ خَانَهُ (رواہ ابو داؤد)

ترجمہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دوعالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جس شخص کو بغیر علم کے فتویٰ دیا گیا ہوگا تو اس کا گناہ اس شخص پر ہوگا جس نے اس کو (غلط) فتویٰ دیا ہے اور جس شخص نے اپنے بھائی کو کسی ایسے کام کے بارے میں مشورہ دیا جس کے متعلق وہ جانتا ہے کہ اس کی بھلائی اس میں نہیں ہے تو اس نے خیانت کی۔

تشریح الحدیث : "من افتی بغیر علم کان اثمه علی من" اگر فتوی طلب کرنے والا کسی ماہر مفتی سے فتوی طلب نہ کرے بلکہ جاہل سے فتوی طلب کرے اور وہ بغیر علم کے فتوی دے دے تو فتوی طلب کرنے والا اور دینے والا دونوں گنہگار رہیں اور اگر فتوی طلب کرنے والا، ماہر مفتی سے فتوی طلب کرے اور وہ غلط فتوی دیدے تو گناہ فتوی دینے والے پر ہوگا۔

ومن اشار الی اخیه : جب ایک شخص دوسرے شخص سے کسی کام کے بارے میں مشورہ طلب کرے اور مشورہ دینے والا اس کو ایک مشورہ دیدے لیکن اس کو (مشورہ دینے والے) کو معلوم ہو کہ اس کی خیر اس میں نہیں ہے بلکہ دوسری بات میں ہے تو اس نے خیانت کی۔

وعن معاویة قال ان النبی ﷺ نهی عن الاغلوطات (رواہ ابو داود)

ترجمه : اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے مغالطہ دینے سے منع فرمایا ہے۔

تشریح الحدیث۔ اغلوطات ، اغلوطة کی جمع ہے اس سے مراد ہر وہ مسئلہ ہے جو انسان کو مغالطہ میں ڈال دیتا ہے آپ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں مسئول کو تکلیف پہنچتا ہے۔

وعن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ تعلموا الفرائض والقرآن وعلموا الناس فانی مقبوض (رواہ الترمذی)

ترجمه : اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا تم فرائض (یعنی فرض چیزیں یا علم فرائض) اور قرآن کریم سیکھو اور دوسروں کو بھی سکھاؤ اس لئے کہ میں قبض کیا جاؤں گا (یعنی اس عالم سے اٹھالیا جاؤں گا)۔

تشریح الحدیث : فرائض سے مراد میراث کے حصے ہیں یعنی علم میراث کو سیکھا کرو کیونکہ اس میں قیاس نہیں چلتا۔ یا فرائض سے عام احکام دینیہ مراد ہیں یعنی وہ احکام جو اللہ تعالی نے بندوں پر فرض کئے ہیں لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس سے ہر وہ چیز مراد ہے جس کی معرفت واجب ہے لہذا اس کے ذریعہ اشارہ ہے دین کی حفاظت کی طرف۔

وعلموا الناس : اس کے ذریعہ اشارہ ہے دین کی اشاعت کی طرف یعنی تم میری طرف سے نائب ہو کر لوگوں کو پہنچاؤ کیونکہ میں قریب میں تم سے جدا ہو جاؤں گا اور یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا۔

وعن ابی الدرداء قال کنا مع رسول الله ﷺ فشخص ببصره الی السماء ثم قال هذا اوان یختلس فیه العلم من الناس حتی لا یقدروا منه علی شیء (رواہ الترمذی)

ترجمه : اور حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) ہم سرکار دو عالم ﷺ کے ہمراہ تھے کہ آپ ﷺ نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور فرمایا یہ وقت ہے کہ علم آدمیوں میں سے جا رہا ہے گا یہاں تک کہ وہ علم کے ذریعہ کسی چیز پر قدرت نہ رکھیں گے۔

كتاب الطهارة

یہاں پر تین باتیں بیان کرنا ضروری ہے۔

(۱) کتاب الطہارۃ کی کتاب العلم کے ساتھ مناسبت (۲) طہارت کے لغوی و اصطلاحی معنی (۳) طہارت کی اقسام۔

تفصیل: (۱) اعمال اور عبادات علم کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں کوئی بھی عبادت اور عمل علم کے بغیر صحیح نہیں ہوسکتا اور عبادات میں افضل ترین عبادت نماز ہے کیونکہ آپ ﷺ کا ارشاد ہے "الصلوٰۃ عماد الدین ومن اقام الصلوٰۃ فقد اقام الدین ومن ترک الصلوٰۃ فقد هدم الدین"۔ نیز قیامت میں سب سے پہلے نماز کے بارے میں پوچھا جائے گا "اول ما يحاسب به العبد يوم القيامة الصلوٰۃ"

نماز کثیر الوقوع ہے اور جو چیز کثیر الوقوع ہوتی ہے وہ تقدم کا تقاضا کرتی ہے۔

نماز کیلئے چونکہ طہارت ضروری ہے کیونکہ طہارت نماز کیلئے شرط اور موقوف علیہ ہے اور کسی چیز کا موقوف علیہ موقوف پر مقدم ہوتا ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ طہارت کا درجہ تخلی کا ہے اور نماز کا درجہ تحلی کا ہے تخلی چونکہ تحلی پر مقدم ہوتا ہے جبکہ تیسرا درجہ تجلی کا ہے۔

(۲) دوسری بحث: طہارت باب نصر ینصر اور باب کرم یکرم دونوں سے آتا ہے "طِہارۃ" طاء کے کسرہ کے ساتھ اس کے معنی ہیں طہارت کا ذریعہ جیسے پتھر، مٹی اور پانی وغیرہ "طُہارۃ" طاء کے ضمہ کے ساتھ کے معنی ہیں "ما فضل من ماء الوضوء" یعنی پانی کا باقی ماندہ پانی جبکہ "طَہارۃ" طاء کے فتح کے ساتھ کے معنی ہیں نظافت اور طہارت یعنی پاکی۔

طہارت کی اصطلاحی تعریف: اصطلاح میں طہارت کہتے ہیں "استعمال المطهر على وجه المشروع في ازالة النجاسة الحقيقية والحكمية"

لفظ کتاب کی تحقیق: لفظ کتاب کا استعمال اس جگہ میں ہوتا ہے جس کے تحت انواع ہوں اور یہاں پر بھی چونکہ طہارت کے تحت بہت ساری انواع ذکر کی جاتی ہیں اس لئے مصنفؒ نے کتاب الطہارت فرمایا ہے۔

(۳) **طہارت کی اقسام** ۔ طہارت کی ابتداء دو قسمیں ہیں (۱) طہارت باطنی (۲) طہارت ظاہری۔

طہارت باطنی کی کئی انواع ہیں: (۱) طہارت عن الشرک (۲) طہارت عن المعصیۃ (۳) دل کی طہارت رذائل سے پھر اس کی کئی اصناف ہیں، حسد، کینہ، عُجب، بطر الحق یعنی تکبر علی الناس، بطر الناس یعنی تکبر علی الناس، عجب یعنی خود پسندی، سمعۃ، حب مال، حب جاہ، طول الامل، طہارت نفس یعنی نفس کو رذائل اور خواہشات نفسانیہ سے پاک کرنا۔

طہارت ظاہری کی دو قسمیں ہیں (۱) طہارت عن الاحداث (۲) طہارت عن الانجاس۔

پھر طہارت عن الاحداث کی دو قسمیں ہیں (۱) طہارت عن الحدث الاصغر (۲) طہارت عن الحدث الاکبر۔

پھر طہارت عن الانجاس کی دو قسمیں ہیں (۱) طہارۃ عن النجاسۃ الحقیقیۃ (۲) طہارۃ عن النجاسۃ الحکمیۃ جیسے غسل، وضو وغیرہ سے طہارت۔

طہارت عن النجاسۃ الحقیقیۃ کی پھر دو قسمیں ہیں (۱) نجاست حقیقیہ غلیظہ جیسے خون وغیرہ (۲) طہارت عن النجاسۃ الحقیقیۃ الخفیفۃ" جیسے پیشاب اور ماکول وغیرہ۔

الفصل الاول: عن ابی مالک الاشعری قال قال رسول اللہ ﷺ الطہور شطر الایمان

تشریح الحدیث: شطر نصف کے معنی میں آتا ہے کیونکہ طہارت کی دو قسمیں ہیں (۱) طہارت ظاہری (۲) طہارت باطنی۔ دونوں کے مجموعے کا نام ایمان ہے۔ یا شطر کے معنی جزء لہذا معنی یہ ہوا کہ طہارت ایمان کا جزء ہے لہذا طہارت سے ایمان کامل ہوگا۔ یا ایمان سے نماز مراد ہے کیونکہ نماز پر بھی ایمان کا اطلاق ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے "وما کان اللہ لیضیع ایمانکم ای صلوتکم" تو معنی یہ ہوا کہ طہارت نماز کا جزء ہے۔

والحمد للہ: حمد اللہ تعالیٰ کی صفات ثبوتیہ کمالیہ میں سے ہے اور "سبحان اللہ" صفات سلبیہ میں سے ہے۔

تملأ المیزان: یعنی "الحمد للہ" میزان کو بھر دیتا ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے "سبحان اللہ تملأ نصف المیزان و الحمد للہ تملأ المیزان" وسبحان اللہ والحمد للہ تملأن المیزان اگر "تملأ" واحد کا صیغہ ہو تو پھر ایک مراد ہوگا۔

سوال: "الحمد للہ وسبحان اللہ" الفاظ ہیں اور الفاظ اعراض کے قبیل سے ہیں یعنی "اذا وجد فلاشیئ" یعنی موجود ہوتے ہی ختم ہو جاتے ہیں تو وہ کیسے میزان کو بھر دیں گے؟

جواب (۱) علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اعراض انسان کے تجربہ کے تحت داخل ہیں اور انسان خود اس کا اندازہ کر کے آلات کے ذریعہ اس کی مقدار اور کیفیت معلوم کر سکتا ہے جیسا کہ تم دیکھتے ہو کہ گرمی اور سردی کی مقدار آلات کے ذریعہ معلوم کی جاتی ہے بدن میں بخار اور زلزلہ کی حرکت معلوم کی جاتی ہے جو کہ اعراض ہے اور غیر قائم بالذات ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو قادر مطلق بادشاہ ہیں وہ بطریق اولیٰ اعراض کی مقدار کو معلوم کر سکتا ہے۔

جواب (۲) علامہ طیبیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا ارشاد نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اعراض کو جسم مثالی کی شکل میں تبدیل فرمائیں گے۔

جواب (۳) حضرت عبداللہ بن مبارکؒ، امام ترمذیؒ، علامہ تورپشتیؒ اور علامہ قرطبیؒ نے فرمایا ہے کہ اعمال یعنی صاحب عمل کو تولا جائے گا۔

والصلوٰۃ نور: نماز نور اور روشنی ہے جب بھی روشنی آتی ہے تو اندھیرا خود بخود ختم ہو جاتا ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نماز قبر میں نور ہوگی بعض فرماتے ہیں کہ پل صراط کے وقت نور ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "یسعیٰ نورھم بین ایدیھم وبایمانھم" جبکہ بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ قیامت میں نور ہوگی "سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود"

والصدقۃ برھان: اس کی دو توجیہات کی گئی ہیں (۱) یہ کہ جو صدقہ، خالص نیت کے ساتھ ہو تو وہ صدقہ کرنے والے کی ایمان داری کی دلیل ہے "انہ لحب الخیر لشدید۔"

(۲) جو مال صدقہ نے صدقہ کرکے خرچ کیا ہے قیامت کے دن اس کے مصرف کے بارے میں سوال نہیں کیا جائے گا کہ تم نے یہ مال کہاں خرچ کیا تو اس کا صدقہ کا اثر اس کیلئے دلیل ہوگا۔

والصبر ضیاء: صبر کی تین قسمیں ہیں۔

(۱) صبر علی الطاعۃ کقولہ تعالیٰ "وأمر أھلک بالصلوٰۃ واصطبر علیھا"

(۲) صبر عن المعصیۃ کقولہ تعالیٰ "وأما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھویٰ فان الجنۃ ھی المأویٰ"

(۳) صبر علی المصیبۃ کقولہ تعالیٰ "الذین اذا أصابتھم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون"

القرآن حجۃ لک: قرآن آپ کیلئے حجت اور دلیل اس شرط پر ہے کہ تم اس کی حقانیت پر اعتقاد رکھو، اس کے الفاظ صحیح پڑھو، اس کے احکام سیکھو، اس پر عمل کرو اور دوسروں تک پہنچاؤ نبی کریم ﷺ کی طرف سے ثابت ہونے کی بناء پر اگر ان پانچ باتوں میں سے ایک بھی نہ ہو تو پھر قرآن پاک آپ کے خلاف حجت ہے۔

کل الناس یغدو: ہر انسان جب صبح اٹھتا ہے تو اپنے آپ کو بیچنے والا ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنی ذات کا سودا کرتا ہے ان چیزوں کے بدلے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا سبب بنتی ہیں اور اپنے آپ کو ہلاکتوں اور مصیبتوں سے آزاد کرا لیتا ہے۔
اور اگر وہ آدمی صبح شیطان کے ساتھ سودا بیچ کرے اور اس کی مرضیات پر چلنے لگے تو اپنے آپ کو ہلاک کرنے والا ہوتا ہے۔

لم اجد ھذہ الروایۃ فی الصحیحین: صاحب مشکوٰۃ صاحب مصابیح پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ حدیث میں نے نہ صحیحین میں پائی ہے نہ مسند حمیدی میں اور نہ جامع میں اب صاحب مشکوٰۃ پر اعتراض یہ ہے کہ جب یہ روایت صحیحین میں نہیں ہے تو آپ نے فصل اول میں کیوں ذکر کی ہے؟

جواب: فصل اول میں ان احادیث صحیحہ کا التزام کیا گیا ہے جو صحیح ہو اصول حدیث کے اعتبار سے ذکر زیادت کے اعتبار سے اور نہ صحیحین کے اعتبار سے لہٰذا صاحب مشکوٰۃ نے یہ روایت فصل اول میں امام مسلم کی صحت کی بناء پر ذکر کی ہے۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ أَلَا أَدُلُّكُمْ عَلَى مَا يَمْحُو اللّٰهُ بِهِ الْخَطَايَا وَيَرْفَعُ بِهِ الدَّرَجَاتِ قَالُوا بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ قَالَ إِسْبَاغُ الْوُضُوءِ عَلَى الْمَكَارِهِ وَكَثْرَةُ الْخُطَى إِلَى الْمَسَاجِدِ وَانْتِظَارُ الصَّلٰوةِ بَعْدَ الصَّلٰوةِ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ وَفِي حَدِيثِ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ فَذٰلِكُمُ الرِّبَاطُ رَدَّدَ مَرَّتَيْنِ رواه مسلم وفي رواية الترمذي ثلاثا

ترجمہ: اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے (صحابہ کو خطاب کرتے ہوئے) فرمایا کیا میں تمہیں وہ چیز نہ بتاؤں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو دور کردے اور جس کے سبب جنت میں تمہارے درجات کو بلند کردے صحابہ نے عرض کی ہاں یا رسول اللہ! آپ نے فرمایا مشقت کے وقت (یعنی بیماری یا سخت جاڑے میں) وضو کو پورا کرنا مسجد کی طرف (گھر سے دوری کی وجہ سے) کثرت سے قدموں کو رکھنا اور (ایک) نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا پس یہ رباط ہے اور حضرت مالک بن انس کی حدیث میں پس یہ رباط ہے دو مرتبہ ہے اور ترمذی کی روایت میں تین مرتبہ ہے۔

تشریح الحدیث ما یمحو اللہ بہ الخطایا: قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہ کنایہ ہے مغفرت سے اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اس سے مراد گناہوں کا اعمال نامہ سے مٹا دینا مقصود ہے (شرح مسلم للنووی ج ۱ ص ۱۲۷)

اسباغ الوضوء علی المکارہ: اسباغ کے معنی اکمال کے آتے ہیں اور اس کے تین درجے ہیں (۱) فرض یعنی تمام اعضاء وضو کو ایک ایک بار بقدر فرض دھو لیا جائے اور سر کا بقدر فرض ربع راس مسح کیا جائے "حدیث: وضوء لا یقبل اللہ الصلوۃ بدونہ" (۲) اعضاء وضو کو تین مرتبہ دھویا جائے اور مسح راس میں استیعاب کیا جائے (۳) مستحب یعنی غسل ثلاث مرات کے ساتھ ساتھ اطالہ غرہ کیا جائے۔

مکارہ: مکروہ کی جمع ہے اس سے مراد یہ ہے کہ پانی قیمت سے ملتا ہے جو قیمت مثل کے مطابق ہو اگرچہ تنگی سے خریدا ہو پھر وصول کیا جائے اور وضو کیا جائے اور اس طرح تمام صورتوں کو شامل جو نفس پر شاق گزرتی ہے (مرقات ج ۱ ص ۳۲۱)

کثرۃ الخطی فی المسجد: اس سے یا تو بعد الدار عن المسجد مراد ہے جہاں لوگوں کیلئے تنگی اور تکلیف کا سامان کیا گیا ہے اور یا قرب الدار کی صورت میں کثرت آمد و رفت مراد ہے اور تعلق خاطر با مسجد کی فضیلت بیان ہو رہی ہے (مرقات ج ۱ ص ۳۲۲)

انتظار الصلوۃ بعد الصلوۃ: اس سے یا تو انتظار فی المسجد مراد ہے یعنی مسجد میں ایک نماز سے دوسری نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے یا عام ہے خواہ مسجد میں ہو یا باہر یعنی مسجد سے نکل کر جب بھی دل دوسری نماز میں لگا رہے اور حدیث میں بھی بہت بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے روایت ہے "سبعة يظلهم الله في ظله يوم لا ظل الا ظله" ان سات میں "رجل قلبه معلق في المساجد" (صحیح بخاری ج ۱ ص ۹۱)

فذالکم الرباط : اس مرابطہ سے بھی "انتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ " ہے اور یا یہ کہ سرحد دار الاسلام کی حفاظت کرنا مرابطہ ہے اس طرح "انتظار الصلوٰۃ بعد الصلوٰۃ " بھی اس میں داخل ہے دار الاسلام کی سرحدوں کی حفاظت میں کفار و مشرکین اور اعداء الاسلام کی مدافعت مقصود ہوتی ہے اور انتظار الصلوٰۃ میں شیطان کی مدافعت ہوتی ہے

وعن عثمان ﷺ قال : قال رسول الله ﷺ من توضأ فاحسن الوضوء خرجت خطایاہ من جسدہ حتی تخرج من تحت اظفارہ (متفق علیہ)

ترجمہ : رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو شخص اچھے طرح وضوء کرے تو اس کے گناہ اس کے بدن سے نکل جاتے ہیں اور اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی گناہ نکل جاتے ہیں

سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ دخول اور خروج اجسام میں ہوتا ہے جبکہ گناہ عرض میں اور یہ چیزیں تو عوارض ہیں تو اعراض میں دخول اور خروج کیسے متصور ہوتے ہیں؟

جواب: (۱) اعراض عالم مثال میں اجسام کی صورت میں تبدیل ہوں گے۔

جواب (۲) ابوبکر بن عربی نے فرمایا ہے کہ یہاں پر "خرجت خطایاہ" کے معنی میں ہے یعنی ان کے گناہ معاف کردئے جائیں گے۔

جواب (۳) علامہ سیوطیؒ نے فرمایا ہے کہ گناہ کی سیاہی ظاہری اور باطنی ہے یہاں پر وہ باطنی اثر دور ہوتا ہے جو کہ وضو کے ذریعہ سے ہوتا ہے۔

عن عثمان ﷺ قال قال رسول الله ﷺ ما من امرئ تحضرہ صلوٰۃ مکتوبۃ فیحسن وضوءھا وخشوعھا ورکوعھا الا کانت کفارۃ لما قبلھا من الذنوب ما لم یؤت کبیرۃ وذلک الدھر کلہ (رواہ مسلم)

ترجمہ : حضرت عثمان ﷺ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جو مسلمان فرض نماز کا وقت آنے پر اچھی طرح وضوء کرے اور نماز میں خشوع اور خضوع کرے تو اس کی یہ نماز ان گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے جو اس نماز سے پہلے کئے تھے بشرطیکہ یہ گناہ کبیرہ نہ ہو اور ایسا ہمیشہ ہوتا رہتا ہے اور یہ فضیلت ہر زمانہ میں قائم رہتی ہے

تشریح الحدیث : یہاں پر رکوع کی تخصیص مبالغۃً کی گئی ہے یا اس وجہ سے کہ رکوع امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے۔

سوال: سوال پیدا ہوتا ہے کہ نماز تو تب ہی اس وقت صغیرہ گناہوں کیلئے کفارہ بنے گی جبکہ وہ گناہ صغیرہ ابھی تک کبیرہ نہ بن چکا ہو۔

جواب: "ما لم یؤت کبیرۃ" کا یہ مطلب نہیں ہے جو سائل نے لیا ہے بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز صغیرہ گناہوں کیلئے کفارہ

ہے جب تک کبائر نہ ہوں اگر کبائر بھی ہوں تو پھر نماز کبائر کیلئے کفارہ نہیں بنے گی بلکہ کبیرہ گناہ سے توبہ کرنا ضروری ہوگا بشرطیکہ وہ حقوق العباد کے قبیل سے نہ ہو اسی طرح اس کی قضاء کرنا ممکن نہ ہو جب توبہ کرنے سے معاف ہوں گے۔

وذلك الدهر : یعنی نماز مکتوبہ ہر زمانے میں معاصی کیلئے کفارہ بنے گی کسی ایک زمانے کے ساتھ خاص نہیں "الدهر" منصوب ظرف ہے اور "کلہ" اس کیلئے تاکید ہے۔

وعنه انه توضأ فافرغ على يديه ثلاثا ثم تمضمض واستنثر ثم غسل:

تشریح الحدیث : توضأ نحو وضوئي: یہاں پر راوی نے آپ ﷺ کے وضو کی تشبیہ دی ہے اپنے وضو کے ساتھ حالانکہ اس کا عکس ہونا چاہئے تھا کہ اپنے وضو کی تشبیہ دیتے آپ ﷺ کے وضو کے ساتھ اس کی وجہ کیا ہے؟

جواب: یہاں پر غیر محسوس کو بمنزلہ محسوس قرار دینے کیلئے آپ ﷺ کے وضو کی تشبیہ دی ہے اپنے وضو کے ساتھ۔

لا يحدث نفسه فيهما بشيء: یعنی نماز کے اندر اپنے اختیار کے ساتھ کوئی خیال نہ لائے۔

سوال: حضرت عمر ؓ فرماتے ہیں "انی لاجهز جیشی وانا فی الصلوۃ" (صحیح بخاری)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر ؓ اپنے اختیار اور تصور سے خیال لایا کرتے تھے اور مذکورہ حدیث سے اپنے اختیار اور تصور سے خیال لانے کو ممنوع قرار دیا ہے بظاہر دونوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے؟

جواب (۱): جس حدیث میں تصور کی نفی آئی ہے اس میں دنیا کے تصور کی نفی مراد ہے اور حضرت عمر ؓ کا عمل دین کے واسطے تھا لہذا دین کا تصور کرنا اور خیال لانا جائز ہے۔

جواب (۲) حضرت عمر ؓ امور جہاد میں مشغول تھے اور جب ایک آدمی دشمن کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور نماز خوف ادا کرتا ہے تو اس میں آنے جانے کی بھی اجازت ہے لہذا جہاد کا تصور اور لشکر کی تدبیر وغیرہ کرنا معترض نہیں تو اسی طرح لشکر کی تجہیز اور تدبیر بھی معترض نہیں ہے۔

جواب (۳) از روئے حدیث حضرت عمر ؓ "محدث" تھے اور "محدث" من اللہ تعالیٰ تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان پر حق جاری فرمایا تھا نبی کریم ﷺ نے فرمایا "ان اللہ جعل الحق علی لسانہ وقلبہ" اس کے خشوع، خضوع، حضور قلبی، مناجات الہام الٰہی ہے اس کا الہام الٰہی کی قبولیت سے تعبیر کی گئی ہے تجہیز لشکر کے ساتھ۔

خلاصہ یہ کہ حضرت عمر ؓ کا تصور من جانب اللہ تھا جس کی وجہ سے ان کا حضور قلبی اللہ تعالیٰ کی طرف دھیان کرنے سے غافل نہیں ہوا ہے۔

باب مایوجب الوضوء الفصل الاول

ماقبل کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس سے پہلے والے باب میں طہارت کی فضیلت کا بیان تھا اور اس باب میں وضوء کے واجبات، اور اسباب وغیرہ کا بیان ہو رہا ہے۔ وضوء کا موجب حقیقی اللہ تعالیٰ ہیں جبکہ وضوء کے وجوب کا سبب ظاہری دو قسم پر ہے (۱) سبب قریب (۲) سبب بعید۔

سبب قریب: وضوء کے وجوب کا سبب قریب "استباحۃ ما لا یحل الا بہ" یعنی کسی چیز کا جائز ہونا جو وضوء کے بغیر جائز نہیں جیسے نماز وغیرہ۔

سبب بعید: وہ اسباب جو وضوء کو واجب کرنے والے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ نے فرمایا ہے کہ وضوء کے واجب ہونے کے اسباب کے تین درجات ہیں۔

(۱) وضوء کے سبب وجوب کا وہ درجہ جس میں صحابہ کرامؓ اور تابعین کا اتفاق ہے اور اس میں روایات بھی مطابق ہوں جیسے پیشاب، پاخانہ، ریح اور نوم ثقیل اس میں کسی کا اختلاف نہیں اور نہ اس میں روایات مختلف ہیں۔

(۲) دوسرا درجہ وہ ہے جس میں صحابہ کرامؓ اور تابعین کا اختلاف ہو اور اس میں روایات بھی مختلف ہو جیسے مس ذکر، مس امرأۃ اور اکل لحوم ابل۔

(۳) تیسرا درجہ جس میں صحابہ کرامؓ اور تابعین سب کا اتفاق ہو لیکن اس میں روایات مشتبہ ہوں جیسے وضوء مما مست النار تو اس کے ترک پر اتفاق ہے کہ اس سے وضوء لغوی مراد ہے نہ کہ وضوء اصطلاحی۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ لا تقبل صلوة من احدث حتى يتوضأ:

تشریح الحدیث: لا تقبل صلوة من احدث: سوال یہ ہے کہ یہاں پر "صلوة" نکرہ ہے اور تحت النفی واقع ہے اور نکرہ جب تحت النفی واقع ہوتا ہے تو اس میں عموم ہوتا ہے تو معنی یہ ہوا کہ کوئی بھی نماز (چاہے نماز رکوع والی ہو یا رکوع والی نہ ہو) وضوء کے بغیر قبول نہیں ہوتی تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وضوء کے بغیر نماز صحیح تو ہے لیکن قبول نہیں ہوتی حالانکہ وضوء کے بغیر نماز صحیح بھی نہیں اور حدیث سے قبولیت کی نفی سمجھ میں آرہی ہے نہ کہ صحت کی نفی؟

جواب: قبولیت کی دو قسمیں ہیں (۱) قبولیت صحت (۲) قبولیت اجر و ثواب۔

قبولیت صحت اس کو کہتے ہیں کہ فریضہ ادا ہو کر ذمہ فارغ ہو جائے۔۔۔۔

اور قبولیت ثواب اس کو کہتے ہیں کہ فریضہ اپنے تمام ارکان، شرائط اور آداب کے ساتھ خشوع اور خضوع کے ساتھ ادا ہو جائے تو یہ فریضہ منظور اور مقبول عند اللہ ہوتا ہے لہذا قبولیت صحت اور قبولیت ثواب کے درمیان عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے قبولیت صحت

عام ہے اور قبولیت ثواب خاص ہے۔

مثلاً ایک آدمی مسجد میں باجماعت تمام ارکان اور شرائط کے ساتھ نماز ادا کرے تو اس میں قبولیت صحت بھی ہے اور قبولیت ثواب بھی کہ اس نماز پر اس کو اجر دیا جائے گا۔

اور اگر ایک شخص ارض مغصوبہ میں نماز پڑھے تو اس کا ذمہ تو فارغ ہو جائے گا لیکن اس پر اس کو ثواب نہیں ملے گا تو یہاں قبولیت صحت تو ہے لیکن قبولیت ثواب نہیں ہے اس لئے ہم نے کہا کہ ہر قبولیت ثواب قبولیت صحت ہے لیکن ہر قبولیت صحت قبولیت ثواب ہونا ضروری نہیں۔

قبولیت صحت کیلئے تین شرائط ہیں۔

(۱) اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم " اس آیت کریمہ سے قبولیت صحت معلوم ہوتی ہے۔

(۲) مفتاح الصلوۃ الطہور : یعنی وضو نماز کی صحت کیلئے موقوف علیہ ہے۔

(۳) تمام امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ وضو کے بغیر نماز صحیح نہیں ہوتی یہاں پر عدم قبولیت بمعنی عدم صحت استعمال ہوا ہے جیسا کہ باری تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا ہے۔

"ولا تقبلوا لھم شھادۃ ابدا" یہاں پر بھی عدم قبولیت بمعنی عدم صحت ہے۔

اسی طرح ایک روایت میں ہے "لا یقبل اللہ تعالیٰ صلوۃ حائض الا بخمار" یہاں پر عدم قبولیت بمعنی عدم صحت ہے۔

مسئلہ فاقد الطہورین: اگر کوئی مسلمان کسی جگہ میں پھنس گیا جہاں نہ پانی ہے اور نہ مٹی تو وہ کیا کرے گا مثلاً ایک شخص ایک جگہ قید ہوا کہ فرش بھی نجس ہے دیوار بھی نجس نہ پانی ہے اور نہ مٹی۔ یا ایک شخص درخت پر چڑھا ہوا ہے نیچے دشمن بیٹھا ہوا ہے اور درخت کے پتوں پر گرد و غبار بھی نہیں یا ایک شخص ہوائی یا سمندری جہاز میں بیٹھا ہوا ہے اندر پانی ختم ہو گیا اور مٹی بھی نہیں ملتی تو شرعی نقطہ نظر سے وہ کیا کرے گا اس مسئلہ میں پانچ مذاہب ہیں۔

(۱) امام ابوحنیفہؒ (۲) امام احمدؒ (۳) امام مالکؒ (۴) امام شافعیؒ (۵) حضرات صاحبینؒ۔

تفصیل: (۱) امام ابوحنیفہؒ کا قول قدیم یہ ہے کہ ادا کرنا حرام ہے اور قضاء واجب ہے یعنی فی الحال نماز چھوڑے گا اور بعد میں ادا کرنا واجب ہے (۲) امام احمدؒ نے فرمایا ہے کہ ادا و قضاء واجب ہیں یعنی فی الحال ادا کرے گا اور بعد قضاء بھی کرے گا۔ (۳) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ لا اداء ولا قضاء (۵) امام شافعیؒ سے اس مسئلہ میں چار اقوال منقول ہیں۔

(۱) ایک قول امام ابوحنیفہؒ کے قول کے مطابق ہے (۲) ایک قول امام احمدؒ کے قول کے مطابق ہے (۳) ایک قول امام مالکؒ کے

قول کے مطابق ہے (۴) استحباب الاداء ووجوب القضاء یعنی فی الحال ادا کرنا مستحب ہے اور بعد میں ادا کرنا واجب ہے۔

(۵) صاحبین کا مذہب علامہ شامیؒ نے یہ نقل کیا ہے کہ یہ آدمی تشبہ بالمصلین کرے گا اور بعد میں قضاء کرنا واجب ہے۔

صاحبین کی دلیل: صاحبینؒ نے قیاس کیا ہے حائضہ پر یعنی جب رمضان کے مہینے میں ایک عورت دن کے درمیانی حصہ میں کسی بھی وقت حیض سے پاک ہو جائے تو باقی دن تشبہ بالصائمین کرے گی اور بعد میں اس پر اس کا قضاء بھی واجب ہے اسی طرح جب ایک لڑکا بالغ ہو جائے یا ایک کافر مسلمان ہو جائے تو باقی دن تشبہ بالصائمین کرے گا اور قضاء بھی لازم ہے اسی طرح یہ مصلی بھی تشبہ بالمصلین کرکے بعد میں قضاء کرے گا۔

(۶) اور اسی طرح حج پر قیاس کیا ہے یعنی جب کسی کا حج فاسد ہو جائے تو وہ تشبہ بالحجاج کرے یا باقی ارکان ادا کرے گا اور بعد میں قضاء لازم ہوگا۔

ہمارے ہاں صاحبینؒ کے مذہب پر فتوی ہے اور امام صاحب سے بھی صاحبین کے قول کی طرف رجوع منقول ہے۔

وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَا تُقْبَلُ صَلٰوةٌ بِغَيْرِ طُهُوْرٍ وَلَا صَدَقَةٌ مِنْ غُلُوْلٍ (رواہ مسلم)

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا بغیر طہارت کے نماز قبول نہیں کی جاتی اور مال حرام سے خیرات قبول نہیں کی جاتی۔

تشریح الحدیث: نماز کی صحت قبولیت کیلئے وضو موقوف علیہ ہے۔

غلول: غلول لغت میں لوٹوں کی چوری کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں مال غنیمت میں چوری کرنے کو کہتے ہیں پھر ہر قسم مال حرام میں اس کا استعمال ہونے لگا ہے چاہے سرقہ سے حاصل ہوا ہو یا غصب سے یا کسی اور حرام اور ناجائز طریقہ سے۔

ولا صدقة من مال غلول: حدیث کے سرخ کا مطلب یہ ہے کہ طہارت کی دو قسمیں ہیں (۱) طہارت ظاہری (۲) طہارت باطنی اور نماز کی قبولیت موقوف ہے طہارت ظاہری اور باطنی دونوں پر اس نے فرمایا ہے کہ صحیح نماز کیلئے یہ شرط ہے کہ مصلی ظاہری اور باطنی دونوں قسم کی نجاستوں اور نجاستوں سے پاک ہو۔

سوال: یہاں پر یہ سوال وارد ہوتا ہے کہ مال حرام سے صدقہ قبول نہیں ہوتا ہے اور صاحب ہدایہ نے ایک جزئیہ ذکر کیا ہے کہ جس کے پاس مال حرام ہو اس کو چاہئے کہ صدقہ کرے دونوں میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے۔

جواب: تصدق کی دو قسمیں ہیں (۱) تصدق برائے حصول ثواب (۲) تصدق برائے دفع معصیت۔ حدیث محمول ہے پہلی قسم پر یعنی ثواب اسی صدقہ پر ملتا ہے جو پاک اور حلال ہو علامہ شامیؒ نے فرمایا ہے "ان التصدق بمال حرام ثم رجاء الثواب منه

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے خود آپ ﷺ سے پوچھا۔ تو بظاہر روایت میں تعارض معلوم ہوتا ہے؟

جواب: ابن حبان نے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا لیکن انہوں نے کسی وجہ سے تاخیر کی اور پھر بھول گئے پھر آپ رضی اللہ عنہ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو حکم دیا انہوں نے بھی تاخیر کی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے شدت احتیاج کی بنا پر خود آپ ﷺ سے پوچھا اور بعد میں ان دونوں حضرات نے بھی آپ ﷺ سے پوچھا لہذا روایات میں تعارض نہیں ہے۔

یا یہ کہو کہ سوال کی نسبت حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کی طرف بلاواسطہ ہے کیونکہ انہوں نے خود پوچھا تھا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف بالواسطہ ہے کیونکہ وہ آمر تھے۔

(۳) موضع غسل میں ائمہ کرام کا اختلاف: تمام ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ مذی خارج ہونے سے وضو واجب ہوجاتا ہے اور اس بات پر بھی اتفاق ہے کہ موضع نجاست (یعنی جہاں نجاست لگی ہوئی ہے) کا دھونا واجب ہے۔ لیکن ائمہ کا اختلاف موضع غسل (دھونے کی جگہ کی مقدار) میں ہے کہ موضع غسل (دھونے کی جگہ کی مقدار) موضع نجاست (جہاں نجاست لگی ہوئی ہے) سے متجاوز ہے یا نہیں چنانچہ جمہور (امام ابوحنیفہؒ امام شافعیؒ امام مالکؒ) فقہاء کے نزدیک صرف موضع نجاست (جہاں نجاست لگی ہوئی ہے) کا دھونا واجب ہے جبکہ امام احمد بن حنبلؒ اور امام اوزاعیؒ کے نزدیک پورا ذکر اور خصیتین سب کا دھونا واجب ہے۔

امام احمد کی دلیل: ایک روایت میں ہے "یغسل ذکرہ ویتوضا"۔ اور ایک دوسری روایت میں ہے "لیغسل ذکرہ وانثییہ" (ابوداود)۔

جمہور کی دلیل: جمہور کا دعویٰ یہ ہے کہ مذی نکلنے کی صورت میں صرف موضع نجاست دھونا واجب ہے اس سے متجاوز جگہ کا دھونا واجب نہیں دلیل میں حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کرتے ہیں "کنت القی من المذی شدۃ وکنت اکثر منہ الاغتسال فسالت رسول اللہ ﷺ فقال انما یجزیک من ذلک الوضوء" (رواہ ابوداود)۔

جمہور کی طرف سے امام احمد اور امام اوزاعی کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ کی روایت میں "ذکر" کا تذکرہ نہیں ہے۔

جواب (۲) ذکر اور انثیین کا دھونا مستحب ہے واجب نہیں۔

جواب (۳) ذکر اور انثیین کے دھونے کا حکم ابتداء اسلام پر مبنی ہے کیونکہ ابتداء میں لوگ مذی کو پیشاب سے بھی خفیف سمجھا کرتے تھے تو آپ ﷺ نے حکم میں تشدید فرمائی کہ ذکر اور انثیین کو بھی دھویا کرو جب لوگوں کے ذہن میں یہ بات بیٹھ گئی کہ مذی بھی پیشاب کی طرح نجس ہے تو آپ ﷺ نے حکم میں تخفیف فرمائی لہذا حکم کا مدار علت پر ہے جب علت ختم ہوگئی تو حکم بھی جاتا رہا۔

جواب (۴) امام طحاوی نے فرمایا ہے کہ ذکر اور انثیین کے دھونے کا حکم علاجا ہے یعنی جب ذکر اور خصیتین دھوئے جائیں تو مذی وغیرہ کے تمام قطرات ختم ہوجاتے ہیں جیسا کہ دودھ دینے والے جانور کے تھن کو ٹھنڈے پانی سے چھینٹے مارے جائیں تو اس کا

دودھ خشک ہو جاتا ہے۔

عن ابی ہریرۃؓ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول توضؤا مما مست النار (رواہ مسلم)

ترجمہ: حضرت ابی ہریرہؓ سے منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے وہ فرماتے کہ وضو کرو ان سے جو اس کے ساتھ آگ لگی ہوئی ہو۔

وضوء بما مست النار کا بیان. تمام مجتہدین اس بات پر متفق ہیں کہ آگ سے پکائی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو واجب نہیں ہوتا۔

سوال: سوال یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں "مما مست النار" کے کھانے سے وضو کرنے کا حکم آیا ہے تو مجتہدین نے کیسے وضو نہ کرنے پر اتفاق کیا ہے؟

جواب: محی السنۃ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہو چکی ہے اور اس کے منسوخ ہونے پر تین روایتیں ہیں (۱) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت میں ہے "ان رسول اللہ ﷺ اکل کتف شاۃ ثم صلی ولم یتوضأ"۔

(۲) حضرت سوید بن نعمانؓ کی روایت میں ہے "انه خرج مع رسول اللہ ﷺ عام خیبر حتی اذا کانوا بالصهباء الی آخر الحدیث ... فاکلنا ثم قام الی المغرب فمضمض ومضمضنا ثم صلی ولم یتوضأ"

(۳) عن ام سلمۃ انها قالت قربت الی رسول اللہ ﷺ جنبا مشویا فاکل منه ثم قام الی الصلوۃ ولم یتوضأ"۔

جواب (۲): دوسرا جواب یہ ہے کہ جن روایات میں "توضؤا مما مست النار" سے وضو کا ذکر ہے یہ محمول ہے استحباب پر یعنی "مما مست النار" کھانے کے بعد وضو کرنا مستحب ہے جیسا کہ حضرت جابرؓ کی روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ ﷺ سے پوچھا "انتوضأ من لحوم الغنم قال ان شئت فتوضأ وان شئت فلا" جواب (۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ جن روایات میں وضو کا ذکر موجود ہے وہ وضو لغوی پر محمول ہے یعنی ہاتھ دھونا مراد ہے چونکہ ایک روایت میں ہے "برکۃ الطعام الوضوء قبله والوضوء بعده" یہاں پر وضوء سے ہاتھ دھونا مراد ہے تو جن روایات میں وضو کا ذکر ہے وہ بھی وضو لغوی پر محمول ہوگا۔

وعن جابر بن سمرۃ ان رجلا سال رسول اللہ ﷺ انتوضأ من لحوم الغنم قال ان شئت فتوضأ وان شئت فلا توضأ قال انتوضأ من لحوم الابل قال نعم فتوضأ من لحوم الابل قال اصلی فی مرابض الغنم قال نعم قال اصلی فی مبارك الابل قال لا (رواہ مسلم)

ترجمہ: اور حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکار دو عالم ﷺ سے پوچھا کہ کیا ہم بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضو کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تمہارا جی چاہے تو وضو کرو اور چاہے تو نہ کرو، پھر اس شخص نے پوچھا کیا اونٹ کا گوشت کھانے

کے وضو کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں اونٹ کا گوشت کھانے سے بعد وضو کرو پھر اس شخص نے سوال کیا بکریوں کے رہنے کی جگہ میں نماز پڑھ لوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں پھر اس شخص نے دریافت کیا کیا اونٹوں کے باڑے کی جگہ نماز پڑھوں آپ نے فرمایا نہیں۔

تشریح الحدیث "أتوضأ من لحوم الغنم": یعنی اس نے پوچھا کہ بکری اور اونٹ کے گوشت کے کھانے کے بعد وضو واجب ہے یا نہیں۔

بکری کے گوشت کے کھانے کے بعد کوئی بھی وضوء کے واجب ہونے کا قائل نہیں لیکن اونٹ کے گوشت کھانے کے بعد وضوء کرنے میں ائمہ کا اختلاف ہے چنانچہ جمہور فقہاء (احناف، شوافع، اور مالکیہ) کے نزدیک اونٹ کے گوشت کھانے کے بعد وضوء واجب نہیں جبکہ امام احمد بن حنبل اسحٰق بن راہویہ فرماتے ہیں کہ اونٹ کے گوشت کھانے کے بعد وضوء واجب ہے۔

جمہور کی دلیل جمہور کی دلیل یہ ہے "کان آخر الامرین ترك الوضوء مما مست النار" (رواہ النسائی ص ۳۰)۔

امام احمد بن حنبل کی دلیل: ان حضرات نے وہ احادیث اپنے استدلال میں پیش کی جس میں "مما مست النار" سے وضوء کا حکم بیان کیا گیا ہے۔

نیز امام احمد بن حنبلؒ اونٹ کے گوشت سے وضوء کا حکم "مما مست النار" کی بناء پر لازم نہیں کرتے بلکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ اونٹ کے گوشت کھانے کے بعد وضوء واجب ہے چاہے گوشت آگ سے پکا ہوا ہو یا آگ سے پکا ہوا نہ ہو ہر حال میں وضوء واجب ہے اس لئے کہ اونٹ کے گوشت میں دسومت (چکناہٹ) اور بدبو ہوتی ہے اس لئے اس کے کھانے کے بعد وضوء واجب ہے۔

جمہور کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حکم باقی میں ذکر شدہ روایت کی بناء پر منسوخ ہو چکا ہے۔ یا یہ حکم استحبابی ہے جیسا کہ سمرہ بن جندب ؓ کی روایت میں "البان الابل" کی زیادت بھی آئی ہے انہوں نے پوچھا "أنتوضأ من لحوم الابل والبانها قال نعم" (فتح الملہم ج ۱) اونٹ کے دودھ پینے سے بالاتفاق وضوء واجب نہیں تو گوشت کھانے سے بھی وضوء واجب نہ ہوگا اور یہ حکم استحباب پر محمول ہوگا یا وضوء لغوی پر محمول ہوگا۔

سوال: سوال یہ وارد ہوتا ہے کہ جب یہ حکم استحباب یا وضوء لغوی پر محمول ہے تو اس میں اونٹ کے گوشت کھانے کی تخصیص کی کیا وجہ ہے؟ کیونکہ یہ حکم تو صرف اونٹ کے گوشت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر قسم کے گوشت بلکہ ہر قسم کھانا کھانے کے بعد وضوء لغوی یا وضوء استحبابی کا حکم ہے؟

جواب: اونٹ کے گوشت کی تخصیص تین وجوہ کی بناء پر کی گئی ہے۔

(۱) اونٹ کے گوشت میں عام گوشت کی نسبت سے بدبو زیادہ ہوتی ہے۔

(۲) اونٹ کے کوہان میں شیطان کا اثر ہوتا ہے۔

(۳) بنی اسرائیل پر ان کی شرارت کی بناء پر اونٹ کا گوشت حرام کر دیا گیا تھا اور آپ ﷺ کی امت کیلئے حلال قرار دیا گیا ہے تو وضوء کا حکم تشکر کے طور پر ہے۔

سأل أصلي في مرابض الغنم قال نعم قال أصلي في مبارك الإبل قال لا: "مرابض" مربض کی جمع ہے بھیڑ بکری کے باندھنے کی جگہ (باڑہ) کو کہتے ہیں اور "مبارک" مبرک کی جمع ہے اونٹ باندھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔

اس مسئلہ کی تحقیق یہ ہے کہ اگر بھیڑ بکری اور اونٹوں کے باندھنے کی جگہ میں نجاست کا یقین ہو تو پھر دونوں میں نماز جائز نہیں اور اگر مرابض اور مبارک دونوں پاک ہوں تو اس کے متعلق سائل نے سوال کیا تھا اور آپ ﷺ نے اس کے جواب میں مرابض میں نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے اور مبارک میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے دونوں میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ بھیڑ بکری ایک عاجز مخلوق ہے اس میں شیطانی اثر نہیں ہوتا لہذا نماز پڑھنے والا اطمینان سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ نیز بھیڑ بکری کا پیشاب زیادہ پھیلتا نہیں بلکہ ایک جگہ ہو کر جمع ہوتا ہے۔ نیز بھیڑ بکری سے کاٹنے کا خطرہ بھی نہیں اس لئے نماز پڑھنے میں کوئی خطرہ لاحق نہیں ہوتا اس لئے حدیث شریف میں بھیڑ بکری کے بارے میں "انها بركة" فرمایا گیا ہے۔

اور مبارک میں نماز پڑھنے سے منع فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ مبارک میں اطمینان سے نماز نہیں پڑھی جاسکتی کیونکہ احادیث میں اس کے بارے میں "انها من الشياطين" کے الفاظ آئے ہیں نیز اونٹ کا پیشاب دور دور تک منتشر ہوتا ہے تو اس میں تلویث کا خطرہ ہوتا ہے۔

(وعن أبي هريرة قال قال رسول الله ﷺ إذا وجد أحدكم في بطنه شيئا فأشكل عليه أخرج منه شيء أم لا فلا يخرجن من المسجد حتى يسمع صوتا أو يجد ريحا (رواه مسلم)

ترجمہ۔ اور حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی اپنے پیٹ کے اندر کچھ پائے اور اس پر یہ بات مشتبہ ہو کہ کوئی چیز خارج ہوئی یا نہیں تو اس وقت تک وضو کے لئے مسجد سے باہر نہ نکلے جب تک آواز نہ سن لے یا بو نہ پالے۔

تشریح الحدیث۔ یہاں پر دو سوال وارد ہوتے ہیں (۱) اس حدیث میں آپ ﷺ نے بتایا ہے کہ صرف ریح اور صوت سے وضو ٹوٹتا ہے یعنی وضو ٹوٹنے کو ریح اور صوت میں منحصر کیا گیا ہے حالانکہ وضو کا ٹوٹنا صرف ریح اور صوت میں منحصر نہیں بلکہ اس کے علاوہ بھی اس کے بہت سے اسباب ہیں لہذا "لا وضوء إلا من صوت أو ريح" میں حصر نہیں؟

سوال (۲) اگر کوئی آدمی بہرا ہو آواز نہ سنتا ہو یا اس کی قوت شامہ خراب ہو بدبو محسوس نہ کرتا ہو تو کیا اس کا وضو نہیں ٹوٹے گا؟

جواب: یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ حصر اضافی ہے کیونکہ عاقل آدمی مسجد میں پیشاب وپاخانہ نہیں کرتا بلکہ کبھی کبھار پیٹ میں گڑبڑ ہوتی ہے اور ریح خارج ہوتی ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ "حتی یسمع صوتا او یجد ریحا" یقین سے کنایہ ہے یعنی جب یقین ہو جائے کہ ریح خارج ہوگئی ہے تو وضو واجب ہے۔

فائدہ اگر قبل سے ریح خارج ہو جائے تو وضو ٹوٹے گا یا نہیں؟

اگر دبر سے ریح خارج ہو جائے تو اس پر تمام فقہاء کا اتفاق ہے کہ اس سے وضو ٹوٹتا ہے لیکن اگر قبل یا ذکر سے ریح خارج ہو جائے تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے امام قدوری نے امام محمد کا قول یہ نقل کیا ہے کہ ریح القبل سے وضو واجب ہے جبکہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ ریح القبل سے وضو واجب نہیں ہے اور دلیل انہوں نے یہ ذکر کی ہے "انها لا تنبعث عن محل النجاسة" یعنی یہ ریح نجاست کے اوپر سے نہیں گزرتی لیکن صاحب ہدایہ کی یہ دلیل اس شخص کے حق میں قوی نہیں جو کہتے ہیں کہ ریح بذات خود نجس ہے لیکن اس کا بہترین جواب وہ ہے جو علامہ ابن نجیم نے ذکر کیا ہے کہ "انها اختلاج ليس بريح خارج" مولانا عبدالحی نے صاحب قدوری کے قول کو ترجیح دی ہے اور انہوں نے یہ فرمایا ہے کہ حدیث میں لفظ "ریح" آیا ہے جو تعمیم کا فائدہ دیتا ہے یعنی چاہے قبل کی ریح یا دبر کی لیکن مولانا عبدالحی کا قول جو ہے تعمیم پر محمول ہے صحیح نہیں کیونکہ بعض روایات میں یہ الفاظ آئے ہیں "فوجد ريحا في استه"۔

امرأة مفضاة کا حکم: امرأة مفضاة اس عورت کو کہا جاتا ہے جس کی فرج اور دبر ایک ہو گئے ہوں جبکہ بعض حضرات نے کہا کہ امرأة مفضاة وہ عورت ہے جس کے حیض اور پیشاب کا راستہ ایک ہو گیا ہو۔ لہذا اگر عورت مفضاۃ ہو اور اس سے ریح خارج ہو جائے تو وضو ٹوٹے گی یا نہیں چنانچہ صاحب ہدایہ نے فرمایا ہے کہ اس کیلئے وضو کرنا واجب نہیں بلکہ مستحب ہے جبکہ امام ابو حفص الکبیر نے کہا ہے کہ اس کیلئے وضو کرنا واجب ہے اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ اگر اس ریح میں بدبو ہو تو وضو کرنا واجب ہے اور اگر بدبو نہ ہو تو پھر وضو کرنا مستحب ہے۔

عن ابي هريرة قال قال رسول الله ﷺ لا وضوء الا من صوت او ريح (رواه احمد والترمذي)

ترجمہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا وضو کرنا آواز یا ریح سے واجب ہوتا ہے۔

تشریح الحدیث ایک وضو کے ساتھ دن کی تمام نمازیں ہو سکتی ہیں یا نہیں چنانچہ اس کے بارے میں دو مذہب ہیں جمہور محدثین فرماتے ہیں کہ ایک وضو کے ساتھ دن کی تمام نمازیں پڑھنا جائز ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے جبکہ اہل ظواہر فرماتے ہیں

کہ ایک وضو کے ساتھ ایک ہی نماز جائز ہے ایک سے زیادہ جائز نہیں انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے "یاایہا الذین امنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوہکم" کہ جب بھی نماز پڑھنے اٹھو تو وضو کرو چاہے پہلے سے وضو ہو یا نہ ہو۔

جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ یہاں پر قید محذوف ہے یعنی "اذا قمتم الی الصلوۃ وانتم محدثون فاغسلوا وجوہکم"

وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مِفْتَاحُ الصَّلٰوۃِ الطُّھُوْرُ وَتَحْرِیْمُھَا التَّکْبِیْرُ وَتَحْلِیْلُھَا التَّسْلِیْمُ (رواہ ابو داود والترمذی والدارمی ورواہ ابن ماجہ عنہ وعن ابی سعید)

ترجمہ : اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا نماز کی کنجی وضو ہے نماز کی تحریم تکبیر (یعنی اللہ اکبر کہنا) ہے اور نماز کی تحلیل سلام پھیرنا۔

تشریح الحدیث : یہاں پر دو مسئلے ذکر کیے جاتے ہیں (۱) تکبیر تحریمہ کا مسئلہ (۲) تکبیر تحریمہ کے الفاظ کا بیان۔

تکبیر تحریمہ رکن ہے یا شرط؟ اس کے بارے میں فقہاء کے دو مذہب ہیں۔ (۱) ائمہ ثلاثہ (امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل) کے نزدیک تکبیر تحریمہ نماز کا رکن ہے اور یہ حدیث ان کی دلیل ہے۔

(۲) احناف کے نزدیک تکبیر تحریمہ نماز کیلئے شرط ہے رکن نہیں یعنی نماز سے خارج ہے نماز میں داخل نہیں احناف کی دلیل یہ آیت ہے "وذکر اسم ربہ فصلی" یہاں "فا" آئی ہے اور "فا" عطف کیلئے آئی ہے تعقیب کے ساتھ اور عطف مغایرت کا تقاضہ کرتا ہے یعنی معطوف، معطوف علیہ سے غیر ہوتا ہے لہذا "فا" سے ماقبل کا حکم "فا" مابعد سے مغایر ہوگا۔

امام ابن شہاب الزہری فرماتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ سنت ہے۔

احناف کی طرف سے ائمہ ثلاثہ کے مستدل کا جواب یہ ہے کہ یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادت جائز نہیں اگر اس کے ذریعہ فرضیت کو ثابت کیا جائے تو یہ خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادت ہو جائے گی لہذا خبر واحد کے ذریعہ تکبیر تحریمہ کی فرضیت ثابت نہیں ہو سکتی۔

فائدہ : دلیل کی چار قسمیں ہیں (۱) قطعی الثبوت قطعی الدلالت اس کے ذریعہ مشروعات میں فرضیت اور منہیات میں حرمت ثابت ہوتی ہیں۔

(۲) قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ۔

(۳) ظنی الثبوت قطعی الدلالۃ۔

ان دونوں کے ذریعہ مشروعات میں واجب اور سنت مؤکدہ جبکہ منہیات میں مکروہ تحریمی ثابت ہوتی ہیں۔

(۴) ظنی الثبوت ظنی الدلالۃ اس کے ذریعہ سنن زوائد، مستحبات، مندوبات، مکروہ تنزیہی اور مباحات ثابت ہوتے ہیں۔

ادا کرنا صحیح ہے۔

جمہور کی دلیل کا جواب جب مسند اور مسند الیہ معرفہ ہوں تو یہ حصر کا فائدہ دیتے ہیں یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے بلکہ اکثری ہے کیونکہ ایک مقولہ مشہور ہے "لافتیٰ الا علی رضی اللہ عنہ" یہاں پہ مسند اور مسند الیہ دونوں معرفہ ہیں لیکن حصر مقصود نہیں کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے لوگ بھی جوان ہیں۔

وتحلیلها التسلیم۔ نماز کی تحلیل سلام ہے نماز سے نکلنے کیلئے سلام ضروری اور لازمی ہے اس کے علاوہ کسی دوسرے طریقے سے بھی آدمی نماز سے نکل سکتا ہے چنانچہ اس مسئلے میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

ائمہ ثلاثہ (امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) فرماتے ہیں کہ نماز سے نکلنے کیلئے سلام ضروری اور فرض ہے ان کی دلیل یہی حدیث (تحلیلها التسلیم) ہے۔

احناف، سعید بن المسیبؒ، عطاء ابن ابی رباحؒ، قتادہؒ، ابراہیم نخعیؒ اور ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں کہ نماز سے نکلنے کیلئے سلام فرض نہیں بلکہ بدون السلام بھی خروج عن الصلوۃ جائز ہے۔ ان حضرات کی تین دلیلیں ہیں۔

(۱) وہ حدیث جس میں آپ ﷺ نے ایک اعرابی کو نماز کی تعلیم دی ہے اس میں سلام کا ذکر نہیں، اگر سلام فرض ہوتا تو آپ ﷺ ضرور اس کو فرائض میں ذکر فرماتے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا اثر ہے وہ فرماتے ہیں کہ مجھے آپ ﷺ نے فرمایا "اذا قلت هذا او فعلت هذا فقد قضيت صلاتك فان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد" (رواه الطبراني في المعجم الاوسط)۔

یہ اثر مدرک بالعقل نہیں ہے اور صحابی رضی اللہ عنہ کا جو اثر مدرک بالعقل نہیں ہوتا وہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہوتا ہے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "اذا رفع المصلي راسه من آخر صلوته وقضى تشهده ثم احدث تمت صلوته فلا يعود لها" (رواه الطحاوي)۔

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ خروج عن الصلوۃ لفظ سلام کے ساتھ فرض نہیں ہے البتہ لفظ سلام واجب ہے لہٰذا سب کے نزدیک نماز کا اعادہ واجب ہوگا لیکن مسلک اول والوں کے نزدیک نماز کا اعادہ واجب ہے فرضاً اور مسلک ثانی والوں کے نزدیک نماز کا اعادہ واجب ہے فرضاً نہیں۔

جمہور کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ یہاں پہ "تحلیلها التسلیم" سے حصر مراد نہیں جیسا کہ ماقبل میں "تحريمها التكبير" کے بیان میں گزر گیا ہے۔

عن علي بن طلق رضي الله عنه قال قال رسول الله ﷺ اذا فسا احدكم فليتوضأ ولا تأتوا النساء في اعجازهن (رواه الترمذي

وابو داؤد)

تشریح الحدیث: دونوں جملوں کے درمیان مناسبت یہ ہے کہ جو ریح دبر سے خارج ہوتی ہے اس سے طہارت کا ازالہ ہوتا ہے اور تقرب الی اللہ کا بھی ازالہ ہوتا ہے تو عورتوں کے ساتھ اعجاز (دبر) میں عمل کرنا تو اس سے غلیظ ترین عمل ہے اس سے بھی طہارت کا ازالہ ہوتا ہے لہذا آپ ﷺ نے بطور زجر فرمایا۔

وعن علیؓ قال قال رسول الله ﷺ وكاء السه العينان فمن نام فليتوضأ (رواه ابوداود)

ترجمہ: حضرت علیؓ سے منقول ہے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے آنکھیں تو ریح کا سربند ہے (یعنی ڈوری) جس کو نیند آگئی تو اس کو چاہئے کہ وضو کرلے۔

مسئلة النوم: انبیاء کرام علیہم السلام کی نیند بالاتفاق ناقض وضو نہیں ہے اور نوم غیر انبیاء ناقض وضو ہے یا نہیں چنانچہ اس میں چار مذاہب ہیں۔

(۱) امام مالکؒ امام احمدؒ (۲) اہل ظواہر (۳) امام شافعیؒ (۴) احناف:

تفصیل - امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک نوم قلیل ناقض وضو نہیں ہے اور نوم کثیر ناقض وضوء ہے کیونکہ روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ نوم ناقض وضو نہیں اور یہ بھی آیا ہے کہ نوم ناقض وضوء ہے لہذا دونوں کے درمیان تطبیق دینے کیلئے انہوں نے نوم میں تقسیم کردی کہ نوم قلیل ناقض نہیں ہے اور نوم کثیر ناقض وضوء ہے۔

(۲) اہل ظواہر فرماتے ہیں کہ نوم مطلقاً (چاہے قلیل ہو یا کثیر) ناقض وضوء ہے اور یہ حضرات اپنے استدلال میں یہی (حضرت طلق بن علی کی) حدیث پیش کرتے ہیں۔

(۳) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نوم قاعداً ممکناً مقعدہ من الارض ہو تو یہ ناقض نہیں ہے اور اس کے علاوہ صورتوں میں نوم ناقض وضوء ہے اور انہوں نے اس (یعنی طلق بن علی کی) حدیث کو نوم مضطجعاً پر محمول کیا ہے۔

(۴) احناف فرماتے ہیں کہ جو نوم قاعداً ممکناً علی الارض ہو اور بوقت تحلف (بیداری) کے وقت مقعد زمین سے الگ نہ ہو اس کے علاوہ نماز کے اندر قائماً، راکعاً، ساجداً بشرطیکہ سجدہ مسنون طریقے سے یعنی کہنیاں پیٹ سے الگ ہوں اور پیٹ رانوں سے الگ ہو ان تمام صورتوں میں نوم ناقض وضو نہیں ہے البتہ اگر نوم متکئاً، مستنداً، مضطجعاً یا قاعداً ہو اور حالت بیداری میں اس کا مقعد زمین سے الگ ہوگیا ہو تو ان صورتوں میں نوم ناقض وضوء ہے۔

احناف کی دلیل: حضرت ابن عباس ﷺ کی روایت ہے "عن ابن عباس ﷺ قال قال رسول الله ﷺ ان الوضوء على من نام مضطجعا فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله" (رواه الترمذی وابوداود) "وحديث البيهقي ان النبي ﷺ

فقال ليس الوضوء على من نام جالسا او قائما او ساجدا حتى يضع جنبه فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله"

(زجاجة المصابیح) ۔

عن بسرة قالت قال رسول الله ﷺ اذا مس احدکم ذکره فلیتوضأ (رواه مالک واحمد وابو داؤد والترمذی والنسائی وابن ماجه والدارمی)

ترجمہ: حضرت بسرہؓ فرماتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے تم میں سے اگر کسی نے اپنے ذکر کو چھولیا تو اس کو چاہیے کہ وضو کرلے

مسئلہ مس الذکر کابیان: اختلاف روایات کی بناء اس مسئلہ میں فقہا کا اختلاف ہے کہ مس الذکر ناقض وضوء ہے یا نہیں

چنانچہ جمہور یعنی ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ مس الذکر ناقض وضوء ہے یہ حضرات اپنے استدلال میں حضرت بسرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ذکر کرتے ہیں "قال اذا افضى احدکم بیده الى ذکره لیس بینهما شیء فلیتوضأ" اور حضرت

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت اخری روایت ہے لہذا اس سے معلوم ہوا کہ مس الذکر ناقض وضوء ہے یہ حضرات بھی مس الذکر کے ساتھ

بلا حائل کی قید لگاتے ہیں اور بھی باطن الکف کی قید۔

جبکہ احناف کے نزدیک مس الذکر ناقض وضوء نہیں چاہے حائل کے ساتھ ہو یا بلا حائل ہو چاہے ظاہر الکف کے ساتھ ہو یا باطن الکف

کے ساتھ۔

احناف کی دلیل: حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

جمہور کی طرف سے احناف پر اعتراض یہ ہے کہ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے پہلے اسلام قبول کیا ہے کیونکہ ایک ہجری میں مسلمان

ہوئے تھے اور مسجد نبوی ﷺ کی بناء میں شریک ہوئے تھے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ متاخر الاسلام ہے انہوں نے ۷ھ میں اسلام

قبول کیا ہے لہذا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ناسخ ہوئی حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت کیلئے لہذا حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی

روایت سے استدلال درست نہیں؟

جواب: احناف کی طرف سے اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کو ناسخ قرار دینا اور حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی

روایت کو منسوخ قرار دینا اس وقت درست ہوتا جبکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے کے بعد حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی

ملاقات آپ ﷺ سے ثابت نہ ہوتی حالانکہ حضرت ابوہریرہؓ کے اسلام لانے کے بعد بھی حضرت طلق بن علی کی ملاقات حضور ﷺ

سے ثابت ہے کیونکہ ۹ھ میں وفد بنی حنیفہ کے ساتھ حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی خدمت حاضر ہوئے تھے تو ممکن ہے کہ

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی بعد میں یہ حدیث آپ ﷺ سے سنی ہو لہذا نسخ کا دعوی درست نہیں، نیز

حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کی روایت کو حضرت بسرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت پر بھی ترجیح حاصل ہے۔

وجوہ ترجیح: ( ) حضرت بسرہ ؓ کی روایت محتمل ہے جبکہ حضرت طلق بن علی ؓ کی روایت محتمل نہیں کیونکہ حضرت بسرہؓ کی روایت میں پیشاب سے بھی کنایہ ہو سکتا ہے۔

حضرت بسرہ ؓ کی روایت استحباب پر محمول ہے اور حضرت طلق بن علی ؓ کی روایت محمول نفی وجوب پر۔

امام طحاویؒ نے فرمایا ہے کہ حضرت بسرہؓ کی روایت میں وضوء سے وضوء لغوی مراد ہے اور حضرت طلق بن علی ؓ کی روایت موافق قیاس ہے۔ کیونکہ یہ بھی بدن کے دوسرے اعضاء کی طرح ایک عضو ہے جس طرح دوسرے اعضاء کو چھونے سے وضوء واجب نہیں ہوتا اسی طرح ذکر کے چھونے سے بھی وضوء واجب نہیں۔

حضرت علی ؓ فرماتے ہیں "ما ابالی انفی مسست او اذنی او ذکری"۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ فرماتے ہیں "انما سئل عن مس الذکر قال ان کان شیء منک نجس فاقطعه فلا باس به"۔ (طحاوی ج ۱ ص ۵۹)

عن ابی الدرداء انه سئل عن مس الذکر فقال انما هو بضعة منك "(رواہ الطحاوی ج ۱)

نیز یہ معاملہ مردوں کا ہے اس میں مرد کے قول کو ترجیح دی جائے گی عورت کے قول پر جیسا کہ عورتوں کے بعض مخصوص مسائل میں عورتوں کے قول کو ترجیح دی جاتی ہے۔

عن عائشةؓ قالت كان النبي ﷺ يقبل بعض ازواجه ثم يصلي ولا يتوضأ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ نبی پاک ﷺ اپنی بعض بیویوں کا بوسہ لیتے پھر نماز پڑھتے اور وضوء نہیں فرماتے۔

مس المرأۃ کا بیان: اگر کسی مرد نے عورت کو بوسہ دیا یا اس کو چھو لیا تو یہ ناقض وضوء ہے یا نہیں؟

چنانچہ اس میں اختلاف ہے مشہور مذاہب تین ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عباس ؓ، حضرت ابو موسیٰ اشعری ؓ، احناف، سفیان ثوریؒ، امام اوزاعیؒ اور ابن جریر طبریؒ کے نزدیک مس المرأۃ ناقض وضوء نہیں ہے چاہے اجنبیہ ہو یا غیر اجنبیہ مشتہاۃ ہو یا غیر مشتہاۃ۔

(۲) حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر مس المرأۃ بشہوۃ ہو تو پھر ناقض وضوء ہے ورنہ نہیں۔

(۳) امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اجنبیہ غیر محرم عورت کو چھونا ناقض وضوء ہے چاہے بشہوۃ ہو یا بغیر شہوۃ، چاہے مشتہاۃ ہو یا غیر مشتہاۃ۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ اور عبداللہ بن مسعود ؓ کا بھی یہی مذہب ہے۔

مسلک اول کی دلیل: (۱) ایک تو یہ حدیث ہے جس میں ہے "کان النبی ﷺ یقبل بعض ازواجه ثم یصلی ولا یتوضأ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ)

(۲) حضرت عائشہؓ کی روایت ہے "بئسما عدلتمونی بالکلب والحمار لقد رأیتنی و رسول اللہ ﷺ یصلی

"واذا مضطجعة بينه وبين القبلة فاذا اراد ان يسجد غمزني فقبضت رجلي" (رواه البخاري)

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل: حضرت امام شافعیؒ نے اپنے استدلال میں یہ آیت پیش کی ہے "او جاء احد منكم من الغائط او لامستم النساء فلم تجدوا ماء" طریقہ استدلال یہ ہے کہ "لامستم" جماع اور ہاتھ لگانے دونوں کے معنی میں آتا ہے "لمس" ہاتھ لگانے کو کہتے ہیں لہٰذا دوسری قرأت کی بناء پر اس سے ہاتھ لگانا مراد ہے اس لئے ہم نے عورت کو ہاتھ لگانے سے وضو واجب قرار دیا ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ آیت سے لمس بالید مراد نہیں بلکہ جماع مراد ہے اس کی چند وجوہ ہیں۔

(۱) رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے لمس کی تفسیر "جماع" کے ساتھ کی ہے۔

(۲) جب ملامست کی نسبت عورتوں کی طرف ہوتی ہے تو اس سے جماع مراد ہوتا ہے کیونکہ ملامست باب مفاعلہ ہے اور باب مفاعلہ میں اشتراک ہوتا ہے اور فعل جانبین سے ہوتا ہے اور یہاں اشتراک اس صورت میں ہوگا کہ "لامستم" کو جماع کے معنی میں لیا جائے اور جس قرأت میں "لمستم" مجرد آیا ہے وہ بھی جماع کے معنی میں ہے تاکہ یہ "لامستم" کیلئے تائید ہو جائے اگرچہ لمس کے معنی حقیقی ہاتھ لگانا ہے لیکن یہاں پر معنی حقیقی یعنی ہاتھ لگانا مراد نہیں بلکہ جماع مراد ہے تاکہ قرأت اولیٰ کی تائید حاصل ہو جائے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ یہاں پر تیمم کا ذکر موجود ہے کہ حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں کیلئے تیمم جائز ہے لیکن اگر "لمس" سے "لمس بالید" مراد لیا جائے تو پھر یہ آیت حدث اصغر کے تیمم کو شامل ہوگی لیکن حدث اکبر کے تیمم کو شامل نہ ہوگی اور اگر "لمس" سے جماع مراد لیا جائے تو پھر یہ آیت حدث اصغر اور حدث اکبر دونوں کے تیمم کو شامل ہوگی لہٰذا آیت ایسے معنی پر محمول کرنا جو بہت سارے مسائل کو شامل ہو اولیٰ ہے۔

حضرت عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت کا جواب یہ ہے کہ وہ مرجوح ہے یا منسوخ ہے اور روایت باب صحیح ہے اور اس کیلئے ناسخ ہے۔

نیز حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں "ليس في القبلة الوضوء"۔

عن عائشة قالت كان النبي ﷺ يقبل بعض ازواجه ثم يصلي ولا يتوضأ رواه ابوداود والترمذي والنسائي وابن ماجة وقال الترمذي لا يصح عند اصحابنا بحال اسناد عروة عن عائشة وايضا اسناد ابراهيم التيمي عنها وقال ابو داود هذا مرسل وابراهيم التيمي لم يسمع من عائشة

ترجمہ : اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ اپنی بعض بیویوں کا بوسہ لیتے تھے اور بغیر وضو کئے (پہلے ہی وضو سے) نماز پڑھ لیتے تھے۔ الخ

تفہیم الحدیث - یہاں پر صاحب مشکوۃ نے تین اعتراض ذکر کیے ہیں۔

اعتراض (۱) قال الترمذی لایصح عند اصحابنا بحال اسناد عروۃ عن عائشۃ" یعنی عروہ کا سماع حضرت عائشہؓ سے ثابت نہیں لیکن صاحب مشکوۃ کا یہ اعتراض بالکل بے اصل اور بے بنیاد ہے اور اس اعتراض میں صاحب مشکوۃ سے تسامح ہوا ہے کیونکہ امام ترمذی، امام بخاری اور امام مسلمؒ اسی طرح اسماء الرجال والوں نے سند متصل کے ساتھ حضرت عروہ کا سماع حضرت عائشہؓ سے ثابت کیا ہے۔

ہاں امام ترمذیؒ کا اصل اعتراض یہ ہے کہ حبیب بن ابی ثابت کا سماع عروہ سے ثابت نہیں امام ترمذیؒ کی اصل عبارت یہ ہے "ترک اصحابنا حدیث عائشۃؓ فی ھذا لانہ لایصح عندھم الاسناد بحال قال یحیی البخاریؒ حبیب بن ابی ثابت لم یسمع من عروۃ (مرقاۃ)۔

جواب یہ روایت ثقہ تابعی کی ہے اور ثقہ تابعی کی منقطع روایت حدیث مرسل کے حکم میں ہوتی ہے اور حدیث مرسل احناف، مالکیہ اور جمہور محدثین کے نزدیک مقبول ہوتی ہے بشرطیکہ مرسل ثقہ ہو، حبیب بن ابی ثابت ثقہ ہے اور عروہ کا سماع حضرت عائشہؓ سے ثابت ہے کیونکہ وہ حضرت عائشہؓ کے شاگرد اور بھانجے تھے تابعی کی مرسل شوافع کے نزدیک بھی مقبول ہے بشرطیکہ اس کے توابع موجود ہوں۔

اعتراض (۲) صاحب مشکوۃ نے دوسرا اعتراض یہ کیا ہے "وایضا اسناد ابراھیم التیمی عنھا وقال ابوداود ھذا مرسل وابراھیم التیمی لم یسمع من عائشۃؓ"۔

جواب: یہ بھی ثقہ تابعی کی منقطع روایت ہے اور ثقہ تابعی کی منقطع روایت حدیث مرسل کے حکم میں ہوتی ہے اور مقبول ہوتی ہے۔

جواب (۲) امام دارقطنیؒ نے فرمایا ہے "ابراھیم التیمی عن ابیہ یزید عن عائشۃؓ" یہاں پر متصل سند موجود ہے اور دوسرے حضرات نے اختصار سے کام لیا ہے لیکن یہ اختصار مفید نہیں اور اختصار کی وجہ سے راوی پر اعتماد ہے۔

عن عمر بن عبدالعزیز عن تمیم الداری قال قال رسول اللہ ﷺ الوضوء من کل دم سائل رواھما الدارقطنی وقال عمر بن عبدالعزیز لم یسمع من تمیم الداری ولا راٰہ ویزید بن خالد ویزید بن محمد مجھولان۔

ترجمہ . حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تمیم داری ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہر بہنے والے خون سے وضو لازم آتا ہے۔ ان دونوں روایتوں کو دارقطنی نے نقل کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے نہ تو تمیم داری

مجاہد سے سنا ہے اور نہ ہی انہیں دیکھا ہے نیز اس روایت کے دو راوی حجاج بن خالد اور یزید بن محمد مجہول ہیں ۔

تشریح الحدیث . الوضوء من کل دم سائل : اس مسئلہ میں فقہا کا اختلاف ہے کہ خون نکلنے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ خروج نجاست سے وضو ٹوٹتا ہے چاہے سبیلین سے ہو یا غیر سبیلین سے امام شافعیؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ خروج نجاست غیر سبیلین سے مطلقاً ناقض وضو نہیں ہے ہاں خروج نجاست اگر سبیلین سے ہو تو پھر ناقض وضو ہے۔

البتہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے مسلک میں یہ فرق ہے کہ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ اگر خروج نجاست علی وجہ المعتاد ہو تو پھر ناقض وضو ہے اور اگر علی وجہ المعتاد نہ ہو تو پھر ناقض وضو نہیں جبکہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ چاہے علی وجہ المعتاد ہو یا علی وجہ غیر المعتاد ہو دونوں صورتوں میں ناقض وضو نہیں۔

احناف کے دلائل: (۱) حدیث باب احناف کی دلیل۔

(۲) حضرت عائشہؓ کی مرفوع روایت ہے "من اصابه قيء او رعاف او قلس او مذي فلينصرف وليتوضأ ثم ليبن على صلوته" (ابن ماجہ)۔

(۳) فاطمہ بنت ابی حبیشؓ کی روایت وہ فرماتی ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے پوچھا "اني امرأة استحاض فلا اطهر افادع الصلوة قال لا انما ذلك عرق وليس بحيض فتوضئي لكل صلوة" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو ٹوٹنے کی علت رگ کا کٹ جانا ہے محض خروج من السبیلین نہیں لہذا جہاں بھی رگ ہو اور اس سے خون خارج ہو جائے تو وضو ٹوٹ جائے گا

امام مالک اور امام شافعی کی دلیل: ان حضرات نے اس مشہور واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ غزوہ ذات الرقاع کیلئے جا رہے تھے راستے میں رات کو قیام کرنا پڑا چنانچہ آپ ﷺ اور باقی صحابہ کرامؓ آرام کرنے لگے اور پہرہ پر دو صحابہ کرام ایک مہاجر اور ایک انصاری کو مقرر کیا چنانچہ ان دونوں نے بھی آپس میں باری مقرر کر دی کہ آدھی رات تک ایک پہرہ دے گا اور دوسرا سوئے گا اور آدھی رات کے بعد دوسرا چنانچہ پہلی باری انصاری صحابی کی تھی اور مہاجر سو گیا چنانچہ انصاری صحابی اپنے پہرے کے دوران نماز پڑھنے لگے اتنے میں ایک کافر نے دور سے تین تیر پھینکے جو انصاری کے جسم میں پیوست ہو گئے اور اس سے خون بہنے لگا لیکن وہ مسلسل نماز پڑھتا رہا پھر اس خیال سے کہ کہیں میں مر جاؤں تو دوسرے صحابی کو خبر نہ ہوگی تو مسلمانوں کا نقصان ہو جائے گا تو اس نے سلام پھیر دیا اور مہاجر کو بیدار کیا مہاجر نے کہا کہ آپؓ نے مجھے پہلے کیوں بیدار نہ کیا؟ انصاری نے عرض کیا کہ میں نے سورت کہف شروع کی تھی میرا دل نہیں چاہتا تھا کہ اس کو ختم کئے بغیر چھوڑ دوں۔

بہر حال طریقہ استدلال ان حضرات کا یہ ہے کہ تین تیر لگنے سے کتنا خون بہا ہوگا لیکن اس کے باوجود نماز پڑھ رہے تھے لہذا معلوم

ہوا کہ خون کا نکلنا (یعنی خروج نجاست من غیر السبیلین) ناقض وضو نہیں ہے۔

جواب: جواب سے پہلے یہ تمہید سمجھ لینا ضروری ہے کہ یہ واقعہ ایک جزئیہ ہے اور جب بھی کوئی جزئیہ قاعدہ کلیہ کے مخالف آتا ہے تو اگر اس میں تاویل ممکن ہو تو تاویل کی جائے گی اور کلیات کو اپنے حال پر برقرار رکھا جائے گا

لہذا جواب یہ ہے کہ جب صحابی کے بدن سے خون نکلا تو ضرور وہ خون اس کے کپڑے وغیرہ کو بھی لگا ہوگا اور اس سے کپڑے نجس ہوئے ہوں گے اور مسئلہ اتفاقی ہے کہ خون نجس ہے جب کپڑے پر لگ جائے تو اس کا دھونا واجب ہے اور نجس کپڑے کے ساتھ نماز نہیں ہوتی لہذا امام شافعی کی طرف سے یہ کہنا مناسب ہوگا کہ اس کی نماز نہیں ہوئی کیونکہ کپڑے نجس ہے لہذا امام شافعی اس کا جو جواب دیں گے وہی ہمارا بھی جواب ہوگا۔ اور اگر یہ کہا جائے کہ اس کے بدن سے خون فوارہ کی طرح نکلا ہوگا جو اس کے کپڑے اور بدن کے ساتھ نہیں لگا ہوگا تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بعید از قیاس ہے اس کے ثبوت کیلئے مستقل دلیل کی ضرورت ہے۔

جواب (۲) یہ صحابی مغلوب الحال تھے نماز اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ مناجات کی وجہ سے خون کی طرف بالکل توجہ ہی نہ ہوئی۔

جواب (۳) یہ صحابی کا فعل ہے ہو سکتا ہے کہ ابھی تک اس کو خون کے نکلنے سے وضو ٹوٹنے کا مسئلہ معلوم نہ ہو اس وجہ سے تو آپ ﷺ نے فرمایا "الوضوء من کل دم سائل" اور یہ جواب راجح ہے۔

وقال عمر بن عبد العزیز: یہاں سے صاحب مشکوٰۃ نے احناف کے مذہب پر دو اعتراض کئے ہیں۔

اعتراض (۱) عمر بن عبد العزیزؒ کی حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں لہذا حدیث منقطع ہوئی اور حدیث منقطع حجت نہیں ہوتی؟

جواب: اس اعتراض کے دو جواب دئے گئے ہیں پہلا جواب یہ ہے کہ جب راوی ثقہ تابعی ہو اور صحت کے اعتماد کی بناء پر اس نے حذف کیا ہو تو اس کی یہ منقطع حدیث مرسل کے حکم میں ہوتی ہے اور حدیث مرسل حجت ہے۔

جواب (۲) ابن عدی کے کامل میں یہ روایت زید بن ثابت کے طریق سے مروی ہے اس میں انقطاع نہیں ہے۔

اعتراض (۲) عمر ثانی (یعنی عمر بن عبد العزیزؒ) یزید بن محمد کے شاگرد ہیں اور یزید بن محمد، یزید بن خالد کے شاگرد ہیں اور یہ دونوں مجہول ہیں اور مجہول لوگوں کی روایت قابل استدلال نہیں ہوتی؟

جواب (۱) یہ دونوں اگر چہ مجہول ہیں لیکن مجہول کامل نہیں بلکہ مجہول مختلف فیہ ہیں اور مجہول مختلف فیہ راویوں کی روایت معتبر ہوتی ہے۔

جواب (۲) مجہول دو قسم پر ہیں (۱) مجہول بالذات: مجہول بالذات اس کو کہتے ہیں جس کے شاگرد معلوم نہ ہوں۔

(۲) مجہول بالوصف: مجہول بالوصف یہ ہے کہ اس کے حالات معلوم نہ ہوں یہاں پر یہ دونوں راوی مجہول بالذات نہیں بلکہ مجہول

باوصف ہیں اور مجہول بالوصف کی روایت قبول ہوتی ہے

جواب (۳) کامل ابن عدی کی روایت صحیح اور متصل ہے۔

جواب (۴) احناف کے مذہب کی بنیاد فاطمہ بنت ابی حبیش کی روایت ہے جو بخاری نے نقل کی ہے اور یہ دارقطنی کی روایت محض اس کیلئے تائید ہے۔

(۵) تعدد سند کی بناء پر ضعیف حدیث بھی حسن لغیرہ کے درجے میں ہو جاتی ہے اور حسن لغیرہ مقبول ہوتی ہے۔

باب آداب الخلاء

الفصل الاول: عن ابی ایوب الانصاری قال قال رسول اللہ ﷺ اذا اتیتم الغائط فلا تستقبلوا القبلۃ ولا تستدبروھا ولکن شرقوا او غربوا قال الشیخ الامام محیی السنۃ رحمہ اللہ ھذا الحدیث فی الصحراء اما فی البنیان فلا بأس لما روی عن عبد اللہ بن عمر قال ارتقیت فوق بیت حفصۃ لبعض حاجتی فرأیت رسول اللہ ﷺ یقضی حاجتہ مستدبر القبلۃ مستقبل الشام۔

ترجمہ: حضرت ابو ایوب انصاری ؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم بیت الخلاء جاؤ تو قبلہ کی طرف منہ نہ کرو بلکہ مشرق اور مغرب کی طرف منہ اور پشت رکھو (بخاری و مسلم) حضرت امام محی السنۃ فرماتے ہیں کہ یہ جنگل کا حکم ہے آبادی میں ایسا کرنے کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنی ضرورت سے حضرت حفصہ ؓ کے مکان پر چڑھا تو میں نے آنحضرت ﷺ کو (بیت الخلاء میں) قضاء حاجت کرتے دیکھا آپ ﷺ قبلہ کی طرف پشت اور شام کی طرف منہ کئے ہوئے تھے۔

استقبال اور استدبار قبلہ کا بیان: پیشاب اور پاخانہ کے وقت قبلہ کے استقبال اور استدبار کے بارے میں پانچ مذاہب ہیں۔

(۱) اہل ظواہر کے نزدیک استقبال اور استدبار مطلقاً جائز ہے چاہے صحراء میں ہو یا بنیان (آبادی) میں۔

(۲) امام مالک اور امام شافعیؒ کے نزدیک صحراء میں استقبال اور استدبار نا جائز ہے اور بنیان (آبادی) میں جائز ہے۔

(۳) امام احمدؒ کے نزدیک استقبال مطلقاً ممنوع ہے اور استدبار مطلقاً جائز ہے۔

(۴) امام ابو یوسفؒ کے نزدیک استقبال مطلقاً ممنوع ہے چاہے صحراء میں ہو یا آبادی میں اور استدبار میں تفصیل ہے وہ یہ کہ صحراء میں استدبار ممنوع ہے اور آبادی میں جائز ہے۔

(۵) امام ابو حنیفہؒ امام محمدؒ اور جمہور تابعین کے نزدیک استقبال اور استدبار مطلقاً مکروہ تحریمی ہے چاہے صحراء میں ہو یا آبادی میں۔

وجوہ ترجیح: (۱) گھر استقبال اور استدبار کی صحت نجاست ہے تو انبیاء علیہم السلام کی فضلات باتفاق پاک ہیں ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ آپ ﷺ قضائے حاجت کیلئے داخل ہوئے جب نکلے تو میں اندر داخل ہوئی میں نے سوائے خوشبو کے کچھ بھی نہیں دیکھا تو آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی پیدائش جنتیوں کی طرح ہوئی ہے اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا ہے کہ انبیاء کرام کی فضلات جذب کرلے۔

(۲) نہی کی احادیث تحریم پر دلالت کرتی ہیں اور اثبات کی احادیث جواز پر دلالت کرتی ہیں اور جب مبیح اور محرم کے درمیان تعارض آجائے تو بنابر قاعدہ مبیح محرم کو ترجیح دی جاتی ہے۔

(۳) احادیث قولیہ قاعدہ کلیہ ہوتی ہیں اور حدیث فعلی میں خصوصیت کا احتمال ہوتا ہے۔

وَعَنْ سَلْمَانَ قَالَ نَهَانَا يَعْنِي رَسُولَ اللَّهِ ﷺ أَنْ نَسْتَقْبِلَ الْقِبْلَةَ بِغَائِطٍ أَوْ بَوْلٍ أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِالْيَمِينِ أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِأَقَلَّ مِنْ ثَلَاثَةِ أَحْجَارٍ أَوْ أَنْ نَسْتَنْجِيَ بِرَجِيعٍ أَوْ بِعَظْمٍ (رواہ مسلم)

ترجمہ: اور حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سرکار دو عالم ﷺ نے ہمیں منع کیا ہے اس سے کہ ہم پاخانہ یا پیشاب کے وقت قبلہ کی طرف منہ کریں اور اس سے کہ ہم داہنے ہاتھ سے استنجاء کریں اور اس سے کہ ہم تین ڈھیلوں سے کم سے استنجاء کریں اور اس سے کہ ہم گوبر یا ہڈی سے استنجاء کریں۔

تشریح الحدیث: او نستنجي باليمين: استنجاء ماخوذ ہے "نجو" سے "نجو" کے معنی ہیں "ما خرج من البطن" کو پاک کرنا اس میں "س" اور "ت" تاکید طلب کیلئے زیادہ ہوئے ہیں تو معنی یہ ہوئے کہ "ما خرج من البطن" کی گندگی پاکی کی طلب کرنا۔ آپ ﷺ نے داہنے ہاتھ سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے اور یہ نہی تحریم پر محمول ہے جبکہ تحت ضرورت نہ ہو تو داہنے ہاتھ سے استنجاء نہ کرنا چاہئے کیونکہ داہنا ہاتھ اللہ تعالیٰ نے امور محترمہ کیلئے پیدا کیا ہے اور بایاں ہاتھ اللہ تعالیٰ نے امور مہانات (غیر محترم) کیلئے پیدا کیا ہے۔

او ان نستنجي باقل من ثلاثة احجار: تین پتھر سے کم پر استنجاء کرنے میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ تنقیہ (صفائی حاصل کرنا) واجب ہے ایتار (طاق) اور تثلیث (تین پتھر کا استعمال) مستحب ہے کیونکہ مقصود تنقیہ ہے جب ایک پتھر سے تنقیہ حاصل ہوگیا تو دو پتھر اور ملا دے تاکہ ایتار اور تثلیث یعنی استحباب پر عمل ہوجائے۔ اور دو پتھروں سے تنقیہ حاصل ہوگیا تو ایک اور ملا دے تاکہ تثلیث اور استحباب پر عمل ہوجائے۔ لہذا مقصود اور لفظ دونوں پر عمل ہوجائے گا۔
اور تین سے بھی تنقیہ حاصل نہ ہو تو چوتھا پتھر ملا دے تاکہ تنقیہ حاصل ہوجائے اور ایک اور بھی ملا دے تاکہ ایتار پر عمل ہوجائے۔
(۲) امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ تنقیہ ایتار اور تثلیث تینوں واجب ہیں۔ اور حدیث باب ان کی دلیل ہے۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ غالباً تین پتھروں سے تنقیہ حاصل ہو جاتی ہے اس لئے آپ ﷺ نے تین کا عدد ذکر فرمایا۔

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ ثلاثہ اعداد پر پورا عمل آپ کے نزدیک بھی نہیں ہوتا کیونکہ جب تین پتھر ہوں تو دو موضع غائط (پاخانہ) اور ایک موضع بول (پیشاب) کیلئے ہو گیا تو تین پر بھی عمل نہ ہوا۔ علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے فرمایا ہے کہ تین پتھر موضع غائط کیلئے ہیں اور موضع بول (ذکر) زمین سے رگڑے۔

احناف کی دلیل: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث ہے کہ لیلۃ الجن کا واقعہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں آپ ﷺ کے ساتھ نکلا آپ ﷺ جنات کو تبلیغ کر رہے تھے آپ ﷺ نے پیشاب کی حاجت پوری کرنے کیلئے مجھ سے تین پتھر مانگے تو میں نے دو پتھر اور ایک گوبر دیدیا چنانچہ آپ ﷺ نے دونوں پتھر لے لئے اور گوبر کو پھینک دیا اور کہا کہ یہ گندگی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ ثلاثہ کا عدد واجب نہیں۔

(۳) حضرت عائشہؓ کی روایت "قالت قال رسول اللہ ﷺ اذا ذهب احدكم الى الغائط فليذهب معه بثلثة احجار يستطيب بهن فانها تجزئ عنه" (مشکوٰۃ ص ۴۲) لہٰذا غالب عادت یہ ہے کہ تین پر اکتفاء ہو جاتا ہے لیکن اگر تین سے مقصد پورا نہ ہو تو پھر تین سے زیادہ بھی استعمال کر سکتا ہے۔

ونہی عن الرجیع والعظم: نبی کریم ﷺ نے ہمیں گوبر اور ہڈی سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے کیونکہ اس میں تین قسم کے حقوق ضائع ہوتے ہیں (۱) حق النفس (۲) حق الاخوان (۳) حق اللہ۔

حق النفس اس طرح ضائع ہوتا ہے کہ گوبر یا خشک ہوگا یا تر اگر خشک ہے تو اس میں بدن کے زخمی ہونے کا خطرہ ہے اور اگر تر ہے تو اس سے پاکی حاصل نہیں ہوتی بلکہ آلودگی میں اور بھی اضافہ ہوتا ہے۔

اور حق الاخوان اس طرح ضائع ہوتا ہے کہ لیلۃ الجن میں جنات نے آپ ﷺ سے عرض کیا تھا کہ آپ مسلمانوں سے کہیں کہ وہ گوبر اور ہڈی سے استنجاء نہ کریں کیونکہ گوبر ہمارے حیوانات کی غذا ہے اور ہڈی ہماری غذا ہے تو گوبر اور ہڈی سے استنجاء کرنا درحقیقت ان کی غذا کو خبیث کرنا ہے۔

اور حق اللہ اس طرح ضائع ہوتا ہے کہ حکم کی تعمیل نہیں ہوتی اور حکم کی تعمیل نہ کرنا اللہ تعالیٰ کے حق کو ضائع کرنے کے مترادف ہے۔

اسی طرح ہڈی کے ذریعہ استنجاء کرنے میں بھی تین قسم کے حقوق پامال کرنا لازم آتا ہے۔

حق العبد۔ کیونکہ اگر ہڈی خشک ہو تو اس سے زخمی ہونے کا خطرہ اور اگر ہڈی تر ہو تو چکنی ہوتی ہے اس سے پاکی حاصل نہیں ہوتی۔

حق اللہ اس طرح ضائع ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل نہیں ہوتی تو یہ بھی درحقیقت اللہ تعالیٰ کے حق کو ضائع کرنا ہے۔

حق الاخوان اس طرح ضائع ہوتا ہے کہ یہ جنات کی خوراک ہے اب اگر اس سے استنجاء کیا جائے تو جنات کی خوراک اور غذا گندی ہو جائے گی تو حق الاخوان ضائع ہو گیا۔

اب یہ کہ یہ جنات کی خوراک کس طرح ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یا تو جنات اس کی بو سونگھ کر سیر ہو جاتے ہیں کیونکہ جنات ناری مخلوق ہیں تو بو سونگھنے سے سیر ہو سکتی ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہڈی کے اوپر جنات کیلئے گوشت لاتا ہے (واللہ اعلم بالصواب)۔

وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ اِذَا دَخَلَ الْخَلَاءَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ (متفق علیہ)

ترجمہ : اور حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ جب پاخانہ میں داخل ہوتے (یعنی داخل ہونے کا ارادہ کرتے) تو یہ دعا پڑھتے اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں ناپاک جنوں اور جنیوں (یعنی نر و مادہ دونوں سے)۔

تشریح الحدیث : اذا دخل الخلاء" کے معنی ہیں اذا اراد دخول الخلاء کیونکہ اس بات پر تمام ائمہ کا اتفاق ہے کہ بیت الخلاء میں ذکر لسانی جائز نہیں ہے۔

خبث : خبیث کی جمع ہے مذکر شیاطین کو کہا جاتا ہے اور "خبائث" خبیثۃ کی جمع ہے مونث شیاطین کو کہا جاتا ہے شیاطین کا میلان طبعی طور پر گندی جگہوں کی طرف ہوتا ہے اور وہ جگہیں ان کو پسند بھی ہوتی ہیں لہذا جب یہ دعا پڑھی جاتی ہے تو آدمی شیاطین کی اذیت سے محفوظ رہتا ہے جیسا ایک دوسری روایت میں ہے کہ بیت الخلاء میں جاتے وقت جب کوئی یہ دعا نہ پڑھے تو شیاطین اس کے مقعد کے ساتھ کھیلتے رہتے ہیں۔ اور بیت الخلاء سے نکلنے کے بعد یہ دعا پڑھنی چاہئے "غفرانک الحمد لله الذی اذھب عنی الاذی وعافانی"۔

وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ ﷺ بِقَبْرَیْنِ فَقَالَ اِنَّھُمَا لَیُعَذَّبَانِ وَمَا یُعَذَّبَانِ فِیْ کَبِیْرٍ اَمَّا اَحَدُھُمَا فَکَانَ لَا یَسْتَتِرُ مِنَ الْبَوْلِ وَفِیْ رِوَایَۃٍ لِمُسْلِمٍ لَا یَسْتَنْزِہُ مِنَ الْبَوْلِ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَکَانَ یَمْشِیْ بِالنَّمِیْمَۃِ ثُمَّ اَخَذَ جَرِیْدَۃً رَطْبَۃً فَشَقَّھَا بِنِصْفَیْنِ ثُمَّ غَرَزَ فِیْ کُلِّ قَبْرٍ وَاحِدَۃً قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لِمَ صَنَعْتَ ھٰذَا فَقَالَ لَعَلَّہٗ اَنْ یُّخَفَّفَ عَنْھُمَا مَا لَمْ یَیْبَسَا

(متفق علیہ)

ترجمہ : اور حضرت ابن عباس ؓ راوی ہیں کہ ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو آپ ﷺ نے (انہیں دیکھ کر) فرمایا کہ ان دونوں قبروں والوں پر عذاب نازل ہو رہا ہے اور عذاب بھی کسی بڑی چیز کے سبب پر نہیں نازل ہو رہا ہے (کہ جس سے بچنا مشکل ہو) ان میں سے ایک تو پیشاب سے نہیں بچتا تھا۔ مسلم کی ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ پیشاب سے احتیاط نہیں کرتا تھا اور دوسرا چغلی خور تھا پھر آپ ﷺ نے کھجور کی ایک ہری شاخ لی اور اس کو بیچ سے آدھوں آدھ چیرا انہیں ایک ایک کرکے

وعن عائشة قالت كان النبي ﷺ اذا خرج من الخلاء قال غفرانك (رواه الترمذي وابن ماجة والدارمي)

ترجمہ اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ جب پاخانہ سے باہر تشریف لاتے تو فرماتے غفرانک یعنی اے اللہ میں تیری بخشش کا خواستگار ہوں۔

تشریح الحدیث: غفرانک: غفرانک منصوب ہے یا تو مفعول بہ فعل مقدر کیلئے "ای اطلب غفرانک یا اسئل غفرانک" یا مفعول مطلق ہے فعل محذوف کیلئے "ای اغفر غفرانک" کیونکہ یہ قاعدہ ہے جب مصدر مفعول کی طرف مضاف ہو جائے مفعول فاعل ہو یا مفعول تو اس صورت میں فعل کا حذف کرنا واجب ہوتا ہے۔
یہاں پر ایک اشکال ہے اور وہ اشکال دو شقوں پر مشتمل ہے (1) پہلی شق یہ ہے کہ آپ ﷺ معصوم ہیں گناہ سے پاک ہے تو آپ ﷺ کیسے مغفرت کی درخواست کرتے ہیں؟
جواب۔ آپ نے امت کی تعلیم کے واسطے ایسا کیا ہے کہ تا کہ امت استغفار سیکھ لے۔
(۲) سوال کی دوسری شق یہ ہے کہ خلاء میں جانا کوئی گناہ تو نہیں تو پھر آپ ﷺ نے طلب مغفرت کیوں کی؟

جواب: بیت الخلاء میں داخل ہونے کی وجہ سے آپ ﷺ سے ذکر لسانی فوت ہو گیا تھا اس کوتاہی کی تلافی کیلئے آپ ﷺ نے "غفرانک" فرمایا۔

جواب (۲) خلاء سے استراحت حاصل ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے شکر ادا کرنے میں کوتاہی ہو جاتی ہے اس لئے آپ ﷺ نے "غفرانک" فرمایا۔
جواب (۳) بیت الخلاء میں شیاطین کے ساتھ اختلاط ہوتا ہے اور ذکر لسانی فوت ہوتا ہے تو شیطان کے اثر دور کرنے کیلئے "غفرانک" فرمایا۔

وعن عمر قال رآني النبي ﷺ وانا ابول قائما فقال يا عمر لا تبل قائما فما بلت قائما بعد. رواه الترمذي وابن ماجة قال الشيخ الامام محيي السنة رحمه الله قد صح عن حذيفة قال اتى النبي ﷺ سباطة قوم فبال قائما قيل عليه وقيل كان ذلك من عذر

ترجمہ اور حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے (ایک روز) مجھے کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ عمر کھڑے ہو کر پیشاب نہ کیا کرو چنانچہ اس کے بعد میں نے کبھی کھڑے ہو کر پیشاب نہیں کیا۔ امام محی السنۃ فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہؓ سے منقول ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ ایک قوم کی کوڑی پر گئے اور وہاں کھڑے ہو کر پیشاب کیا کہا جاتا ہے کہ

آپ ﷺ کا یہ فعل (کھڑے ہو کر پیشاب کرنا) کسی عذر کی بناء پر تھا۔

مذاہب الحدیث: کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کے بارے میں مجتہدین کا اختلاف ہے۔

چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر عذر کی بناء پر کھڑے ہو کر پیشاب کرے تو جائز ہے لیکن اگر عذر نہ ہو تو پھر مکروہ ہے بعض کے نزدیک مکروہ تحریمی ہے اور بعض کے نزدیک مکروہ تنزیہی۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا مباح ہے کیونکہ آپ ﷺ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے۔

علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ آپ ﷺ کے گھٹنوں میں درد تھا اس کی وجہ سے آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا ہے۔

امام شافعیؒ نے فرمایا ہے کہ آپ ﷺ کی پچھلی کمر میں درد تھا اور عرب کے ہاں مشہور تھا کہ کمر کے درد کیلئے کھڑے ہو کر پیشاب کرنا یہ اس کا علاج ہے۔

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ وہ جگہ بیٹھنے کے لائق نہ تھی یعنی جگہ گندہ تھی۔

بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ آپ ﷺ نے محض بیان جواز کیلئے کیا تھا تاکہ امت کے معذورین کیلئے بھی جواز ثابت ہو جائے۔

الفصل الثالث: عن عائشۃؓ قالت من حدثکم ان النبی ﷺ کان یبول قائما فلا تصدقوہ ما کان یبول الا قاعدا۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے منقول ہے وہ فرماتی ہے کہ کسی نے تم کو خبر دی کہ نبی پاک ﷺ نے کھڑے ہو کر پیشاب کیا تو اس کی تصدیق مت کرو نبی پاک ﷺ نے بیٹھ کر پیشاب کیا ہے۔

تشریح الحدیث: حضرت عائشہؓ کی روایت ماقبل روایت کے ساتھ معارض ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت ان کے علم پر محمول ہے کیونکہ گھر سے باہر آپ ﷺ کے حالات پر ان کو علم حاصل نہ تھا۔

یا حضرت عائشہؓ کی روایت اکثر عادات پر محمول ہے۔

یا یہ کہ حضرت عائشہؓ کی روایت محمول ہے عدم عذر پر۔

جواب: یہاں پر مضاف محذوف ہے یعنی "لولا ان اشق علی امتی لامرتہم بتاخیر العشاء وبالسواک عند کل صلوۃ بالامر وجوب" یعنی آپ ﷺ نے امت پر مشقت کے خوف کی وجہ سے وجوب کا امر (حکم) نہیں کیا ہے البتہ استحباب کا حکم بھی موجود ہے۔

عند کل صلوۃ: امام شافعی کے نزدیک مسواک وضوء کے وقت بھی سنت ہے اور نماز کے قیام کے وقت بھی سنت ہے احناف کے نزدیک مسواک سنت وضوء ہے سنت صلوۃ نہیں یعنی نماز کیلئے کھڑے ہونے کے وقت مسواک سنت نہیں کیونکہ مسند احمد اور معجم طبرانی میں "عند کل وضوء" کے الفاظ آئے ہیں لہذا یہی روایت یعنی "عند کل وضوء" دوسری روایت یعنی "عند کل صلوۃ" کیلئے تفسیر ہوگی لہذا مسواک سنت وضوء ہے سنت صلوۃ نہیں۔
البتہ نماز کیلئے کھڑے ہونے کے وقت مسواک مستحب ہے بشرطیکہ خون نکلنے کا خطرہ نہ ہو۔

باب سنن الوضوء

سنن سنة کی جمع ہے طریقے کو کہا جاتا ہے چاہے اچھا طریقہ ہو یا برا۔ کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے "من سن سنة حسنة فله اجرها واجر من عمل بها ومن سن سنة سيئة فله وزرها ووزر من عمل بها" (ترمذی ج ۲ ص ۱۵۵۳ ابن ماجہ ص ۱۸) -

اور اصطلاح شریعت میں سنت اس فعل کو کہتے ہیں جس پر آپ ﷺ نے مواظبت کی ہو اور ایک مرتبہ یا دو مرتبہ ترک بھی کیا ہو۔

جبکہ اہل اصول کے نزدیک سنت "الطريقة المسلوكة في الدين" کو کہتے ہیں البتہ اس تعریف کی بناء پر سنت کا لفظ فرائض، واجبات اور سنت سب کو شامل ہے۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ اذا استيقظ احدكم من نومه فلا يغمس يده في الاناء حتى يغسلها ثلاثا فانه لا يدري اين باتت يده (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص نیند سے بیدار ہو جائے تو پانی کے برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک تین مرتبہ نہ دھوئے کیونکہ پتہ نہیں چلتا کہ ہاتھ نے کہاں رات گزاری ہے

اس فصل میں چند مسائل قابل ذکر ہیں۔

(۱) غماس الید فی الاناء (۲) وضوء مرة او مرتین او ثلاث مرات۔ (۳) مضمضه واستنشاق من كف واحد۔ (۴) مسح علی العمامه (۵) غسل الرجلین۔

تفصیل: (۱) انغماس الید فی الاناء کی تفصیل:

اس میں دو مذہب ہیں (۱) جمہور ائمہ یعنی امام ابو حنیفہ امام شافعی اور امام مالک۔

(۲) امام احمد بن حنبل، داود ظاہری اور حسن بصری وغیرہ۔

مذہب اول والے حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث شریف میں جو قیودات آئی ہیں یہ سب اتفاقی ہیں احترازی نہیں۔ مثلاً اس میں ایک قید ہے جب کوئی شخص نیند سے بیدار ہو جائے تو یہ قید "اذا استيقظ احدكم" یعنی بیدار ہونا چاہے نیند سے ہو یا جنون اور نشے سے لہذا "نیند" کی قید اتفاقی ہے اصل مسئلہ بیدار ہونے کا ہے۔

دوسری قید "یده" ہے تو یہ قید بھی اتفاقی ہے چاہے ید (ہاتھ) ہو یا رجل (پاؤں)۔ تیسری قید "فی الاناء" ہے چاہے اناء ہو یا غیر اناء لیکن مقصود اس سے ماء قلیل ہے۔ امام شافعی نے اس کی تفصیل یہ بیان کی ہے کہ اس زمانہ میں لوگ پتھر سے استنجاء کیا کرتے تھے اور پتھر سے استنجاء کرنے کے نتیجہ میں مکمل طور پر صفائی حاصل نہیں ہوتی تھی اور زمانہ بھی گرمی کا ہوتا تھا اور گرمی کی وجہ سے بدن پر پسینہ آ جاتا تھا اور سوتے ہوئے آدمی کو پتہ نہیں چلتا کہ اس کا ہاتھ کہاں لگتا ہے تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "فانه لا يدري اين

(۳) المستحضة والاستنشاق من ثلثة اكف معصولا : یعنی ایک چلو سے مضمضہ کیا پھر دوسرے چلو سے مضمضہ کیا پھر تیسرے چلو سے اور اس کے بعد تین الگ الگ چلو سے استنشاق کیا امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے اس کو افضل قرار دیا ہے۔

مسح علی العمامہ کا بیان: جمہور علماء کے نزدیک مسح علی العمامہ جائز نہیں کیونکہ مسح علی العمامہ منقول نہیں اور مسح علی الراس منقول ہے لہذا مسح علی الراس جائز اور مسح علی العمامہ ناجائز۔

احناف اور امام مالکؒ کے نزدیک مسح علی العمامہ نہ مستقل طور پر جائز ہے اور نہ مسح علی الراس کی تکمیل کیلئے۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مسح علی العمامہ مستقل طور پر جائز تو نہیں البتہ مسح علی الراس کی تکمیل کیلئے جائز ہے۔

امام احمدؒ کے نزدیک مسح علی العمامہ مستقل طور پر بھی جائز ہے کیونکہ آپ ﷺ سے مسح علی العمامہ ثابت ہے۔

احناف فرماتے ہیں کہ جس روایت میں مسح علی العمامہ کا ذکر ہے وہ حقیقت مسح علی العمامہ نہیں ہے بلکہ آپ ﷺ نے سر مبارک پر مسح فرمانے کے بعد سر پر عمامہ درست کرنے کیلئے ہاتھ پھیرا تو راوی نے یہ سمجھا کہ آپ ﷺ مسح علی العمامہ فرما رہے ہیں۔

البتہ بعض حضرات نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اصل میں سر پر مسح واجب ہے لیکن عمامہ اتنا باریک ہو کہ اس سے پانی نیچے سر تک پہنچ سکتا ہو تو پھر مسح علی العمامہ جائز ہے یعنی عمامہ پر مسح کرنے سے سر پر مسح کرنے کی فرضیت ادا ہو جائے گی لیکن یہ عمامہ پر مسح شمار نہ ہوگا بلکہ سر پر مسح شمار ہوگا۔

غسل الرجلین کا بیان: اس کے بارے میں اختلاف ہے کہ رجلین مغسول ہیں یا ممسوح۔ چنانچہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک رجلین مغسول ہیں جبکہ موزے نہ ہوں

اور اہل تشیع کے نزدیک رجلین ممسوح ہیں اگرچہ موزے پہنے ہوئے نہ ہوں۔

روایت مذکور غسل کی دلیل ہے۔

کیونکہ اگر مسح جائز ہوتا تو آپ ﷺ صحابہ پر کیوں وعید فرماتے اس لئے کہ مسح میں تو سارے پاؤں کو پانی پہنچانا لازم نہیں ہے پس معلوم ہوا کہ موزے نہ ہونے کی صورت میں پاؤں کا وظیفہ غسل ہے مسح نہیں۔

اہل تشیع کی دلیل: یہ حضرات باری تعالیٰ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں "وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ" کہ "وارجلکم" مجرور ہے اور عطف ہے "رؤوسکم" پر لہذا جو حکم سر کا ہے وہ رجلین کا بھی ہوگا اور یہ تو معلوم ہے کہ سر کا وظیفہ مسح ہے تو رجلین کا وظیفہ بھی مسح ہوگا۔

جواب: جواب یہ ہے کہ "وَأَرْجُلَكُمْ" معطوف ہے "ایدیکم" پر نہ "رؤوسکم" پر اور اس پر قرب جواری وجہ سے ہے جیسا کہ باری تعالیٰ کے اس قول میں "وَلَهُمْ عَذَابٌ يَوْمٍ أَلِيمٍ" یہاں پر "الیم" پر جر "یوم" کے جواری وجہ سے آیا ہے ورنہ "

"نیز" عذاب کی صفت ہے دونوں مرفوع ہے۔

یا اس وجہ سے کہ عام طور پر لوگ پاؤں دھونے میں پانی زیادہ استعمال کرتے ہیں اور اس میں اسراف کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے اس کو اعضاء مغسولہ کے ساتھ ذکر کیا کہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اس میں پانی زیادہ خرچ نہ کرے۔

وعن ابی حیة رضی الله عنه قال رأیت علیا توضأ فغسل کفیه حتی انقاهما

تشریح الحدیث جمہور فقہاء کے نزدیک سر کا مسح ایک دفعہ سنت ہے جبکہ امام شافعیؒ کے نزدیک تین دفعہ مسح کرنا سنت ہے سر کے مطلق مسح کا فرض ہے جس جگہ بھی ہے اور ناصیہ پر مسح کرنے سے فرض بھی ادا ہو جاتا ہے اور سنت بھی اور استیعاب اور اس کی تحقیق پورے سر کا مسح کرنا سنت ہے فرض نہیں۔

وعن سعید بن زید رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ لا وضوء لمن لم یذکر اسم الله علیه (رواه الترمذی)

تشریح الحدیث: اس بات پر تو فقہاء کا اتفاق ہے کہ وضوء کے بغیر نماز نہیں ہوتی لیکن اختلاف اس میں ہے کہ بسم اللہ کے بغیر وضوء صحیح ہوتا ہے یا نہیں چنانچہ اس میں فقہاء کرام کے تین مذاہب ہیں۔

(۱) اہل ظواہر کے نزدیک بسم اللہ کے بغیر وضوء صحیح نہیں ہوتا چاہے بسم اللہ قصداً چھوڑی ہو یا بھول کر۔ ان حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے "لا وضوء لمن لم یذکر اسم الله علیه"

(۲) امام احمد بن حنبلؒ کا مذہب یہ ہے کہ عمداً بسم اللہ چھوڑنے کی صورت وضوء صحیح نہیں ہوتا اور سہواً (بھول کر) بسم اللہ چھوڑنے سے وضوء صحیح ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل ظواہر اور امام احمدؒ کے نزدیک وضوء میں تسمیہ فرض ہے فرق صرف عمد اور نسیان میں ہے۔

(۳) جمہور ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ) کے نزدیک وضوء میں تسمیہ فرض نہیں ہے بلکہ سنت مؤکدہ ہے۔

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ وضوء کے ارکان اربعہ کی فرضیت کتاب اللہ سے ثابت ہے اب اگر حدیث کی وجہ سے اس میں تسمیہ کی فرضیت کا اضافہ کیا جائے تو خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ میں زیادت لازم آئے گی اور خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادت جائز نہیں کیونکہ زیادت نسخ کے حکم میں ہے اور کتاب اللہ کا نسخ خبر واحد کے ذریعہ جائز نہیں لہذا وضوء میں بسم اللہ فرض نہیں سنت مؤکدہ ہے۔

جواب (۲) فصل ثالث میں ایک روایت میں ہے "عن ابی ہریرۃؓ ان النبی ﷺ قال من توضأ وذکر اسم الله علیه یطهر جسده کله ومن توضأ ولم یذکر اسم الله لم یطهر الخ" اس حدیث کا مقتضیٰ یہ بتلاتا ہے کہ بسم اللہ کے بغیر بھی وضوء صحیح ہے۔

سوال: خبر واحد ظنی الثبوت اور قطعی الدلالت ہوتی ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ ظنی الثبوت دلیل سے وجوب ثابت ہوتا ہے لہذا تسمیہ

اگرچہ فرض نہیں ہے لیکن کم از کم واجب تو ہونا چاہئے حالانکہ تم وضوء میں تسمیہ کے واجب ہونے کے قائل نہیں ہوں بلکہ سنت مؤکدہ قرار دیتے ہوں؟

جواب: وضوء میں کوئی واجب نہیں ہے اس لئے ہم نے وجوب کا قول نہیں کیا اور وضوء میں واجب اس لئے نہیں کہ واجب عبادت مقصودہ کی تکمیل کیلئے آتا ہے اور وضوء بذات خود عبادت مقصودہ نہیں بلکہ ذریعہ اور وسیلہ ہے عبادت مقصودہ (نماز) کیلئے اس لئے ہم نے وضوء میں تسمیہ کو واجب قرار نہیں بلکہ سنت مؤکدہ قرار دیا (واللہ اعلم بالصواب)۔

وَعَنْ أَبِي أُمَامَةَ ذَكَرَ وُضُوْءَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ قَالَ وَكَانَ يَمْسَحُ الْمَأْقَيْنِ وَقَالَ الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ رَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ وَأَبُوْ دَاوُدَ وَالتِّرْمِذِيُّ وَذَكَرَا قَالَ حَمَّادٌ لَا أَدْرِي الْأُذُنَانِ مِنَ الرَّأْسِ مِنْ قَوْلِ أَبِي أُمَامَةَ أَمْ مِنْ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ

ترجمہ: اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم کے وضوء کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ آپ ﷺ آنکھ کے کونوں کو بھی ملا کرتے تھے اور کہا کہ دونوں کان بھی سر میں داخل ہیں۔

تشریح الحدیث: "ماقین" ماق کا تثنیہ ہے آنکھ کے اس گوشے کو کہا جاتا ہے جو ناک کی طرف ہوتا ہے۔

الاذنان من الراس: اذنین ممسوح یا مغسول چنانچہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے بعض نے فرمایا ہے کہ ممسوح ہیں اور بعض نے فرمایا ہے کہ مغسول ہیں۔ احناف کا مذہب یہ ہے اذنین ممسوح ہیں یعنی اس پر مسح کیا جائے گا سر کے پانی کے ساتھ یعنی جو پانی سر کے مسح کیلئے لیا ہے اس پر کانوں کا مسح بھی کرے گا اور احناف کی دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا "الاذنان من الراس" یعنی کانوں کا حکم بھی سر کی طرح ہے یعنی ممسوح ہیں کیونکہ آپ ﷺ بیان حکم کیلئے تشریف لائے ہیں نہ کہ بیان خلقت کیلئے اگر من تبعیض کیلئے لیا جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ "الاذنان جزء من الراس" حالانکہ یہ معنی اس لئے صحیح نہیں بنتے کہ آپ ﷺ بیان خلقت کیلئے تشریف نہیں لائے بلکہ بیان حکم کیلئے تشریف لائے ہیں۔

جمہور نے فرمایا ہے کہ "من" حکم کے اشتراک کے بیان کیلئے ہے یعنی مسح کے بارے میں اذنین مسح الراس کے حکم میں ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ یہاں پر "من" خلقت کے بیان کیلئے بھی نہیں کیونکہ آپ ﷺ خلقت کے بیان کیلئے تشریف نہیں لائے اور اشتراک حکم بیان کرنے کیلئے بھی نہیں کیونکہ اگر اشتراک حکم کیلئے ہو جائے تو پھر یہ بھی صحیح ہونا چاہئے "الاذنان" کالراس۔

قال حماد لا ادری الاذنان من الراس: یہ نبی کریم ﷺ کا قول ہے ابن ماجہ میں بہت سے طریقوں سے یہ روایت نقل کی گئی ہے۔ لیکن اگر یہ ابو امامہ کا قول ہو تو پھر امام شافعی کا استدلال صحیح نہ ہوگا کیونکہ امام شافعی کے نزدیک صحابی کی مرسل سے استدلال نہیں کیا جاتا۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ یہاں پر "من" بیان حکم کیلئے ہے بیان تخلیق اور بیان اشتراک حکم کیلئے نہیں ہے۔

باب الغسل

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذا جلس احدکم بین شعبھا الاربع ثم جھدھا فقد وجب الغسل وان لم ینزل (متفق علیہ)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص عورت کی چار شاخوں کے درمیان بیٹھے پھر کوشش کرے (یعنی جماع کرے) تو اس پر غسل واجب ہو گیا اگرچہ منی نہ نکلے۔

تشریح الحدیث: یہاں پر غسل کے متعلق دو قسم کا اختلاف ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) غسل کے فرائض میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ چنانچہ

(۱) امام مالکؒ کے نزدیک غسل میں تین فرض ہیں (۱) النیۃ لازالۃ الجنابۃ (۲) پورے بدن پر پانی بہانا (۳) دلک۔

(۲) امام شافعیؒ کے نزدیک غسل میں دو فرض ہیں (۱) نیت (۲) پورے بدن پر پانی بہانا۔

(۳) امام احمدؒ کے نزدیک غسل میں تین فرض ہیں (۱) نیت (۲) پورے بدن پر پانی بہانا (۳) استنشاق۔

(۴) احناف کے نزدیک غسل میں تین فرض ہیں (۱) پورے بدن پر پانی بہانا (۲) مضمضہ (۳) استنشاق۔ نیت کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ پانی بذات خود مطہر ہے۔

(۲) حضرات صحابہ کرامؓ کے درمیان اس بارے میں اختلاف ہے کہ اکسال یعنی جماع بدون الانزال سے غسل واجب ہوتا ہے یا نہیں؟

حضرات مہاجرین اس بات کے قائل ہیں کہ اکسال سے غسل واجب ہے اور حضرات انصار اس بات کے قائل تھے کہ انزال کے بغیر غسل واجب نہیں۔

حضرت رفاعہ بن رافعؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں حضرت عمرؓ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص آیا اور کہا کہ زید بن ثابتؓ مسجد میں بیٹھے ہوئے ہیں اور اس بات کا فتویٰ دے رہے ہیں کہ اکسال سے غسل واجب نہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو بلایا اور کہا کہ تم ایسا فتویٰ کیوں دے رہے ہو؟ انہوں نے کہا کہ یا امیر المومنین انما حدثنی عمومتی عن رسول اللہ ﷺ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا "ای عمومتک؟ قال ابی بن کعب و ابو ایوب انصاری ورفاعۃ" حضرت رفاعہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمرؓ میری طرف متوجہ ہوئے تو میں نے ان سے کہا "کنا نفعلہ علی عہد رسول اللہ ﷺ" پھر حضرت عمرؓ نے تمام صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور یہ مسئلہ ان کے سامنے رکھا تو تمام صحابہ کرامؓ نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ

قد احتلم ولا يجد بللا قال لا غسل عليه قالت ام سليم هل على المرأة ترى ذلك غسل قال نعم ان النساء

شقائق الرجال (رواه الترمذی وابو داؤد وروی الدارمی وابن ماجة الی قوله ولا غسل علیه)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا جو (سو کر اٹھنے کے بعد کپڑے پر منی کی) تری محسوس کرے اور خواب (احتلام) اسے یاد نہ ہو؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہانا چاہیے۔ وہ ایسے شخص کے بارے میں بھی پوچھا گیا جسے (سو کر اٹھنے کے بعد) احتلام تو یاد ہو مگر تری معلوم نہیں ہوتی؟ آپ ﷺ نے فرمایا اس پر غسل واجب نہیں۔ ام سلیمؓ نے پوچھا اگر عورت بھی یہ (تری) دیکھے تو اس پر غسل واجب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں عورتیں بھی مردوں ہی کی مثل ہیں۔

تشریح الحدیث ولا یجد بللا : بلل کی تین قسمیں ہیں (۱) منی (۲) مذی (۳) ودی۔

اس مسئلہ میں تین مذاہب ہیں (۱) امام مالکؒ اور امام شافعیؒ (۲) امام احمد بن حنبلؒ (۳) احناف:

تفصیل: امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جب کوئی نیند سے اٹھے اور اپنے کپڑے وغیرہ پر تری دیکھ لے اور یہ یقین ہو جائے کہ منی ہے تو اس پر غسل واجب ہے اور یقین ہو کہ منی نہیں تو پھر غسل واجب نہیں۔

(۲) امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر نیند سے پہلے سبب موجود ہو مثلاً کوئی شخص اپنی بیوی کے ساتھ لیٹا ہوا تھا اور جب صبح کو اٹھا تو تری موجود تھی تو غسل واجب ہے اور اگر نیند سے پہلے سبب نہ ہو تو غسل واجب نہیں۔

(۳) احناف کے نزدیک اس میں تفصیل ہے۔

(الف) وہ یہ کہ جب یقین ہو کہ یہ منی ہے چاہے احتلام یاد ہو یا نہ ہو تو غسل واجب ہے۔

(ب) اور یقین ہو کہ یہ مذی ہے اور احتلام یاد ہو تو غسل واجب ہے اور احتلام یاد نہ ہو تو غسل واجب نہیں۔

(ج) اگر یقین ہو کہ ودی ہے چاہے احتلام یاد ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں غسل واجب نہیں۔

خلاصہ یہ کہ یقین کی چھ صورتیں ہیں جن میں پہلی تین صورتوں میں غسل ہے اور آخری تین صورتوں میں غسل واجب نہیں۔

جبکہ آٹھ صورتیں شک کی ہیں۔

شک فی الطرفین یعنی اس میں شک (۱) ہو کہ منی ہے یا ودی۔

(۲) شک فی الاولین یعنی شک ہو کہ یہ منی ہے یا مذی۔

(۳) شک فی الاخیرین یعنی شک ہو کہ مذی ہے یا ودی۔

(۴) شک فی الثلثہ یعنی شک ہو یہ منی ہے یا مذی ہے یا ودی۔

ہر ایک صورت میں احتلام یاد ہوگا یا نہ ہوگا لہذا ۴ × ۲ = ۸ تو آٹھ صورتیں ہو گئیں شک کی چار صورتوں میں جب احتلام ہو تو احتیاطاً

حضرت امام شافعیؒ کی دلیل: حضرت امام شافعیؒ کی دلیل حضرت ابن عمرؓ کی حدیث ہے جو مشکوٰۃ شریف کے صفحہ ۵۱ پر موجود ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرات صاحبینؒ اس مذہب کو تسلیم نہیں فرماتے کیونکہ پانی کی نجاست اور عدم نجاست کا معیار قلتین نہیں ہے۔

اس باب میں اصل مذہب امام ابوحنیفہؒ کا ہے امام ابوحنیفہؒ نے ماء کثیر کی تعریف یہ کی ہے "الماء الکثیر هو الماء الذي اذا وقع النجاسة فيه لم يبلغ اثرها من الجانب الذي وقع النجس الى الجانب الآخر" اور یہ مفوض الی رأی المبتلیٰ ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا مشہور مذہب یہ ہے کہ جو حوض عشر فی عشر یعنی دہ در دہ ہو تو وہ ماء کثیر ہے اور جو اس سے کم ہو تو وہ قلیل ہے۔

ایک دفعہ امام محمدؒ درس دے رہے تھے طلباء نے پوچھا کہ ماء کثیر کی مقدار کیا ہے تو انہوں نے فرمایا جیسے ہماری یہ مسجد ہے۔ بعد میں جب طلباء نے مسجد کی پیمائش کی تو عشر فی عشر نکلی لیکن یہ بات مشہور ہے امام ابوحنیفہؒ کا اصل مذہب تو یہی ہے۔

احناف کے دلائل: احناف کے دلائل چار روایات ہیں تین کتاب میں گزر گئی ہیں۔ اور ایک روایت میں ہے جس میں بئر زمزم کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ ایک زنگی بئر زمزم میں گر کر مر گیا تو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے پورا پانی نکالنے کا حکم دیا حالانکہ اس کے اوصاف میں تغیر نہیں آیا تھا لیکن اس کے باوجود انہوں نے صحابہ کرامؓ کے سامنے پورا پانی نکالنے کا حکم دیا لیکن اس کا پانی ختم نہیں ہو رہا تھا پھر کسی نے آ کر بتلا دیا کہ یہ کنواں جاری چشمے کی طرح ہے لہٰذا اس کے بعد انہوں نے پانی نکالنا چھوڑ دیا۔

حضرت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی دلیل کا جواب: قلتین کی روایت میں اضطراب ہے متن کے اعتبار سے بھی اور سند کے اعتبار سے بھی۔ متن میں بھی دو قسم کا اضطراب ہے من حیث اللفظ اور من حیث المعنیٰ۔

اضطراب فی المتن من حیث اللفظ یہ ہے کہ بعض روایات میں "قلتین" کا لفظ آیا ہے جبکہ بعض روایات میں "اکثر من قلتین" کا لفظ آیا ہے جبکہ بعض روایات "اربعین قلة" کا لفظ آیا ہے اور بعض میں "اربعین دلوا" کا لفظ آیا ہے اور بعض میں "اربعین غربا" کا لفظ آیا ہے۔

اور اضطراب فی المتن من حیث المعنیٰ اس طرح ہے کہ "قلة" آدمی کے قد کو کہا جاتا ہے اسی طرح پہاڑ کی چوٹی کو بھی قلہ کہا جاتا ہے اور مٹی کے برتن کو بھی قلہ کہا جاتا ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ ایک قلہ پانچ مشکیزوں کے برابر ہے لیکن یہ مشکیزہ بھی مجہول ہے کیونکہ مشکیزہ بھیڑ بکری کی کھال کا بھی ہوتا ہے بیل اور اونٹ وغیرہ کی کھال کا بھی۔

اضطراب من السند اس طرح ہے کہ اس حدیث کی سند میں سقم ہے، سقم اس علت کو کہا جاتا ہے جس کی وجہ سے حدیث رد کی جاتی ہے۔

اور عقل کی صحت کا بیان یہ ہے کہ اگر حدیث (قلتین والی) کو نجاست و طہارت کا معیار قرار دینا درست نہیں کیونکہ پانی ایسی چیز ہے جس پر انسان اور تمام حیوانات کے معاش کا مدار ہے لہذا اس کیلئے ایک روایت کافی نہیں بلکہ بہت سی روایت ہونا ضروری ہے جیسا کہ نماز کی رکعات کی تعداد اور مقادیر زکوۃ اور اس حدیث کا راوی صرف عبداللہ بن عبداللہ یا عبداللہ بن عمر ہی ہے اور دوسرے صحابہ کرام میں سے کسی سے متعلق کوئی روایت منقول نہیں۔

حضرت امام ابو یوسفؒ ایک دفعہ حضرت ابو حنیفہؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ قلتین کی روایت پھر بھی حدیث تو ہے اس کا محمل کیا ہوگا؟ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا ہے کہ اس حدیث کا محمل وہ چھوٹے چھوٹے حوض ہیں جو صحرا اور بیابانوں میں ہوتے ہیں کہ جب وہ پانی سے بھر جاتے ہیں اور پانی اس کے اوپر بہہ جاتا ہے جب پانی چلا جاتا ہے تو اس کے بعد جو پانی اس چھوٹے گڑھے میں رہ جاتا ہے وہ قلتین کہلاتا ہے۔ چنانچہ امام ابو یوسف فوراً اٹھ گئے اور امام ابو حنیفہؒ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو حیات طیبہ نصیب فرمائیں آپ حدیث شریف کی فقہ اور حقیقت کو جانتے ہیں۔

وَعَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ سَأَلَ رَجُلٌ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّا نَرْكَبُ الْبَحْرَ وَنَحْمِلُ مَعَنَا الْقَلِيلَ مِنَ الْمَاءِ فَإِنْ تَوَضَّأْنَا بِهِ عَطِشْنَا أَفَنَتَوَضَّأُ بِمَاءِ الْبَحْرِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ هُوَ الطَّهُورُ مَاؤُهُ وَالْحِلُّ مَيْتَتُهُ (رواه مالک والترمذی وابوداؤد

والنسائی وابن ماجہ والدارمی)

ترجمہ اور حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکار دو عالم ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) ہم (کھاری) دریا میں کشتی کے ذریعہ سفر کرتے ہیں اور (میٹھا) پانی اپنے ہمراہ لے جاتے ہیں اس لئے اگر ہم اس پانی سے وضو کرلیں تو پیاسے رہ جائیں تو کیا ہم دریا کے پانی سے وضو کر سکتے ہیں (یا تیمم کرلیا کریں) آنحضرت ﷺ نے فرمایا دریا کا وہ پانی پاک کرنے والا ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔

تشریح الحدیث یہاں پر سوال کا منشا تین چیزیں ہیں۔ (۱) سمندری پانی کی طبیعت عام پانیوں سے مختلف ہے اس لئے کہ جب اس کو منہ میں ڈالا جائے تو سخت تلخی کڑواہٹ پیدا ہوتی ہے اور اس سے اگر کوئی چیز دھوئی جائے تو اس سے صابن زائل نہیں ہوتا بلکہ چربی کی طرح چکناہٹ محسوس ہوتی ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے "لا تركب البحر الا حاجا او معتمرا او غازيا في سبيل الله فان تحت البحر نارا" اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سمندر قہر الٰہی کا مظہر ہے اور وضو اللہ کی طرف رحمت ہے لہذا سمندر کے پانی سے وضو کے بارے میں سوال پیدا ہو گیا کہ کیا اس سے وضو جائز ہوگا یا نہیں؟

(۳) سمندر معدن الحیوانات ہے اس میں بہت سارے حیوانات رہتے ہیں اور اس میں مرتے بھی ہیں جب اس کی صفائی کا کوئی

طعام موجود نہیں ہے تو ممکن ہے کہ اس کا پانی لیا جائے تو اس سے وضو جائز ہو جائے گا؟

یہ تھا منشاء سوال تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "هو الطهور ماؤه" کہ اس سے دونوں طرح منافع حاصل ہو جاتی ہے۔

هو الطهور ماؤه: یہاں پر طہارت کا انحصار ماء بحر میں حصر ہو جاتی ہے لیکن یہ فرد کامل میں حصر ہے یعنی یہ کامل پانی ہے جیسے کہ لوگ کہتے ہیں کہ آدمی فلاں ہے یعنی اس میں کامل آدمیت موجود ہے۔

والحل ميتته: سمندری جانوروں کی حلت کے بارے میں یہ تفصیل ہے کہ ائمہ ثلاثہ سے اس کے بارے میں دو قول منقول ہیں (۱) یہ کہ جو چیز خشکی میں حلال ہیں وہی سمندر میں بھی حلال ہیں لیکن یہ قول معتبر نہیں ہے۔

(۲) ائمہ ثلاثہ کا مشہور قول یہ ہے کہ تمام بحری حیوانات حلال ہیں سوائے ضفدع (مینڈک) اور سلحفاة (کچھوا) اور تمساح (مگرمچھ) کے اور یہ حدیث ان حضرات کی دلیل ہے۔

احناف کا مذہب یہ ہے کہ سمندری حیوانات میں سے مچھلی حلال ہے اور جو حیوان مچھلی کی جنس سے نہ ہو تو وہ حرام ہے اور حدیث احناف کا مستدل ہے "احلت لنا ميتتان ودمان اما الميتتان فالحوت والجراد واما الدمان فالكبد والطحال" اور ان کے علاوہ ہیں وہ خبائث میں داخل ہیں "ويحرم عليهم الخبائث" یہ امم سابقہ کے حق میں ہے یعنی مچھلی کے علاوہ تمام چیزیں حرام ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ جو چیزیں امم سابقہ کیلئے حرام ہوں اور ہماری شریعت میں اس سے کوئی استثناء نہ ہو (یعنی اس کی علت کا علم نہ ہو) تو وہ ہمارے لئے بھی حرام ہوتی ہے اور جو چیزیں امم سابقہ میں منزل ہوتی ہیں اور ہماری شریعت میں اس سے استثناء واقع نہ ہو تو وہ ہمارے لئے بھی حلال ہوتی ہے لیکن یہاں چونکہ یہ حرام کے زمرے میں داخل ہیں اور اس سے استثناء واقع نہیں ہوا ہے لہذا ہمارے لئے بھی حرام ہوں گی۔

ائمہ ثلاثہ نے اس مشہور واقعہ سے استدلال کیا ہے جو امام بخاری نے نقل کیا ہے کہ تین (۳۰۰) سو صحابہ کرام جب بھیجے گئے تھے تو ان کا توشہ ختم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے سمندر سے عنبر نکال دیا چنانچہ تین سو صحابہ کرام نے اٹھارہ دن تک اس سے خوب کھایا تو وہاں پر "فالقى لنا البحر دابة" کے الفاظ ہیں پس معلوم ہوا کہ ہر قسم حیوان حلال ہے۔

جواب: امام بخاری نے اس کی تفسیر حوت کے ساتھ کی ہے لہذا معلوم ہوا کہ وہ بھی مچھلی کی جنس تھی اور اس پر میتة کا اطلاق کیا گیا ہے یہ ذبح نہ ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے یعنی مچھلی ذبح نہیں کی جاتی بلکہ بغیر ذبح کے حلال ہے جیسا کہ میتہ کو ذبح نہیں کیا جاتا۔

وعن ابي زيد عن عبد الله بن مسعود ان النبي ﷺ قال له ليلة الجن ما في اداوتك قال قلت نبيذ قال تمرة طيبة وماء

ترجمہ: اور حضرت ابو زید حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے لیلۃ الجن (یعنی جن کی رات) میں ان سے پوچھا کہ تمہاری چھاگل میں کیا ہے؟ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا کہ نبیذ (یعنی کھجوروں کا شربت) ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کھجوریں پاک ہیں اور پانی پاک کرنے والا ہے۔

تشریح الحدیث: نبیذ سے وضو کا مسئلہ: نبیذ سے وضو جائز ہے یا نہیں چنانچہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے اس اختلاف کو بیان کرنے سے پہلے نبیذ کی حقیقت جان لیجئے۔ اس لئے نبیذ کی چار صورتیں ہیں۔

(۱) کھجور کو پانی میں ڈال کر پکایا جائے یہاں تک کہ اس میں شدت اور گاڑھا پن پیدا ہو جائے اس قسم کی نبیذ سے بالاتفاق وضو جائز نہیں ہے۔

(۲) کھجور کو پانی میں ڈالا جائے اس میں شدت پیدا ہو جائے اور جوش بھی مارے لیکن ابھی تک اس میں سکر پیدا نہ ہوا ہو تو اس قسم کی نبیذ سے بھی بالاتفاق وضو جائز نہیں اور اگر اس میں سکر پیدا ہو گیا ہو تو پھر بھی وضو جائز نہیں۔

(۳) کھجور کو پانی میں ڈال دیا لیکن ابھی تک پانی میں اس کا ذائقہ پیدا نہیں ہوا، کراہت پیدا ہوئی ہے تو اس قسم کی نبیذ سے بالاتفاق وضو جائز ہے۔

(۴) کھجور کو پانی میں ڈال دیا جس کی وجہ پانی میں مٹھاس پیدا ہو گئی لیکن شدت پیدا نہیں ہوئی تو اس میں اختلاف ہے۔

حضرات ائمہ ثلاثہ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی نبیذ سے وضو جائز نہیں بلکہ تیمم کیا جائے گا اور حضرت امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی نبیذ سے وضو جائز ہے۔

اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ وضو اور تیمم دونوں کرے گا یہ حدیث امام ابو حنیفہؒ کی دلیل ہے۔

یہاں پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ راوی ابو زید مجہول ہے اور مجہول راوی کی روایت سے استدلال نہیں کیا جاتا۔

جواب: ابو زید عمرو بن حریث کا مولی (آزاد کردہ غلام) ہے اس سے دو آدمیوں نے روایت نقل کی ہے (۱) راشد بن کیسان (۲) ابو روق، جس راوی سے دو آدمی روایت نقل کریں وہ مجہول نہیں ہوتا اور اگر بالفرض اس کو مجہول ہی سمجھا جائے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مجہول نہیں ہیں اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اس کے متعلق چودہ روایات منقول ہیں۔

اعتراض (۲) یہ ہے عبداللہ بن مسعودؓ خود فرماتے ہیں "لم اکن لیلۃ الجن مع رسول اللہ ﷺ" تو پھر آپ ان کی روایت سے استدلال کرتے ہیں؟

جواب لیلۃ الجن کا، تو صرف ایک بار نہیں بلکہ چار مرتبہ ہوا ہے ایک دفعہ حضرت بلال بن حارث بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے دوسری مرتبہ زید بن حارثہ تھے اور تین دفعہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی ساتھ تھے تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی نفی محمول ہے اس مرتبہ پر جس مرتبہ آپ نبی کریم ﷺ کے ساتھ نہیں تھے۔ یا یہ محمول ہے اس بات پر کہ نبیذ کے وقت وہ آپ ﷺ کے ساتھ نہیں تھے۔

سعید الملتقی والنہی امام صاحب کے شاگرد (ابن مریم) نے امام صاحب کا رجوع نقل کیا ہے یعنی امام ابو حنیفہؒ نے تیمم کی طرف رجوع کیا ہے۔

عن كبشة بنت كعب بن مالك وكانت تحت ابن ابي قتادة ان ابا قتادة دخل عليها:

تشریح الحدیث ۔ مسئلہ سور الہرۃ۔ یہاں دو روایات نقل کی گئی ہیں ایک حضرت کبشہؓ کی روایت ہے دوسری روایت حضرت داود بن صالح بن دینار کی ہے دونوں کا تقاضا یہ ہے کہ سور الہرۃ پاک ہے جبکہ دو روایات اور بھی ہیں ایک میں ہے "الہر سبع" اور دوسری روایت میں ہے "اذا ولغ الہر غسل مرۃ" ان دونوں روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بلی کا جوٹھا نجس ہے کیونکہ درندے کا جوٹھا نجس ہے چونکہ سور متولد من اللحم ہوتا ہے اور اس کا گوشت بالاتفاق نجس ہے تو جوٹھا بھی نجس ہوگا اسی طرح ایک دفعہ دھونے کا حکم بھی اس کی نجاست کا تقاضا کرتا ہے۔

اس وجہ (تعارض روایات کی) سے اس مسئلہ میں فقہاء کا اختلاف واقع ہو گیا ہے ائمہ ثلاثہ (امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ) فرماتے ہیں کہ سور الہرۃ مطلقاً پاک ہے اور یہ دوسری روایات نظر انداز کرتے ہیں جبکہ امام ابو حنیفہؒ نے دونوں روایتوں پر عمل کرنے کو ترجیح دی ہے وہ اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے اس سے وضو کیا ہے لہذا اس کو نجس نہیں کہہ سکتے اور دوسری روایت کا تقاضا ہے کہ یہ نجس ہو تو تعارض کی وجہ سے ہم نے کہا کہ نہ مطلقاً نجس ہے اور نہ مطلقاً پاک ہے بلکہ مکروہ تنزیہی ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے اس کی علت بیان کی ہے کہ "انہا من الطوافین علیکم والطوافات"۔

سوال: سوال یہ ہے کہ آپ ﷺ نے مکروہ تنزیہی پر عمل کیسے کیا حالانکہ یہ خلاف اولیٰ ہے؟

جواب: آپ ﷺ نے بیان جواز کیلئے ایسا کیا ہے تاکہ امت کیلئے سہولت پیدا ہو لہذا جب سور ہرہ کے استعمال کی ضرورت ہو تو پھر بلا کراہت جائز ہے اور اگر دوسرا پانی موجود ہو تو پھر اس کا استعمال مکروہ تنزیہی ہے

باب تطهیر النجاسات

اس باب میں چند اہم مسائل ذکر کئے جاتے ہیں۔

(۱) سور الکلب کا مسئلہ (۲) مسجد کو نجاست سے پاک کرنے کا طریقہ (۳) کپڑے کو حیض کے خون سے پاک کرنے کا طریقہ (۴) منی سے کپڑا پاک کرنے کا طریقہ اور اس کی تفصیل (۵) چھوٹے بچے کے پیشاب کا بیان (۶) مردار کی کھال سے انتفاع حاصل کرنے کا بیان۔

تفصیل: (۱) سور الکلب کا بیان

عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسله سبع مرات اخرجه البخاری ومسلم ولمسلم قال طهور اناء احدکم اذا ولغ فیه الکلب ان یغسله سبع مرات اولاهن بالتراب۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا جب تم میں سے کسی کے برتن میں کتا پانی پی لے تو اس (برتن) کو سات مرتبہ دھو لینا چاہیے۔ اور مسلم کی ایک روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ تم میں سے جس کے برتن میں کتا پانی پی جائے اس (برتن) کو پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ اسے سات مرتبہ دھو ڈالے اور پہلی مرتبہ مٹی سے دھوئے۔

تشریح الحدیث: سور الکلب میں دو باتیں قابل ذکر ہیں (۱) کتے کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک (۲) پاک کرنے کا طریقہ کیا ہوگا۔

امام مالکؒ اور امام بخاریؒ کا مذہب یہ ہے کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے اور دھونے کا جو حکم ہے یہ امر تعبدی ہے مدرک بالعقل نہیں ہے شارع علیہ السلام نے اس دھونے کا حکم دیا ہے اس لئے ہم دھوئیں گے۔ یہ حضرات اپنے مدعا پر دو دلیلیں پیش کرتے ہیں (۱) آیت کریمہ "وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونهن مما علمکم الله فکلوا مما امسکن علیکم واذکروا اسم الله علیه"

طریقہ استدلال یہ ہے کہ جب کتے نے شکار کو پکڑ لیا تو ضرور بالضرور اس کے منہ کا لعاب لگا ہوگا لیکن اس کے باوجود آپ ﷺ نے اس شکار کے دھونے کا حکم نہیں دیا اگر کتے کا جھوٹا ناپاک ہوتا تو آپ ﷺ ضرور دھونے کا حکم دیتے پس معلوم ہوا کہ کتے کا جھوٹا پاک ہے۔

(۲) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں "عن ابن عمر رضی الله عنهما قال کانت الکلاب تقبل وتدبر فی المسجد فی زمان رسول الله ﷺ فلم یکونوا یرشون شیئا من ذلک" رواہ البخاری۔

طریقہ استدلال یہ ہے کہ جب کتا مسجد کے اندر باہر آتا جاتا تو ضرور اس کے منہ سے کچھ لعاب وغیرہ نکلتے ہوں گے لیکن اس کے باوجود صحابہ کرام ؓ نے اس کو دھویا نہیں ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کتے کا جوٹھا پاک ہے۔

احناف، شوافع، حنابلہ اور جمہور محدثین کا مذہب یہ ہے کہ کتے کا جوٹھا ناپاک ہے۔ اور استدلال میں یہی (حدیث باب) حدیث پیش کرتے ہیں۔

جمہور کی طرف سے حضرت امام مالکؒ اور امام بخاریؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ آپ حضرات نے جو دلیل پیش کی ہے یہ مجمل ہے مجمل دلیل سے استدلال تام نہیں ہوتا اور تم یہ کیونکر "کلوا مما امسکن" میں کلمہ "ما" عام ہے تو پھر آپ بھی اس کے عموم پر عمل کرتے ہوئے ہر چیز کھاؤ حالانکہ تم اس پر عمل نہیں کرتے اور اگر کتے نے شکار میں زخم نہ لگایا ہو تو پھر اس کا کھانا حرام ہے لہذا "کلوا مما امسکن علیکم" کا معنی یہ ہے کہ کھاؤ تم شرعی طریقے کے مطابق۔

دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ مسجد کے دھونے کا حکم نہ کرنا اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ کتے کا جوٹھا پاک ہے کیونکہ یہ تو ہم ہے اور توہم پر حکم نہیں لگتا ہے اور اگر بالفرض ہم مان لیں کہ کتے کا لعاب مسجد میں گر گیا ہے تو نہ دھونا اس کی طہارت کی دلیل نہیں ہے بلکہ اس پر رات گزر گئی ہے اور مسجد کی زمین سوکھ گئی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ "زکوۃ الارض یبسہا" لہذا جب زمین خود سوکھ گئی ہے تو پانی سے دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔

امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ دھونے کا حکم امر تعبدی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ امر تعبدی نہیں ہے بلکہ تطہیر کیلئے ہے اس لئے کہ یہاں پر لفظ "طہور" کا استعمال ہوا ہے جو اس بات کی دلیل ہے کہ کتے کا جوٹھا نجس ہے کیونکہ طہور کہتے ہیں طہارت میں مبالغہ کرنا اگر کتے کا جوٹھا نجس نہ ہوتا تو طہور کا حکم دینا تحصیل حاصل ہو جائے گا۔

(۲) **دوسرا اختلاف**: اس بات میں فقہا کا اختلاف ہے کہ کتے نے جس برتن میں منہ ڈالا اس کے پاک کرنے کا طریقہ کیا ہے؟

اس میں دو مذہب ہے۔ (۱) امام مالکؒ اور امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ سات مرتبہ دھونے کا حکم امر تعبدی ہے شارعؑ نے دھونے کا حکم دیا ہے اس لئے ہم دھوتے ہیں۔

امام احمدؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سات مرتبہ دھونا واجب ہے اگر سات مرتبہ سے کم دھویا تو پاک نہ ہوگا اور یہ حدیث (حدیث باب) ان کی دلیل ہے۔

احناف فرماتے ہیں کہ تین دفعہ دھونا واجب ہے، کیونکہ حدیث میں آیا ہے "اذا ولغ الکلب فی اناء احدکم فلیھرقہ ولیغسلہ ثلث مرات" (رواہ دار قطنی)۔

جواب: پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ ایک دیہاتی نومسلم آدمی تھے مسجد کے آداب اور مسائل سے ناواقف تھے چونکہ مسجد نبوی علی صاحبہا الصلاۃ والسلام پر اور واقعہ ایسے جیسی تھی (یعنی کچی تھی) اس نے کوئی احتیاط نہ کیا اور دینی ضرورت سے جلدی فارغ ہونے کیلئے قریبی جگہ کا انتخاب کیا تاکہ جلدی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو جائے۔ خلاصہ کلام یہ کہ ان کو مسجد کی حدود معلوم نہ تھیں۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو اس لئے کہ روکا اس نے تو پیشاب شروع کیا تھا اگر وہ اس کو منع کرتے تو اس کو مثانے کی بیماری لگ جاتی (کیونکہ پیشاب شروع ہونے کے بعد اچانک رو کنے سے مثانے کی بیماری لگ جاتی ہے) اور عرب میں کھڑے ہو کر پیشاب کرنے کی عادت تھی جب اس کو پیشاب کے درمیان روک دیتے تو پیشاب منتشر ہو کر تا اور مسجد کو زیادہ حصہ گندہ ہو جاتا اس لئے آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ سے فرمایا کہ ان کو پیشاب کرنے دو۔

تیسرے سوال کے جواب میں تفصیل ہے وہ یہ کہ جمہور ائمہ فرماتے ہیں کہ ایک ڈول بہا دینے سے مسجد پاک ہو جاتی ہے مزید پانی بہانے کی ضرورت نہیں۔

احناف فرماتے ہیں کہ اس میں یہ تفصیل ہے کہ مسجد یا پکے فرش والی ہوگی یا کچے فرش والی ہوگی اگر پکے فرش والی ہو پھر اگر گندگی درمیان میں لگی ہو تو اس پر تین دفعہ پانی بہایا جائے اور تین الگ الگ کپڑوں سے پاک کیا جائے اور اگر تین کپڑے نہ ہوں تو ایک ہی کپڑے سے پاک کیا جائے ہر دفعہ کپڑے کو نچوڑا جائے۔

اور اگر درمیان نہ ہو بلکہ طرف ہو تو اس پر تین دفعہ پانی بہایا جائے اور دوسری طرف نکال دیا جائے

اور اگر مسجد فرش والی نہ ہو بلکہ مٹی والی ہو پھر اگر مٹی سخت ہو تو اس کے قریب ایک گڑھا کھودا جائے اور پھر اس جگہ پر تین دفعہ پانی بہا کر اس گڑھے میں دفنایا جائے۔ اور اگر کنارہ ہو تو پھر اس پر تین دفعہ پانی بہا کر باہر کی طرف نکال دیا جائے۔

اور اگر مٹی سخت نہ ہو بلکہ نرم ہو تو پھر اس جگہ کی مٹی کھود کر دور پھینک دی جائے اور پھر اس جگہ پر پانی بہایا جائے تو وہ پانی کو جذب کرے گی لہٰذا مسجد پاک ہو جائے گی صرف ایک ڈول بہانے سے مسجد پاک نہیں ہوتی۔ (یہ تفصیل احناف کے نزدیک ہے)۔

تیسرا مسئلہ: کپڑے کو حیض کے خون سے پاک کرنے کا طریقہ:

اس کا طریقہ مندرجہ ذیل حدیث سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ حدیث مع مختصر تشریح پیش کی جاتی ہے۔

وَعَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ قَالَتْ سَأَلَتِ امْرَأَةٌ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ أَرَأَيْتَ إِحْدَانَا إِذَا أَصَابَ ثَوْبَهَا الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ كَيْفَ تَصْنَعُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ إِذَا أَصَابَ ثَوْبَ إِحْدَاكُنَّ الدَّمُ مِنَ الْحَيْضَةِ فَلْتَقْرُصْهُ ثُمَّ لِتَنْضَحْهُ بِمَاءٍ ثُمَّ لِتُصَلِّ فِيهِ (متفق علیہ)

ترجمہ: اور حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی صاحبزادی اسماء ؓ فرماتی ہیں کہ ایک عورت نے سرکار دو عالم ﷺ سے پوچھا کہ یا رسول

اقرار کی جواب یہ ہے کہ منی خارج ہونے سے پہلے مذی خارج ہوتی ہے اور مذی بالاتفاق نجس ہے اور اسی راستے سے منی بھی خارج ہوتی ہے تو منی بھی نجس ہوگی۔

پانچواں مسئلہ چھوٹے بچے کے پیشاب میں ائمہ کا اختلاف

وَعَنْ أُمِّ قَيْسٍ بِنْتِ مِحْصَنٍ أَنَّهَا أَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيرٍ لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ ﷺ فَأَجْلَسَهُ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِي حِجْرِهِ فَبَالَ عَلَى ثَوْبِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ (متفق علیہ)

ترجمہ: اور حضرت ام قیس بنت محصن رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ اپنے چھوٹے لڑکے کو جو ابھی کھانا نہ کھاتا تھا سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں لائیں، آنحضرت ﷺ نے اس بچہ کو اپنی گود میں بٹھا لیا، اس نے آپ ﷺ کے کپڑے پر پیشاب کر دیا، آنحضرت ﷺ نے پانی منگایا اور کپڑے پر بہا دیا اور خوب مل کر نہیں دھویا۔

تشریح الحدیث: چھوٹے بچے کا پیشاب پاک ہے یا ناپاک؟ چونکہ اس میں چار صورتیں ہیں۔

(۱) بچہ صرف کھانا کھاتا ہو ماں کا دودھ نہ پیتا ہو۔

(۲) بچہ کھانا بھی کھاتا ہو اور ماں کا دودھ بھی پیتا ہو چاہے لڑکا ہو یا لڑکی۔

(۳) بچہ کھانا نہ کھاتا ہو صرف ماں کا دودھ پیتا ہو لیکن وہ لڑکی ہو ان تینوں صورتوں میں بالاتفاق غسل واجب ہے۔

(۴) بچہ صرف ماں کا دودھ پیتا ہو کھانا نہ کھاتا ہو لیکن وہ لڑکا ہو تو اس کی تطہیر کے طریقہ میں فقہاء کا اختلاف ہے

جمہور ائمہ فرماتے ہیں کہ اس صورت (صورت ۴) میں صرف نضح اور رش (چھینٹے مارنا) کافی ہے غسل کی ضرورت نہیں، جبکہ حنفیہ فرماتے ہیں کہ نضح اور رش کافی نہیں بلکہ غسل یعنی دھونا ضروری ہے کیونکہ حدیث میں آیا ہے "ثم یغسلہ علیٰ" یعنی لم یغسل کے بعد مفعول مطلق آیا ہے اور یہاں مفعول مطلق، کیفیت بیان نوعیت کیلئے نہیں ہے بلکہ تاکید کیلئے ہے مراد یہ ہے "ثم یغسلہ غسلا مؤکدا" یعنی زیادہ دھونے کی ضرورت نہیں معمولی سا دھونا بھی کافی ہے کیونکہ قاعدہ یہ ہے کہ جب کلام مقید میں نفی آجائے تو وہ نفی اصل کلام کی طرف متوجہ نہیں ہوتی بلکہ اس قید کی طرف متوجہ ہوتی ہے لہٰذا کلام غسل کے ساتھ تاکید کی قید آئی ہے تو نفی تاکید کی طرف متوجہ ہوگی اور معنی ہوں گے کہ غسل مؤکد کی ضرورت نہیں بلکہ غسل خفیف بھی کافی ہے اور جن روایات میں نضح یا رش کے الفاظ آئے ہیں وہ بھی غسل خفیف کے معنی میں ہیں جیسا کہ اسماء بنت ابی بکر کی روایت میں "ثم تنضحه" میں نضح غسل مؤکد کے معنی میں ہے تو یہاں بھی اگر ہم نے نضح کو غسل خفیف کے معنی میں لے لیا تو کیا جرم ہوا۔

اور اگر آپ یوں کہیں کہ نضح سے مراد چھینٹے مارنا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ چھینٹے مارنے سے طہارت حاصل نہیں ہوتی بلکہ نجاست اور پھیل جاتی ہے لہٰذا یہ معنی یہاں پر درست نہیں بنتے۔

ترجمہ: اور حضرت براءؓ راوی ہیں کہ سرکار دو عالم ﷺ فرماتے تھے کہ جس چیز کا گوشت کھایا جائے اس کے پیشاب میں کچھ حرج نہیں اور حضرت جابرؓ کی روایت اس طرح ہے کہ جس جانور کا گوشت کھایا جائے اس کے پیشاب میں کچھ حرج نہیں ہے۔

تشریح الحدیث: ماکول اللحم جانوروں کے پیشاب پاک ہے یا ناپاک اس میں فقہاء کا اختلاف ہے

امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب پاک ہے ان کی دلیل یہ حدیث ہے "لا باس ببول ما يوكل لحمه" اور دوسری دلیل وہ مشہور واقعہ ہے جو بخاری و مسلم نے نقل کیا ہے کہ آپ ﷺ نے عرنیین کو کہا تھا کہ "اشربوا من ابوالها والبانها"۔

امام ابو حنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام ابو یوسفؒ کا مذہب یہ ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کا پیشاب نجس ہے اور ان کی مشہور دلیل یہ حدیث ہے "استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه" (اخرجہ الحاکم عن ابی ہریرۃؓ ورواہ احمد وابن ماجہ)۔ اور یہ حدیث ایک خاص واقعہ کی نشاندہی کر رہی ہے کہ ایک دفعہ آپ ﷺ ایک قبر کے پاس گزر رہے تھے کہ کسی کو عذاب ہو رہا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو ایک معمولی عمل کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے اور وہ یہ ہے کہ یہ آپ کو پیشاب سے نہیں بچاتا تھا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ "استنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه"

امام مالکؒ، امام احمدؒ اور امام محمدؒ کی دلیل کا جواب یہ ہے کہ "لا باس به" سے نجاست غلیظہ کی نفی مراد نہیں بلکہ نجاست خفیفہ کی نفی مراد ہے۔

امام دارقطنیؒ نے فرمایا ہے کہ اس روایت میں ایک راوی سوار بن مصعب ہے علامہ ابن حزمؒ نے فرمایا ہے "انه خبر باطل موضوع" (حاشیہ آثار السنن)۔

دوسری دلیل کے بھی متعدد جوابات دیے گئے ہیں۔

( ) آپ ﷺ نے دودھ پینے کا حکم دیا تھا پیشاب پینے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ پیشاب انہوں نے اپنی رائے سے پیا تھا آپ ﷺ نے پینے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ اس کو بدن پر ملنے کا حکم دیا تھا لہٰذا تقدیری عبارت یوں ہوگی "اشربوا من البانها والطخوا ابوالها" لہٰذا یہ "علفتها تبنا وماء باردا" کے قبیل سے ہے یعنی "علفتها تبنا وسقيتها ماء باردا"۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعہ بتا دیا گیا تھا کہ ان لوگوں کی شفاء پیشاب پینے میں ہے اور تداوی بالحرام بوقت ضرورت جائز ہے۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مبیح ہے اور "استنزهوا" والی حدیث محرم ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب مبیح اور محرم میں تعارض آئے تو محرم کو ترجیح دی جائے گی۔

اصطلاح محدثین میں اس حدیث کو کہتے ہیں کہ جس میں علت خفیہ ہو جو اس حدیث کے رد کرنے کا تقاضا کرتی ہے۔

حافظ الدنیا امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں ہے اسی طرح امام ابو داؤدؒ نے بھی اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔

اور اگر صرف موزے کے نیچے والے حصے پر مسح کیا جائے اور اوپر والے حصے پر بالکل مسح نہ کیا جائے تو کسی کے نزدیک بھی مسح جائز نہیں۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ اسفل الخف سے مراد موزے کا وہ حصہ ہے جو انگلیوں کے قریب ہے اور اعلی الخف سے مراد موزے کا وہ حصہ ہے جو کعب (یعنی پنڈلی) کے قریب ہے۔

(٤) **مبحث رابع مسح علی الجوربین جائز ہے یا نہیں؟** جوربین، جورب کا تثنیہ ہے اور جورب سوت وغیرہ کے موزے کو کہا جاتا ہے لہذا اس میں بھی موزے کے شرائط موجود ہوں تو اس پر مسح جائز ہے۔

پھر جورب کی قسمیں ہیں (۱) وہ جراب جو ثخین ہو یعنی اس میں دو باتیں ہوں کہ اس کو پہن کر میل تک پیدل چلا جا سکتا ہو اور پنڈلی کے ساتھ خود قائم رہ سکتی ہو نیز پانی کو بھی جذب نہ کرتی ہو اور اس میں جلد بھی نظر نہ آ رہی ہو۔

(۲) وہ جراب رقیق ہوں یعنی ثخین نہ ہوں یعنی اس میں مذکورہ شرائط نہ ہوں پھر ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں (۱) منعل (۲) مجلد (۳) دونوں سے مجرد (یعنی نہ منعل اور نہ مجلد) لہذا ۲×۳=۶ تو کل چھ صورتیں ہوگئیں۔ ان میں سے چار صورتوں کے اندر یعنی جب منعل اور مجلد ہو چاہے ثخین ہو یا رقیق ان میں بالاتفاق مسح جائز ہے بلا اختلاف۔ اور اگر رقیق ہو اور منعل نہ ہو تو اس پر بالاتفاق مسح جائز نہیں۔

اور اگر ثخین ہو لیکن منعل نہ ہو تو اس میں فقہاء کا اختلاف ہے امام شافعیؒ امام احمدؒ اور صاحبینؒ کے نزدیک اس پر مسح جائز ہے کیونکہ یہ موزے کے حکم میں ہے۔

امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس پر مسح جائز نہیں کیونکہ یہ خبر واحد سے ثابت ہے۔ اور خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادت جائز نہیں۔

البتہ امام ابو حنیفہؒ سے بعد میں جمہور کے مذہب کی طرف رجوع ثابت ہے کیونکہ جمہور کا مذہب مفتی بہ ہے۔

امام مالکؒ کے نزدیک تمام (چھ) صورتوں میں مسح جائز نہیں ہے کیونکہ یہ خبر واحد کے ذریعہ ثابت ہے اور خبر واحد کے ذریعہ کتاب اللہ پر زیادت جائز نہیں۔

جواب یہ ہے کہ موزے پر مسح خبر مشہور سے ثابت ہے نہ کہ خبر واحد سے اور جو چیز موزے کے حکم میں ہو اس پر بھی مسح جائز ہوگا لیکن جو چیز موزے کے حکم میں نہ ہو اس پر مسح جائز نہ ہوگا۔

(واللہ اعلم بالصواب)

باب التیمم

تیمم لغت میں قصد کو کہتے ہیں جیسے "ولا تیمموا الخبیث ای لا تقصدوا الخبیث"

اصطلاح شریعت میں "القصد الی التراب او ما یقوم مقامه علی وجه مخصوص بنیة مخصوصة عند عدم وجدان الماء حقیقة او حکما لاستباحة الصلوٰة وامتثال الامر"

اس باب میں چار مسائل قابل ذکر ہیں۔

(۱) تیمم کس چیز سے جائز ہے اور کس سے جائز نہیں؟ اس مسئلہ کا تعلق حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے "جعلت تربتها طهورا اذا لم نجد الماء"

(۲) تیمم کی ضربات کا مسئلہ اس کا تعلق حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے "ان تضرب بيدك الارض ثم تنفخ ثم تمسح بها وجهك وكفيك"۔

(۳) تیمم کے محل کا بیان اس کا تعلق بھی مذکورہ حدیث (عمار رضی اللہ عنہ کی حدیث) کے ساتھ ہے۔

(۴) تیمم کرنے کے بعد وقت نکلنے سے پہلے پانی پر قدرت حاصل ہوگئی تو اب کیا کرے گا؟ اس مسئلہ کا تعلق حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے "فاعاد احدهما الصلوٰة بوضوء ولم يعد الآخر"

تفصیل المسائل: (۱) تیمم کس چیز سے جائز ہے اور کس سے جائز نہیں؟ امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر اس چیز سے تیمم جائز ہے جو زمین کی جنس سے ہو چاہے مٹی ہو یا غیر مٹی، بشرطیکہ جلانے سے محترق نہ ہو اور پگھلانے سے منطبع نہ ہو اور اگر وہ جلنے والی یا پگھلنے والی چیز ہو تو پھر اس سے تیمم جائز نہیں۔

دلیل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں "فتیمموا صعیدا طیبا" صعید وجہ الارض کو کہتے ہیں چاہے مٹی ہو یا غیر مٹی۔

دوسری دلیل "جعلت لی الارض مسجدا وطهورا" طریقہ استدلال یہ ہے کہ جس طرح جنس الارض پر نماز پڑھنا جائز ہے تو اسی طرح جنس الارض سے تیمم کرنا بھی جائز ہے۔

امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک تیمم صرف مٹی سے جائز ہے مٹی کے علاوہ کسی دوسری چیز سے تیمم کرنا جائز نہیں ہے اور یہ حدیث باب ان کی دلیل ہے۔

جواب: اس دلیل کا جواب یہ ہے کہ مذکورہ دلائل کے قرینہ کی بناء پر مٹی کا ذکر حصر کیلئے نہیں بلکہ کثرت وجود اور کثرت استعمال کی بناء پر ہے یعنی عام طور پر تیمم مٹی سے کیا جاتا ہے تو آپ ﷺ نے کثرت استعمال کی وجہ سے مٹی کا ذکر فرمایا نہ کہ مٹی میں حصر

کرنا مقصود نہیں ہے۔

(۲) دوسرے مسئلہ کی تفصیل : یعنی تعدد ضربات۔ عن عمار رضی اللہ عنہ قال انما یکفیک الخ :

حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، اور امام شافعیؒ کے نزدیک تیمم کیلئے دو ضرب لازمی ہیں ایک ضرب چہرے کیلئے اور ایک ہاتھوں کیلئے ان حضرات کا استدلال حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے "قال کنت فی القوم حین نزلت الرخصة فی المسح علی التراب اذا لم تجد الماء فامرنا فضربنا واحدة للوجه وضربة اخری للذراعین الی المرفقین" (رواہ بزار)

اسی طرح حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے "التیمم ضربة للذراعین الی المرفقین" (رواہ الدارقطنی)۔

امام احمدؒ اور امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ تیمم کیلئے ایک ضرب کافی ہے دلیل "انما یکفیک هکذا فضرب النبی ﷺ بکفیه الارض فنفخ فیهما ثم مسح بهما وجهه و کفیه"۔

جواب : اس کا جواب یہ ہے کہ سیاق اور سباق یہ بتلا رہا ہے کہ یہ تیمم کی تعلیم دینے کیلئے اس طرح کیا ہے کیونکہ تیمم الوضوء کا واقعہ پہلے گزر چکا ہے۔ اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کو تیمم کی پوری کیفیت معلوم تھی کہ ایک ضرب چہرے کیلئے اور ایک ہاتھوں کیلئے لیکن ان کو تیمم عن الجنابة کا طریقہ معلوم نہ تھا تو آپ ﷺ نے اجمالاً اس کی طرف اشارہ فرمادیا کہ تیمم جنابت کا بھی وہی طریقہ ہے جو وضوء کے تیمم کا ہے۔

(۳) تیسرا مسئلہ مسح کے محل میں اختلاف کا بیان: امام ابوحنیفہؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک مسح کا محل چہرہ اور دونوں ہاتھ ہیں کہنیوں تک اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ان کی دلیل ہے کہ اس میں الی المرفقین کے الفاظ آئے ہیں۔

امام مالکؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک مسح کا محل چہرہ اور کفین الی الرسغین۔ ہیں البتہ امام مالکؒ نے فرمایا ہے کہ رسغین تک مسح فرض ہے اور مرفقین تک سنت ہے اور ان کی دلیل حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

امام شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ مسح کا محل چہرہ اور یدین الی المناکب ہیں اور ان کی دلیل فصل ثالث میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے۔

جواب : امام شافعیؒ نے یہ جواب ذکر کیا ہے کہ جب تیمم کی آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے تفصیل تعلیم ابھی تک نہیں دی تھی بلکہ صرف اجمالی خاکہ صحابہ کے سامنے پیش کیا اور پھر آپ ﷺ نے تفصیلی تعلیم دیدی لہذا حدیث مرفوع راجح ہوگی صحابی کے اجتہاد سے دوسرا جواب یہ ہے کہ اگر یہ تیمم آپ ﷺ کی تعلیم کی بناء پر ہے تو پھر یہ منسوخ ہے۔

(۴) چوتھا مسئلہ اگر وقت نکلنے سے پہلے پانی پر قدرت حاصل ہوجائے اگر کسی نے تیمم کیا اور ابھی تک

نماز نہیں پڑھی تھی کہ وقت کے اندر پانی مل گیا تو بالاتفاق اس کا تیمم ٹوٹ گیا اور پانی سے وضو کر کے نماز ادا کرنا ضروری ہوگا اور
اگر نماز ادا کرنے کے بعد پانی مل گیا تو بالاتفاق نماز کا اعادہ واجب نہیں۔

اور اگر نماز پڑھنے کے دوران پانی مل گیا تو اس میں اختلاف ہے چنانچہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تیمم نہیں ٹوٹتا بلکہ اس
کے ساتھ اپنی باقی نماز پوری کرلے جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ تیمم ٹوٹ گیا اور وضو کر کے نماز پڑھنا ضروری
ہوگا کیونکہ تیمم سے نماز صحیح ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ پانی موجود نہ ہو اور یہاں پر پانی موجود ہے لہذا جب پانی موجود ہے تو باقی نماز
بلا طہارت ہوگی اور بلا طہارت نماز درست نہیں ہوتی۔ (مرقاۃ)۔

باب الغسل المسنون

اس باب میں دو مسائل قابل ذکر ہیں (۱) جمعہ کے دن غسل واجب ہے یا نہیں؟ (۲) میت کو نہلانے اور جنازہ اٹھانے والے پر غسل واجب ہے یا نہیں؟

تفصیل: (۱) جمعہ کے دن غسل واجب ہے یا نہیں؟ جمہور (یعنی ائمہ اربعہ) کے نزدیک جمعہ کے دن غسل مستحب ہے اور استدلال میں حضرت سمرہ ابن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کرتے ہیں "عن سمرة بن جندب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ من توضأ یوم الجمعة فبها ونعمت ومن اغتسل فالغسل افضل" (رواہ احمد)۔

دوسری دلیل یہ حدیث ہے "من توضأ یوم الجمعة فاحسن الوضوء ثم اتی الجمعة فدنی واستمع وانصت غفرله" (رواہ مسلم) اس حدیث میں غسل کا ذکر نہیں ہے۔

جبکہ اہل ظواہر اور علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن غسل واجب ہے اور استدلال میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت پیش کرتے ہیں جو فصل اول میں آرہی ہے۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں پر امر استحباب کیلئے ہے وجوب کیلئے نہیں اور واجب بمعنی ثابت ہے یعنی مناسب یہ ہے کہ جمعہ کے دن غسل نہ چھوڑا جائے یہ معنی نہیں کہ غسل ترک کرنے والا گنہگار ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے "رعایة فلان علینا واجبة" یہاں پر واجبۃ کے معنی مناسب ہے۔

اس بات کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ ابتداء اسلام میں صحابہ کرام جب مسجد نبوی ﷺ میں آتے تو وہ چونکہ محنت اور مزدوری کرنے والے تھے اور مسجد نبوی ﷺ تنگ تھی تو گرمی کی وجہ سے جسم سے جو پسینہ نکلتا تو اس سے مسجد میں بدبو پھیلتی تو آپ ﷺ نے فرمایا ہے "اذا جاء احدکم الجمعة فلیغتسل" پھر جب فراخی آگئی تو مسجد نبوی ﷺ بھی فراخ ہوگئی تو آپ ﷺ نے رخصت دیدی کہ چاہے غسل کرے یا وضو کرے۔ فصل ثالث میں حضرت عکرمہؒ کی روایت آرہی ہے جس میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی تصریح ذکر ہے جو اس کے موافق ہے۔

میت کے نہلانے کے بعد غسل واجب ہے یا نہیں؟

جمہور ائمہ (امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ) کے نزدیک میت کو غسل دینے یا میت کو کندھے پر اٹھانے کیلئے غاسل اور حامل پر غسل واجب نہیں ہوتا۔

دلیل (۱) ان میتکم یموت فحسبکم ان تغسلوا ایدیکم (رواہ البیہقی)۔

دلیل (۲) موطا امام محمد میں روایت ہے "ان ابن عمر حنط ابنا لسعيد بن زيد وحمله ثم دخل المسجد فصلى ولم يتوضأ" (رواہ محمد فی موطاہ)

دلیل (۳) "عند کم فی میتکم غسل اذا غسلتموہ"۔

بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ میت کو غسل دینے اور کندھا دینے کے بعد غسل اور حامل پر وضو واجب ہے اور فصل ثانی کی روایت میں اور اسی طرح امام احمد ترمذی اور ابوداود کی روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

جمہور کی طرف سے جواب یہ ہے کہ امر استحباب کیلئے ہے تاکہ بدن دھو لیا جائے اسی طرح میت کو کندھا دینا عبادت ہے اور عبادت کیلئے وضو مستحب ہے۔

یا یہ کہا جائے کہ وجوب والی حدیث منسوخ ہو چکی ہے۔

وعن قيس بن عاصم انه اسلم فامره النبي ﷺ ان يغتسل بماء وسدر (رواه الترمذي وابوداود والنسائي)۔

ترجمہ اور حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ وہ جب اسلام کی دولت سے بہرہ ور ہوئے تو نبی کریم ﷺ نے انہیں یہ حکم دیا کہ وہ پانی اور بیری کے پتوں سے نہائیں۔

جب کوئی شخص اسلام میں داخل ہو رہا ہو اس کیلئے غسل واجب ہے یا نہیں چنانچہ اس میں فقہاء کا اختلاف ہے۔

امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد اس پر غسل لازم ہے کیونکہ حالت کفر کا غسل معتبر نہیں لہذا اگر اس کو حالت کفر میں جنابت لاحق ہوئی تھی اور اس نے غسل کیا بھی تھا تو وہ معتبر نہ ہوگا اور اسلام لانے کے بعد غسل کرنا واجب ہوگا۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جب اس نے اسلام قبول کرنے کا ارادہ کیا اور ارادہ سے پہلے غسل کیا یا ارادہ کے بعد غسل کیا تو وہ بھی معتبر ہے اسلام لانے کے بعد غسل واجب نہیں۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اسلام لانے کے بعد غسل واجب ہے اسلام لانے سے پہلے والا غسل معتبر نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جب اس کو حالت کفر میں جنابت لاحق ہوگئی تھی اور اس نے حالت کفر میں صحیح غسل کیا تھا اور پھر اسلام لایا تو اسلام لانے کے بعد دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں اگر حالت کفر میں جنابت سے غسل نہ کیا ہو تو اسلام لانے کے بعد غسل واجب ہے اور اگر حالت کفر میں جنابت عارض نہ ہوا اور اسلام لایا تو غسل کرنا لازم نہیں بلکہ یہ استحباب کیلئے ہے۔

باب الحیض

حیض لغت میں مطلق سیلان کو کہا جاتا ہے جیسے عرب کا قول ہے "حاض الوادی ای سال"؛ اصطلاح میں "دم ینفضه رحم امراة سلیمة من الداء والصغر"۔

اس کے بارے میں فقہاء کرام کا اختلاف ہے کہ حیض احداث میں سے ہے یا انجاس میں سے، دونوں رائے ہیں۔

جن حضرات نے حیض انجاس میں سے شمار کیا ہے وہ حیض کی یوں تعریف کرتے ہیں "دم ینفضه رحم امراة سلیمة من الداء والصغر"۔

اور جو حضرات فرماتے ہیں کہ حیض احداث میں سے ہے یعنی نجاست حکمیہ ہے وہ حیض کی تعریف دم سے نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک حیض کی تعریف یہ ہے "مانعیة شرعیة بسبب دم ینفضه رحم امراة سلیمة من الداء والصغر عما اشترط فیه الطهارة من الصوم والمسجد والقرآن" یعنی دم مذکور کی وجہ سے وہ شرعی رکاوٹ کی وجہ سے بیوی سے وطی کرنا، روزہ رکھنا، مسجد میں جانا اور تمام وہ کام جو ناجائز ہو جاتے ہیں جن کیلئے طہارت شرط ہے مثلاً نماز، مس مصحف وغیرہ۔ پہلی تعریف مشہور ہے لیکن مختار یہ ہے کہ حیض احداث میں سے ہے اس لئے اس کی دوسری تعریف ہونی چاہئے (کما تقدم پہلے باب میں)

حیض کا حکم حیض کا حکم یہ ہے کہ نماز، روزہ اور جماع کیلئے مانع ہے، مگر روزے کی قضا ہوگی اور نماز کی قضا نہیں

اس باب میں چند مسائل قابل ذکر ہیں پہلے مسئلہ کا تعلق فصل اول کی حدیث سے ہے "قال ﷺ اصنعوا کل شیء الا النکاح"

اس مسئلہ کی چار صورتیں بنتی ہیں تین صورتوں میں اتفاق ہے اور ایک میں اختلاف ہے۔

(۱) مافوق السرۃ وتحت الرکبہ سے استمتاع بالاتفاق جائز ہے۔

(۲) ماتحت السرۃ ومافوق الرکبہ فوق الازار سے استمتاع حاصل کرنا بھی بالاتفاق جائز ہے۔

(۳) استمتاع بالفرج بالاتفاق حرام ہے۔

(۴) مافوق الرکبہ وتحت السرۃ تحت الازار بدون الفرج میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

امام احمد، امام ابو یوسف، امام محمد، حسن بن زیاد اور ایک قول امام شافعی کا یہ ہے کہ استمتاع بدون الفرج جائز ہے، اور ان حضرات کی دلیل یہ حدیث ہے "اصنعوا کل شیء الا النکاح" (مشکوٰۃ ص ۵۶)۔

علامہ ... اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں (۱) یہ کہ کیا ہم حیض کے دوران عورتوں سے دور رہیں کھانے پینے اور رہن سہن میں؟ تاکہ یہودیوں کی مخالفت ہو تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک لال ہو گیا اور فرمایا "ان تخالف قومه لا..."

(۲) دوسرا مطلب اس کا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہم یہودیوں کی کامل مخالفت نہ کریں کہ دوران

اور اگر اپنی بیوی کے علاوہ کسی اجنبیہ کے ساتھ یا حیض کے ساتھ وطی فی الدبر حلال سمجھ کر کرے تو کافر ہوگا کیونکہ اس کی حرمت لذاتہ ہے۔

وطی امرأۃ فی دبرھا: اہل سنت والجماعت فرماتے ہیں کہ یہ ایک قبیح فعل ہے اور شریعت نے اس کو حرام قرار دیا ہے۔ جبکہ فرقہ امامیہ اس کے جواز کا قائل ہے۔ انہوں نے بڑی کوشش کی ہے کہ اسلاف میں سے کسی کو اپنا ہمنوا بنائے لیکن تمام سلف صالحین اس قبیح فعل سے بیزار ہیں۔ اسی طرح حضرت ابن عمرؓ کی بعض روایات سے یہ شبہ واقع ہوتا ہے کہ وہ اس کے جواز کے قائل تھے کیونکہ انہوں نے اس آیت "فاتوا حرثکم انی شئتم" کی تفسیر میں "یاتیہا فی ------" فی کے بعد یہاں رہ گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابن عمرؓ پر افترا اور بہتان ہے کیونکہ بعض لوگوں نے "فی" کا مجرور ذکر کیا ہے "ای فی قبلہا" اور بعض لوگوں نے "فی دبرہا" ذکر کیا ہے لیکن جب حضرت ابن عمرؓ سے وطی فی الدبر کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے اس پر سخت نکیر کی اور فرمایا "هل يفعل ذلك احد من المسلمين وفي رواية او هل يفعل ذلك مؤمن او قال مسلم"۔ اور جن موہوم روایات سے وطی فی الدبر کا جواز معلوم ہوتا ہے اس میں اہم شخصیت نافع ہے جب نافع سے پوچھا گیا "قد اكثر عليك القول عن ابن عمر انه افتى بان توتى النساء في ادبارهن" تو نافع نے فرمایا ہے "كذبوا علي" اور اس کے بعد نافع نے بڑی لمبی تقریر کی جس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابن عمرؓ وطی فی الدبر کے جواز کے قائل نہیں تھے۔

عن ابن عباس رضي الله عنه: اذا كان دما احمر فدينار واذا كان دما اصفر فنصف دينار

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ جب خون کا رنگ سرخ ہو اور اس حالت میں جماع کیا ہو تو اس پر دینار کا فدیہ ہے اور اگر خون کا رنگ زرد ہو تو فدیہ آدھا دینار ہے۔

مفہوم حدیث: اس کے متعلق دو مذہب ہیں۔ حضرت امام اوزاعیؒ، اسحاق بن راہویہؒ، امام شافعیؒ کا ایک قول اور امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ اگر وطی دم احمر کے وقت واقع ہوئی تو پورا ایک دینار دینا لازم ہوگا اور اگر دم اصفر کے وقت واقع ہوئی تو نصف دینار دینا لازم ہوگا۔

حسن بصریؒ اور سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ ایک غلام آزاد کرنا لازم ہوگا۔

احناف، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور جمہور تابعین فرماتے ہیں کہ حالت حیض میں وطی کرنے کا تدارک توبہ اور استغفار سے ہو سکتا ہے۔

اور مذکورہ روایت "اذا كان دما احمر فدينار واذا كان دما اصفر فنصف دينار" اگر یہ ثابت ہو جائے تو یہ محمول ہے استحباب پر۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ امام نوویؒ نے نقل کیا ہے کہ اس روایت کے ضعیف ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔
لہٰذا یہ قابل استدلال نہیں ہے۔

اب اگر صحیح تسلیم کر لیا جائے تو پھر دم سرخ میں دینار اور دم اصفر میں نصف دینار کے درمیان فرق کی وجہ کیا ہے؟

جواب: دم احمر حیض کی ابتداء میں ہوتا ہے اس میں ایذارسانی زیادہ ہوتی ہے تو اس میں کفارہ بھی زیادہ ہوگا اور دم اصفر حیض کے آخر میں ہوتا ہے اس میں ایذارسانی بھی کم ہوتی ہے تو اس میں کفارہ بھی کم ہوگا۔

(۲) دم احمر حیض کی ابتداء میں ہوتا ہے تو گویا کہ یہ زمانہ وطی کے زمانے کے ساتھ قریب ہے یعنی ابھی اس نے وطی کی ہے تو اتنی جلدی وطی کی ضرورت نہیں تھی اس لئے پورا دینار دینا لازم ہوگا اور دم اصفر حیض کے آخر میں ہوتا ہے تو یہ زمانہ وطی کے زمانے سے بعید ہے اس لئے عذر بھی ہے تو نصف دینار دینا لازم ہوگا۔

باب المستحاضة

مستحاضہ باب استفعال کا مصدر یا اسم مصدر ہے اس کا مجرد حیض ہے اس میں سین اور تاء کا اضافہ ہوا ہے دو معانی پیدا کرنے کیلئے یا مبالغہ پیدا کرنے کیلئے۔ کیونکہ حیض کے معنی ہیں سیلان اور استحاضہ کے معنی ہیں کثرۃ السیلان۔ یعنی باب (کثرۃ السیلان) سین اور تاء تحول کیلئے ہے۔

دم حیض کی نوعیت اور حکم الگ ہے جبکہ دم استحاضہ کی نوعیت اور حکم الگ ہے جب استحاضہ شروع ہو جائے تو ایک نوعیت اور حکم سے دوسری نوعیت اور حکم کی طرف تحول اور انتقال ہوتا ہے۔

استحاضہ کی تعریف: "دم یخرج من العرق من فم الرحم یقال له العاذل بسبب المرض" یعنی اصطلاح میں استحاضہ اس خون کو کہتے ہیں جو بیماری کی وجہ سے ایک رگ سے خارج ہوتا ہے جس کو عاذل کہتے ہیں

عاذل، عذل سے مشتق ہے معنی ہیں ملامت کرنے کیونکہ اس کی وجہ سے بھی عورت مذمت میں مبتلا ہو جاتی ہے اس لئے اس رگ کو عاذل کہتے ہیں۔

مستحاضہ کے اقسام اور احکام: احناف کے نزدیک مستحاضہ کی کئی اقسام ہیں۔ (۱) مبتدءۃ (۲) معتادہ پھر معتادہ کی دو قسمیں ہیں (۱) ذاکرہ (۲) ناسیہ

پھر ناسیہ کی تین قسمیں ہیں (۱) محرِّیہ (۲) مترددہ (۳) متحیرہ۔

تفصیل (۱) مستحاضہ مبتدءۃ وہ ہے کہ بالغ ہوتے ہی اس کو استحاضہ لاحق ہو جائے اس کا حکم یہ ہے کہ ہر مہینہ میں دس دن حیض شمار ہوگا اور باقی استحاضہ لہذا حیض کے ختم ہونے پر غسل کرے گی اور پھر ہر نماز کیلئے وضو کرے گی۔

(۲) **مستحاضہ معتادہ ذاکرہ**۔ وہ ہے جس کے حیض کی عادت معلوم ہو اور پھر اس کا حیض خراب ہو کر استحاضہ میں تبدیل ہو جائے اس کا حکم یہ ہے کہ عادت کے مطابق جو دن ہیں وہ حیض میں شمار کئے جائیں گے اور باقی استحاضہ شمار کیا جائے گا۔

(۳) معتادہ ناسیہ محرِّیہ۔ وہ ہے جو اپنی عادت کو بھول گئی ہو لیکن اپنے غالب گمان کی بناء پر کسی ایک جانب کو ترجیح دے سکتی ہو اس کا حکم یہ ہے کہ غالب گمان کے مطابق جتنے دن حیض کے تھے اتنے دن تک حیض شمار کیا جائے گا اور باقی استحاضہ ہوگا۔

(۴) معتادہ ناسیہ مترددہ۔ وہ ہے جو اپنی عادت بھی بھول گئی ہو اور کسی جانب کو ترجیح بھی نہ دے سکتی ہو اس کو اگر اس بات میں تردد ہو کہ یہ دن اس کے طہر سے خروج اور حیض میں داخل ہونے کے ایام ہیں، اس کا حکم یہ ہے کہ ہر نماز کیلئے وضو کرے گی۔

اور اگر اس کو اس بات میں تردد ہو کہ یہ دن اس کے حیض سے خارج اور طہر میں داخل ہونے کے ایام ہیں تو اس صورت میں ہر نماز کیلئے غسل کرے گی۔

(۵) معتادہ تمیزہ ان کو طہر کے داخل ہونے کا علم ہو اور حیض کا تو وہ ہر نماز کیلئے غسل کرے گی

وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ فَاطِمَةُ بِنْتُ أَبِي حُبَيْشٍ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنِّي امْرَأَةٌ أُسْتَحَاضُ فَلَا أَطْهُرُ أَفَأَدَعُ الصَّلَاةَ فَقَالَ لَا إِنَّمَا ذٰلِكِ عِرْقٌ وَلَيْسَ بِحَيْضٍ فَإِذَا أَقْبَلَتْ حَيْضَتُكِ فَدَعِي الصَّلَاةَ وَإِذَا أَدْبَرَتْ فَاغْسِلِي عَنْكِ الدَّمَ ثُمَّ صَلِّي (متفق علیہ)

ترجمہ حضرت عائشہ صدیقہؓ راوی ہیں کہ فاطمہ بنت ابی حبیشؓ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں ایک ایسی عورت ہوں جسے برابر (استحاضہ کا) خون آتا رہتا ہے۔ چنانچہ میں کسی وقت پاک نہیں رہتی تو کیا میں نماز چھوڑ دوں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا نہیں یہ تو ایک رگ کا خون ہے، حیض کا خون نہیں ہے لہٰذا جب تمہیں حیض آنے لگے تو تم نماز چھوڑ دو اور جب حیض ختم ہو جائے تو تم اپنے خون کو دھو ڈالو (اور غسل کر کے) نماز پڑھو۔

تشریح الحدیث حدیث کی وضاحت کرنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ حیض کے الوان چھ قسم پر ہیں۔

(۱) اسود (۲) احمر (۳) اخضر (۴) اصفر (۵) اخضر (۶) اکدر۔

مطلب یہ ہے کہ اگر کسی عورت کی سابقہ عادت دم اسود کی تھی پھر دم اسود ختم ہونے کے بعد دم احمر شروع ہو گیا تو دم اسود کے ایام کو حیض شمار کیا جائے گا اور باقی استحاضہ شمار کیا جائے گا۔

اور اگر کسی عورت کی عادت دم احمر کی تھی پھر اس کے ختم ہونے کے بعد دوسرا لون مثلاً دم اصفر شروع ہو گیا تو دم احمر حیض شمار کیا جائے گا اور باقی ایام استحاضہ شمار کیا جائے گا۔

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ أَبِي حُبَيْشٍ أَنَّهَا كَانَتْ تُسْتَحَاضُ فَقَالَ لَهَا النَّبِيُّ ﷺ إِذَا كَانَ دَمُ الْحَيْضِ فَإِنَّهُ دَمٌ أَسْوَدُ يُعْرَفُ فَإِذَا كَانَ ذٰلِكِ فَأَمْسِكِي عَنِ الصَّلَاةِ فَإِذَا كَانَ الْآخَرُ فَتَوَضَّئِي وَصَلِّي فَإِنَّمَا هُوَ عِرْقٌ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

ترجمہ حضرت عروہ بن زبیرؓ (تابعی) حضرت فاطمہ بنت ابی حبیشؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہیں استحاضہ کا خون آتا تھا، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ جب حیض کا خون آئے جس کی پہچان یہ ہے کہ وہ سیاہ رنگ کا ہوتا ہے تو اس وقت تم نماز پڑھنے سے رک جایا کرو اور جب استحاضہ کا خون آنے لگے (یعنی خون سیاہ رنگ کے علاوہ کسی رنگ کا ہو) تو وضو کر کے نماز پڑھ لیا کرو کیونکہ (یہ حیض کا نہیں بلکہ) ایک رگ کا خون ہوتا ہے۔

تشریح الحدیث مستحاضہ کے احکام کا مدار الوان پر ہے یا ایام پر؟ حضرت امام مالک اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ مستحاضہ یا ممیزہ ہوگی یا غیر ممیزہ اگر ممیزہ ہو یعنی دم حیض اور دم استحاضہ میں فرق کر سکتی ہو تو پھر احکام کا مدار الوان پر